حضرت قطب ویلور رحمۃ اللہ علیہ
اور
ان کے خلفاء کے علمی و ادبی کارنامے
افضل العلماء مولوی حافظ ڈاکٹر ابو النعمان بشیر الحق قریشی
یم اے۔ پی ہچ ڈی
ویلور اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن
62۔ گاندھی روڈ۔ ویلور۔ 632004۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت قطب ویلور رحہ

اور

ان کے خلفاء کے علمی و ادبی کارنامے

افضل العلماء مولوی حافظ

ڈاکٹر ابوالنعمان بشیر الحق قریشی

ایم،اے، پی ایچ ڈی

ناشر:

اسلامک ریسرچ فاونڈیشن، ۶۲، گاندھی روڈ، ویلور

نامِ کتاب: حضرت قطب ویلور اوران کے خلفاء کے علمی وادبی کارنامے

موضوع: تحقیق (مقالہ، برائے ڈگری آف ڈاکٹر آف فلاسفی)

دانش گاہ: شری شنکر آچاریہ یونیورسٹی آف سنسکرت، کالڈی، کیرلا

مصنف: افضل العلماء مولوی حافظ ڈاکٹر ابوالنعمان بشیر الحق قریشی، ایم اے پی ایچ ڈی

سنِ اشاعت: ۲۰۰۴ء مطابق ۱۴۲۵ھ (جلد اول)

مقامِ طباعت: ٹمل ناڈو اردو پبلیکیشنز، امیر النساء بیگم اسٹریٹ، چنئی

کمپوزنگ: شمس گرافکس، ۵۳، فقیر صاحب گلی، جام بازار، ٹرپلکین، چنئی ۵،

ناشر: اسلامک ریسرچ فونڈیشن، ۶۲، گاندھی روڈ، ویلور، ٹمل ناڈو، ۶۳۲۰۰۴

قیمت: ۲۰۰/ روپے (Rs 200)

زیر نگرانی: علیم صبا نویدی، مدیر "نورِ جنوب"، چنئی

مقام دستیاب: دارالعلوم لطیفیہ، حضرت مکان، ویلور

مسجد حضرت علی سلطان، گاندھی روڈ، ویلور

مکتبۂ جامعہ لیمیٹڈ، دہلی، علیگڑھ، بمبئی،

مکتبۂ حسان، ۶/۱۸۴، برھان الدین اسٹریٹ، کڑپہ، ۵۱۶۰۰۱

اسٹار پبلیکیشن، آصف علی روڈ، نئی دہلی، ۱۱۰۰۰۲

نذیر بک ڈپو، ۳۲۳، ٹرپلکین روڈ، چنئی ۵،

شگوفہ پبلیکیشنز، ۳۱، بیچلر کوارٹرس، معظم جاہی مارکیٹ، حیدرآباد، ۵۰۰۰۰۱

فون: (مصنف) ۰۴۱۶۔۲۲۳۳۳۷۸ 0416-2233378

بسم اللہ الرحمن الرحیم

افتتاحیہ

اختتامیہ

مقدمہ

ڈاکٹر افضل الدین اقبال

پروفیسر صدر شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد

آج سے تیس سال پہلے کی بات ہے میں عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کے ایک ریسرچ اسکالر کی حیثیت سے ''مدراس میں اردو کی نشونما'' کے موضوع پر ممتاز محقق ونقاد و ماہر دکنیات پروفیسر سیدہ جعفر کی نگرانی میں پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھنے میں مصروف تھا جناب محترم ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب مرحوم (پیرس) نے ہی مجھے ''مدراس میں اردو ادب کی نشونما'' پر کام کرنے اور حیدرآباد و مدراس کے خاندانی کتب خانوں کے علاوہ ویلور، پانڈی چیری کے کتب خانوں سے بھی استفادہ کا مشورہ دیا تھا۔ چنانچہ حیدرآباد اور مدراس کے کتب خانوں سے استفادہ کے بعد میں ویلور پہنچا۔ سب سے پہلے لطیفہ عربی کالج آیا۔ میں جلد سے جلد یہاں کے کتب خانے کو دیکھنا چاہتا تھا لیکن محترم مولانا ابو صالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر قادری صاحب اور مولانا ابوالحسن صدر الدین سید شاہ طاہر قادری صاحب ناظم لطیفیہ عربی کالج کے خلوص نے مجھے روکا۔ پہلے ایک دو دن تو آرام لینے کا مشورہ دیا گیا۔ پھر لطیفیہ عربی کالج کے ایک ہونہار طالب علم حافظ بشیر الحق قریشی کو کتب خانہ کی کنجیاں دی گئیں اور ان سے خواہش کی گئی کہ مجھے کتب خانہ بتلائیں۔ اسی دن پہلی بار میں نے حافظ بشیر الحق صاحب کو دیکھا۔ یہاں تین چار دن تک ان کا ساتھ رہا۔ ایک دن ان کے ساتھ آرکاٹ بھی گیا۔ جو کبھی نوابان آرکاٹ کا پایہ تخت تھا۔ یہاں کی کئی تاریخی عمارتوں کی تصاویر میرے مقالے میں موجود ہیں ان سب میں حافظ بشیر الحق نظر آتے ہیں۔ ایک جمعہ ویلور کی مسجد حضرت علی سلطان میں حافظ بشیر الحق کا خطبہ اور تقریر سننے کا بھی موقعہ ملا۔ وہ اس مسجد کے آج بھی امام اور خطیب ہیں ان کا خطبہ بڑا عالمانہ تھا۔ حالانکہ اس وقت حافظ بشیر الحق کمسن تھے۔ میں ان کی ذہانت، حسن اخلاق، خوش مزاجی، خوش خلقی، سنجیدگی اور شیریں کلامی سے متاثر ہوا۔ آج بھی اتنا طویل عرصہ گذرنے کے باوجود میں انھیں بھولا

نہیں ان سے راہ ورسم اور علمی ربط برقرار ہے۔

حافظ بشیر الحق قریشی ادھونی (ضلع کرنول، آندھرا پردیش) کے ایک علمی ودینی خانوادہ کے چشم و چراغ ہیں وہ یہیں ادھونی میں ڈسمبر ۱۹۵۳ء کو پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان کئی پشتوں سے شہر ادھونی میں آباد ہے۔ اور یہ پیش امام گھرانہ، منشی خاندان اور قریشی خاندان کے نام سے جانا اور پہچانا جاتا ہے۔ قریشی، قریش کے طرف منسوب ہے اور یہ حضور اکرم ﷺ کے خاندان اور قبیلہ سے نسبت کا اظہار ہے۔ اس کے افراد امامت، خطابت، قضاوت، تعلیم اور تدریس کے میدان میں اپنی خدمات کے باعث عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ حافظ بشیر الحق کے جد امجد مولانا منشی عبدالصمد قریشی اپنے وقت کے مشہور عالم وفاضل، مدرس ومصنف تھے ان کی ذات گرامی سے بے شمار تشنگاں علم نے سیرابی حاصل کی۔ آپ کے فیض یافتگان علماء وفضلا اور شعراء وادبا کے ذریعہ ادھونی اور اس کے قریب و جوار میں شعر وسخن کو بڑا فروغ ملا۔ آپ کی تعلیم وتربیت کے باعث بے شمار افراد تطہیر وتزکیہ کی نعمت سے بہرہ ور ہوئے۔ آپ نے اپنے پیچھے اسلامی علوم وفنون اور درس نظامیہ سے متعلق بے شمار کتابیں اور کئی قلمی مخطوطات اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ آپ کی وفات پر آپ کے شاگردوں نے بڑے پرسوز مراثی اور قطعات کہے ہیں۔ یہاں دو قطعات پیش ہیں۔ جن سے آپ کی عالمانہ، فاضلانہ اور داعیانہ شخصیت کا عکس جھلکتا ہے۔

عالم باعمل وحامئی دین ہوئے داخل بظلِ رحمتِ رب
آہ نیّر جدا ہوئے ہم سے تھے جو نور چراغ علم وادب ۱۳۵۷ھ

مولوی عالی منشی عبدالصمد رفت زد نیا بہ سوئے خلد علا
سال تاریخ حق جلیل بگو ہادی گنج علم کرد قضا ۱۳۵۷ھ

مولوی منشی عبدالصمد قریشی کی وفات ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹۳۸ء میں ہوئی۔ مادہ تاریخ وفات تنویر امامت (۱۳۵۷ھ) سے بھی نکلتا ہے۔

حافظ بشیر الحق کے والد ماجد حضرت مولانا محمد انور قریشی بی ذی علم اور صاحب نسبت بزرگ تھے وہ بھی علم اور تزکیہ سے جڑے رہے۔ آپ کو حضرت مولانا سید شاہ محمد مخدوم حسین المعروف خواجہ پیر حسینی

حسنی نظامی منشی عدالت العالیہ جامعہ نظامیہ حیدرآباد سے خرقۂ خلافت حاصل رہا اور اس کے علاوہ خانوادۂ اشرفیہ کچھوچھہ شریف سے بھی بیعت وخلافت حاصل رہی۔ ۱۹۳۷ء میں آپ نے بلہاری عاشور خانہ ہاونہ پیٹ میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا جو الحمدللہ آج بھی قائم ہے آپ عادل شاہی عہد کی تاریخی شاہی جامع مسجد ادھونی کے نصف صدی تک امام رہے۔ ۱۱، آگسٹ ۱۹۹۳ کو آپ نے وفات پائی۔ چند گھنٹوں بعد ہی آپ کی شریک حیات نے بھی اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کردی۔ حافظ بشیر الحق نے اپنے والدین کی نماز جنازہ پڑھائی۔ ''اجر غیر ممنون'' سے حافظ صاحب کے والدین کا مادۂ تاریخ وفات نکلتا ہے۔

صاحب اوصاف کے اخلاق ہو کیسے بیاں
اے نکیرواں پہ ہے اللہ کی رحمت لکھو
حرف منقوطہ میں ہاتف سے صدا آئی حیات
حکم رب منشی محمد نور اب رخصت لکھو ۱۴۱۴ھ

حافظ بشیر الحق قریشی کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہی والد محترم منشی محمد نور قریشی صاحب کے پاس ہوئی پھر شاہی جامع مسجد ادھونی کے مدرسہ حفاظ سے قرآن کریم حفظ کیا۔ حفظ قرآن مجید کے بعد آپ درس نظامیہ کی تعلیم کے لئے دار العلوم لطیفیہ ویلور میں شریک ہوئے اور یہاں سے مولوی فاضل کا امتحان اعزاز سے پاس کیا۔ درس نظامیہ کی تعلیم کے ساتھ آپ نے ذاتی مطالعہ کے ذریعہ مدراس یونیورسٹی سے عربی میں افضل العلماء فارسی میں منشی فاضل اور اردو میں ادیب فاضل اور عثمانیہ یونیورسٹی سے بی اوایل کی سندیں امتیازی حیثیت کے ساتھ حاصل کیں پنڈت ٹیچرس ٹریننگ گورنمنٹ آف ٹامل ناڈو کا امتحان پاس کیا۔ میسور یونیورسٹی سے ایم اے کیا۔ ٹامل ناڈو یونانی میڈیکل اسوسیشن چینئی سے طب یونانی میں کامیابی حاصل کی سند حکیم سے سرفراز ہوئے۔ پھر سری شنکر آچاریہ یونیورسٹی آف سنسکرت کیرلا سے پی ایچ ڈی کی اعلیٰ ڈگری حاصل کی۔ آپ کا موضوع تھا۔ ''حضرت قطب ویلور اور ان کے خلفاء کے علمی و ادبی کارنامے''۔

حافظ بشیر الحق قریشی بڑی کم عمری سے لطیفیہ عربی کالج میں فن تفسیر اور عربی ادب وغیرہ کی تدریس کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ یہ تدریسی سلسلہ تقریباً ۲۵ سال سے جاری ہے۔ درس وتدریس

کے ساتھ آپ افتاء نویسی دارالتصنیف ولاشاعت کی معتمدی اور لطیفیہ عربی کالج کے علمی ترجمان ''اللطیف'' کی ادارت کا فریضہ بھی انجام دے رہے ہیں۔ڈاکٹر سید شاہ عثمان پاشاہ قادری ناظم دارالعلوم لطیفیہ کا بیان ہے''مولانا بشیر الحق نے جریدہ (اللطیف) کو خالص علمی، دینی اور دعوتی مزاج عطا کیا اور اپنے ادارياتی مضامین اور مقالات میں مثبت انداز اور تعمیری پہلو کو اپنایا اور جرح وقدح 'لعن وطعن' 'نوک جھونک' مناظرانہ اسلوب، غیر علمی تنقید اور غیر سنجیدہ انداز بیان سے مکمل اجتناب کیا ہے اور اختلافی اور فروعی مسائل کے اندر اعتدال وتوازن اور توسط واحتیاط کی روش اختیار کی اور دیگر اہل قلم حضرات کے مضامین کے انتخاب میں بھی اس معیار اور اسی مزاج کو قائم رکھا اور آج ''اللطیف'' کا کاروان اسی جادۂ مستقیم پر رواں دواں ہے۔''

حافظ بشیر الحق قریشی کی نوک قلم سے مختلف موضوعات پر دو درجن علمی، دینی اور مذہبی کتابیں شائع ہو چکی ہیں جو سب کی سب بڑی مقبول ہوئیں۔ان میں ام القرآن، تفسیر سورۃ مزمل، رحمۃ اللعالمین ﷺ، توسل نبی کی شرعی حیثیت، آثار الرسول ﷺ، اصحابی کالنجوم، بیعت کی شرعی حیثیت، اسلامی قانون سازی کا تاریخی جائزہ، شراب اور اس کا اسلامی موقف، جمعہ! ملت اسلام کا عظیم شعار، صدقہ کی اہمیت و فضیلت، الروح فی الاسلام، گہر ہائے صدف، صحابہ سے متعلق اہل سنت و جماعت کے عقائد، بسم اللہ خوانی کی شرعی حیثیت، صحیفہ افکار، نامہ اسفار، تعارف شمس العلماء مولانا عبدالوہاب ویلوری، وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ان گراں قدر کتابوں پر مختصر تبصرے کے لئے بھی کئی صفحے درکار ہیں۔مولانا حافظ بشیر الحق کی زندگی کا ایک اہم کارنامہ مرکز تحقیقات الاسلامیہ ویلور (Islamic Research Foundation Vellore) کا قیام ہے۔اس تحقیقی ادارہ کی جانب سے اب تک کئی کتابیں اور مختلف کتابوں کے تراجم شائع ہو چکے ہیں۔اس ادارہ کا ترجمان ''الاصلاح'' بھی کامیابی سے نکل رہا ہے۔

۲۰۰۰ء میں پہلی مرتبہ صوبہ ٹمل ناڈو میں گورنمنٹ اردو اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا تو حافظ بشیر الحق اس کے ممبر منتخب ہوئے۔اب حافظ بشیر الحق صاحب کا ڈاکٹریٹ کا تحقیقی مقالہ ''حضرت قطب ویلور اور ان کے خلفاء کے علمی وادبی کارنامے'' شائع ہو رہا ہے۔ڈاکٹر صاحب کی حضرت قطب ویلور سید شاہ محی الدین عبداللطیف قادری کی ذات گرامی سے بڑا قلبی وروحانی اور قلمی ربط رہا ہے۔وہ کئی برسوں سے حضرت

قطب ویلور کی فارسی تصانیف کو اردو میں منتقل کر رہے ہیں۔ جو "اللطیف" میں شائع ہوتی رہیں ہیں اور علحدہ کتابی صورت میں بھی طبع ہوئیں ہیں ان میں سے ایک "فصل الخطاب" ہے۔ جو چالیس مختلف و متعدد علمی و فقہی اور عرفانی موضوعات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس مکمل کتاب کا اردو ترجمہ اللطیف میں قسط وار شائع ہو چکا ہے۔ دوسری "غایۃ التحقیق" ہے جو تصوف کے دقیق موضوعات وحدۃ الوجود اور وحدہ الشہود کی وضاحت پر مشتمل ہے۔ یہ مکمل کتاب بھی ڈاکٹر بشیر الحق کے اردو ترجمہ کے ساتھ اللطیف میں شائع ہو چکی ہے۔ حضرت قطب ویلور کے متعدد قلمی فارسی مکتوبات کا بھی انھوں نے اردو ترجمہ کیا ہے۔ یہ اتنا بڑا کام ہے کہ اللہ نے ڈاکٹر بشیر الحق کے قلم کے ذریعہ یہاں کے بزرگوں کی کتابوں کو نئی زندگی دی۔ ورنہ لوگ عربی و فارسی سے ناواقف ہونے کے سبب ایسی اہم علمی کتابوں کے فائدہ سے محروم تھے۔

۱۹۸۴ء کو حضرت مولانا ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری نے ڈاکٹر بشیر الحق کو بیعت و خلافت سے سرفراز فرمایا اور اپنے دستِ مبارک سے ان کے سر پر عمامہ باندھا۔ اعلیٰ حضرت نے آپ کو نہ صرف بیعت و خلافت سے نوازا بلکہ سند مصافحہ سے بھی سرفراز فرمایا۔ قاضی ارتضا علی خان خوشنود فاروقی نے شرح قصیدہ بردہ میں لکھا ہے۔ "آتش دوزخ مومن پر حرام ہے جس نے آنحضرت ﷺ سے مصافحہ کیا ہو اور یہ مصافحہ بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ اس کے گناہوں کے مٹ جانے اور جنت میں داخل ہونے کا سبب ہے۔" یہی وہ قلبی اور باطنی لگاؤ تھا جس کی وجہ سے حافظ بشیر الحق قریشی نے حضرت قطب ویلور کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا۔ حضرت قطب ویلور ایسے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے جس کے بزرگوں حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری قربیؔ، حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری ذوقیؔ اور حضرت سید شاہ ابوالحسن ثانی قادری محویؔ نے اپنی علمی، ادبی، مذہبی اور تبلیغی سرگرمیوں کے لئے عربی و فارسی کے علاوہ اردو زبان کا بھی استعمال فرمایا۔ ان بزرگوں کے گراں قدر کارناموں کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ متعدد ارباب تحقیق نے اس خاندان کی علمی و ادبی خدمات کا جائزہ لیا ہے جن میں مولوی نصیر الدین ہاشمی، ڈاکٹر زور، پروفیسر یوسف کوکن، پروفیسر فضل اللہ، ڈاکٹر ذاکرہ غوث، پروفیسر افضل اقبال، ڈاکٹر جمیل جالبی، جناب کاوش بدری، ڈاکٹر راہی فدائی، جناب علیم صبا نویدی، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، ڈاکٹر سید شاہ عثمان پاشا قادری وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ لیکن حضرت سید شاہ محی الدین عبداللطیف قادری المعروف بہ قطب ویلور کی حیات و

خدمات پر ابھی تک تحقیقی کام نہیں ہوا تھا۔حافظ بشیر الحق کو یہ سعادت ملی۔وہ برسوں سے حضرت قطب ویلو ر پر کام کر رہے تھے۔اور ان کی عربی، فارسی اور اردو تصانیف سے واقف تھے اور عوام کو ان کتابوں سے متعارف کرانے میں لگے ہوئے تھے۔لطیفیہ عربی کالج کے نایاب کتب خانہ سے انھوں نے دل کھول کر استفادہ کیا جس کی وجہ سے کئی گوشے نمایاں ہو گئے۔جو اب تک تاریکی میں تھے۔

حضرت قطب ویلور ۱۲۰۷ھ، ۱۷۹۲ء کو پیدا ہوئے۔اور ۱۲۸۹ھ، ۱۸۷۲ء میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔حضرت قطب ویلور نے جس وقت میدان عمل میں قدم رکھا اس وقت ہندوستان پر سامراجی انگریزوں کا قبضہ تھا۔شمالی ہند میں آپ کے ہم عصر عالم حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے دیا تھا۔جس کے نتیجہ میں جہاد کا غلغلہ بلند تھا۔ہر طرف ہنگامے اور شورشیں برپا تھیں انگریز سامراج پوری قوت سے ان شورشوں کو ختم کرنے میں لگا ہوا تھا جس کی وجہ سے شمالی ہند میں قید و بند اور کشت و خون کا بازار گرم تھا۔تو دوسری طرف حکومت اور عیسائی مشنری دونوں عیسائیت کے فروغ اور توسیع کے لئے سرگرم تھے اور ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ہندوستان سے اسلام کے قدم اکھڑ جائیں گے۔ ایسے وقت جنوبی ہند میں حضرت قطب ویلور کی ذات گرامی نے اسلام کے احیاء کی تحریک شروع کی وہ خود اپنے خلفاء و تلامذہ کے ساتھ انگریزی حکومت اور انگریز سامراج سے محاذ آرائی کے بجائے خاموشی سے دعوت اسلام کی تحریک میں لگ گئے۔قطب ویلور نے انگریزوں کو اسلام کی جانب مائل کرنے کی کوششوں کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے مختلف راجاؤں اور غیر مسلم طبقوں کو بھی اسلام کی دعوت دی۔ ہندی، تلگو، ٹامل، ملیالم اور مرہٹی میں دعوت نامے طبع کروا کر اپنے خلفاء کے ذریعہ ناموراور اہم شخصیتوں کو روانہ کئے۔ اس طرح اسلام کی نشر و اشاعت پر بڑا زور دیا اور اسلام کی صحیح تصویر پیش کی۔

حضرت قطب ویلور نے ملکہ وکٹوریہ کو بھی اسلام کی دعوت دی تھی۔ملکہ نے آپ کی دعوت اسلام کے جواب میں لکھا تھا کہ مذہب اسلام دین برحق ہے لیکن وہ چند وجوہ کے باعث اسلام قبول کرنے سے قاصر رہے۔

حضرت قطب ویلور کی ذات گرامی سے اصلاح و دعوت کا کام بڑے پیمانے پر ہو رہا تھا۔بعض شر پسندوں نے ۱۲۵۵ھ، ۱۸۳۹ء میں آپ کے خلاف حکومت میں یہ شکایت درج کرادی کہ آپ لوگوں کو

برطانوی حکومت کے خلاف جہاد پر ابھار رہے ہیں۔حکومت کی جانب سے آپ کو قید کر کے مقدمہ چلایا گیا۔لیکن کوئی ٹھوس ثبوت نہ ملنے سے دو ماہ بعد آپ کو باعزت رہا کر دیا گیا۔حضرت قطب ویلور کی باعزت رہائی کے بعد برطانوی حکام نے اس واقعہ کی اطلاع ملکہ انگلستان کو دی اور لکھ بھیجا کہ آپ پر عائد کردہ الزامات بے بنیاد ثابت ہوئے اس پر ملکہ وکٹوریہ نے حضرت قطب ویلور کی خدمت میں ایک مکتوب بھیجا۔ جس میں اس بات کا اعتراف کیا ''ہم نے آپ کو بے جا ایذاء پہنچائی۔آپ کے ساتھ سرکاری حکام کا جو رویہ رہا وہ ان کی اپنی ذمہ داری کی بناء پر تھا ورنہ انھیں آپ کے ساتھ کوئی دشمنی اور عداوت نہیں تھی۔ہم اس واقعہ میں آپ سے معذرت خواہ ہیں۔''

حضرت قطب ویلور نے بادشاہ روم کی خواہش اور شریف مکہ محمد حسین کی درخواست پر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی کتاب ''تحفہ اثنا عشریہ'' کا فارسی سے عربی ترجمہ کیا تھا۔جسے شاہ روم نے بے حد پسند کیا۔

حضرت قطب ویلور کا ایک بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ آپ نے ملت کے اختلافات اور انتشار کو ختم کرنے کی کوشش کی تھی۔اس طرح کی بہت سی نئی اور اہم باتیں اس مقالے میں قارئین کو ملیں گی۔

زیر نظر مقالہ پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔پہلے باب میں ویلور کی تاریخی، جغرافیائی اور علمی حیثیت کو بڑی عمدگی سے اجاگر کیا گیا ہے۔دوسرے باب میں حضرت قطب ویلور کے بزرگوں حضرت قربیؔ، حضرت ذوقیؔ اور حضرت محویؔ وغیرہ کی علمی، ادبی اور دینی خدمات پر سیر حاصل محققانہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ بہت سی جدید معلومات کا اضافہ ہوا ہے۔تیسرے باب میں قطب ویلور حضرت سید شاہ محی الدین عبداللطیف قادری کی سیرت وسوانح کا بڑا عالمانہ احاطہ کیا گیا ہے۔کئی نئے انکشافات کئے گئے ہیں۔چوتھا باب اس مقالہ کا اہم حصہ ہے یہ حضرت قطب ویلور کی تصنیفی خصوصیات اور ان کی تمام کتابوں کے تعارف و تبصرہ پر مشتمل ہے۔حضرت قطب ویلور کی تصانیف عربی، فارسی اور اردو میں ہیں۔آپ نے عربی و فارسی میں معرکہ آراء کتابیں لکھی ہیں۔اردو تصانیف کی تعداد سات ہے۔ان میں خلاصۃ العلوم، احیاء السنۃ، احیاء التوحید، اور تنبیہ الجاھلیں قابل ذکر ہیں۔حضرت قطب ویلور کے مسلک ومشرب پر بھی تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔پانچواں باب بھی اہم ہے اس میں حضرت قطب ویلور کے تلامذہ اور خلفاء کی علمی وادبی اور

دینی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا شاہ عبدالحی واعظ احقر بنگلوری، مولانا شاہ عبدالوہاب ویلوری، بانیٔ مدرسہ باقیات صالحات ویلور مولانا مخدوم ثانی محی الدین، مولانا شاہ محمد قادری، مولانا عبدالرحیم ضیاء حیدرآبادی قابل ذکر ہیں۔ یہ سب حضرات اردو زبان کے اچھے شاعر و ادیب اور مصنف تھے۔

حضرت قطب ویلور کے آٹھ لاکھ مرید تھے ان میں سے آپ نے صرف چار سو اشخاص کو خرقۂ خلافت اور اجازت دعوت سے نوازا تھا۔ ان حضرات نے شہر شہر، گاؤں گاؤں، بستی بستی درس و تدریس، تصنیف و تالیف، وعظ و نصیحت اور اصلاح و تربیت کا کام بڑی عمدگی اور جامعیت کے ساتھ انجام دیا اور شریعت و طریقت دونوں کا توازن برقرار رکھنے کی بہت اچھی کوشش کی۔ جس کی برکت سے سارے جنوبی ہند میں ایمان و عرفان اور علم و ادب کی شمعیں روشن ہو گئیں۔

اردو زبان و ادب کی نشو نما اور ترقی میں حضرت قطب ویلور نے اپنی تصانیف اپنے مکتوبات اور اپنے وعظ و بیان کے ذریعہ جو حصہ دیا ہے اور پھر آپ کے خلفاء و تلامذہ نے جو گراں قدر علمی، ادبی اور مذہبی خدمات انجام دی ہیں اسے تاریخ ادب نظر انداز نہیں کر سکتی۔

حضرت قطب ویلور اور ان کے تلامذہ و خلفاء کی اردو خدمات پر ڈاکٹر حافظ بشیر الحق قریشی نے بڑی تحقیق سے روشنی ڈالی ہے۔ مقالہ کا ہر صفحہ اور ہر سطر ان کی محنت، لگن اور عرق ریزی کی گواہ ہے۔ حضرت قطب ویلور کے خانوادہ کے بزرگوں پر اتنا تفصیلی کام اور اس خاندان کی وہ پیکر علمی و عبقری شخصیت حضرت قطب ویلور کی حیات و خدمات پر پہلی بار کما حقہ جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ اہم شخصیت کئی زاویوں سے تحقیق طلب تھی۔ حافظ بشیر الحق نے حق ادا کر دیا۔ میں اس کامیاب پیش کش پر ڈاکٹر بشیر الحق قریشی کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ مجھے یقین ہے یہ مقالہ تاریخ ادب اردو میں قدر کی نگاہوں سے دیکھا اور ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا۔

فقط

ڈاکٹر افضل الدین اقبال

پروفیسر صدر شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد، ۹ ستمبر ۲۰۰۴ء

❁❁❁

افتتاحیہ

جنوبی ہند کی سر زمین بڑی زرخیز اور مردم خیز رہی ہے۔ جس کے بطن سے بے شمار اصحابِ علم وفن اور اربابِ فضل وکمال پیدا ہوے۔ اور علم وفن، زبان وادب اور دین ومذہب کی عظیم خدمات انجام دیں۔ لیکن جنوب کی کسرنفسی واستغنیٰ اور کسی حد تک جمود کے باعث ان صاحبانِ علم وقلم کی خدماتِ جلیلہ اور مساعی جمیلہ کماحقہ علمی دنیا میں شہرت نہ پاسکیں اور سینکڑوں علماء وفضلا، شعراء وادباء اور مصلحین کی زندگیاں اوران کے کارہائے نمایاں گم نامی کی نذر ہوگئیں۔ ان میں سے بعض حضرات ایسے بھی ہیں جو علوم وفنون میں کمال وبصیرت اور اختصاص وامتیاز اور مجتہدانہ وموجدانہ عظمت وحیثیت کی وجہ سے غیر معمولی اہمیت بلکہ اولیت کا شرف رکھتے ہیں۔ چنانچہ جنوب میں سب سے پہلے عورتوں کی تعلیم وتربیت کے لئے مولانا باقر آگاہ ویلوری (۱۱۵۸۔۱۲۲۰ھ) نے قلم کو جنبش دی اور اردو زبان میں ''تحفۃ النساء'' نامی کتاب لکھ کر تعلیم نسوان کے باب میں اولیت کا اعزاز حاصل کیا اور ان کے بعد حضرت قطب ویلور کے والدِ ماجد حضرت محوی ویلور (۱۱۸۲۔۱۲۴۳ھ) نے عورتوں کی دینی تعلیم، ذہنی تربیت اور اخلاقی پرداخت کے لئے اردو زبان میں رسائل لکھے۔ سیرۃ النبی کو سب سے پہلے منظوم پیرایہ میں پیش کرنے کی فضیلت بھی جنوب ہی کے حصہ میں آئی۔ حضرت قطب ویلور کے تلمیذ مولانا عبدالحی واعظ بنگلوری (۱۲۳۴۔۱۳۰۱ھ) نے سب سے پہلے رسولِ کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کو نظم کے سانچہ میں ڈھالا اور ''جنان السیر فی احوال سید البشرؑ'' کے نام سے بائیس ہزار اشعار پر مشتمل اور مربوط مثنوی تصنیف کی۔

مولانا باقر آگاہ ویلوری نے اردو زبان میں ''ہشت بہشت'' اور ''گلزارِ عشق'' جیسی وقیع کتابیں تصنیف کیں اور ان پر نثری دیباچے لکھ کر تنقید کی راہ متعین کی۔

حضرت قطب ویلور کے شاگرد و خلیفہ مولانا عبدالحی بنگلوری ہی نے اردو زبان میں خطباتِ جمعہ کا پہلا مجموعہ مرتب کیا۔ اور جمعہ میں عربی خطبہ کے ساتھ اردو خطبہ کی داغ بیل ڈالی اور بخاری شریف کا اولین ترجمہ بھی آپ ہی کے قلم سے صدور پزیر ہوا۔

حضرت قطب ویلور کے خانوادہ کے بزرگوں نے عربی و فارسی اور دینی علوم وفنون کے علاوہ اردو زبان و ادب اور قوم و ملت کی عظیم اور بے لوث خدمات انجام دیں۔ جس کا اعتراف اہلِ قلم نے کیا ہے۔ اور بعض اربابِ تحقیق نے اس خانوادہ کی مجموعی اور عمومی خدمات کا جائزہ بھی لیا ہے۔ لیکن ہنوز کسی محقق نے اس خاندان کی کوہ پیکر علمی و عبقری شخصیت حضرت قطب ویلور کی حیات و خدمات پر کما حقہ کام نہیں کیا ہے۔ ہنوز یہ شخصیت کئی زاویوں سے تحقیق طلب تھی۔ اسی لئے راقم الحروف کی توجہ حضرت موصوف کی جانب منعطف ہوی۔ اس موضوع کو اختیار کرنے کی ایک دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اس عاجز کو حضرت قطبِ ویلور کی ذاتِ گرامی کے ساتھ قلبی و روحانی اور قلمی ربط رہا ہے۔ آپ کے پڑپوتے اعلیٰ حضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ باقر قادری علیہ الرحمہ، سجادہ نشینِ خانقاہِ حضرت قطب ویلور کے دستِ مبارک سے خرقۂ خلافت زیب تن کرنے کی نعمت حاصل ہوی ہے۔ حضرت قطب ویلور کی فارسی تصنیفات (۱) فصل الخطاب (۲) غایۃ التحقیق (۳) مکتوباتِ لطیفی وغیرہ سے اردو دنیا کو روشناس کرانے کی سعادت بھی حاصل ہوی ہے۔ اس قلمی خدمت کے دوران آپ کی عظمت اور غیر معمولی رفعت مجھے برابر متاثر کرتی رہی۔ یہی وہ ارتباطِ قلبی اور انجذابِ باطنی تھا، جس کے نتیجے میں یہ عنوان انتخاب عمل میں آیا اور ان سب باتوں سے بڑھ کر یہ خدشہ بھی پیدا ہو گیا تھا کہ اگر اس ہستی کی گراں مایہ خدمات پر فوراً کام نہیں کیا گیا تو نہ صرف یہ کہ مآخذ کا ایک بیش بہا خزانہ ہماری نظر میں آنے سے رہ جائے گا جو اپنے وجود کی آخری منزل میں سانس لے رہا ہے۔ بلکہ کسی بھی وقت زمانہ کے دست و برد کا شکار ہو کر دم توڑ دے گا۔ اور ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔ ایک یہ جذبہ بھی تھا، جس نے مجھے اس موضوع پر تحقیق کرنے کے لئے فوری طور پر اکسایا۔

اس مقالہ کی تیاری میں اردو میں موجود مآخذ سے استفادہ کرنے کے ساتھ ساتھ حضرت قطب ویلور کے خاندان میں محفوظ فارسی مخطوطوں، بیاضوں اور تذکروں پر بھی توجہ دی گئی ہے۔ جس کا فائدہ یہ ہوا

کہ اس تحقیق کے دوران بعض ایسے پہلو اور گوشے نمایاں ہوئے جواب تک اربابِ تحقیق کی نگاہوں سے مستور رہے ہیں۔ مثلاً روم کے بادشاہ کی خواہش پر شریفِ مکہ محمد حسین کی درخواست پر حضرت قطب ویلورؒ کا تحفہ اثناء عشریہ" (تصنیف مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی) کو عربی قالب میں ڈھالنا اور حضرت قطب ویلور کا مسٹر لوئن کمشنر کے نام اردو میں تحریر کردہ مکتوب، جو ہندوستان کے دارالحرب یا دارالامن ہونے کی صراحت پر مشتمل ہے اور اقطاب ویلور کے مزارات پر "درگاہِ شریف" تعمیر کرنے والے معمار کا نام وغیرہ

یہ تحقیقی مقالہ افتتاحیہ، پانچ ابواب اور اختتامیہ پر پھیلا ہوا ہے:

- پہلے باب میں ویلور کی تاریخی، جغرافیائی اور علمی حیثیت کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ حضرت قطب ویلور کے عہد کا تاریخی، سیاسی، علمی اور مذہبی پس منظر پیش کیا گیا ہے۔
- دوسرے باب میں حضرت قطب ویلور کے خانوادہ کی علمی وادبی اور دینی خدمات کا احاطہ کیا گیا ہے۔
- تیسرے باب میں حضرت قطب ویلور کی سیرت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔
- چوتھے باب میں حضرت قطب ویلور کی تصنیفی خصوصیات اور کتابوں کے تعارف وتبصرہ اور مسلک ومشرب پر بحث ہے۔
- پانچویں باب میں حضرت قطب ویلور کے تلامذہ اور خلفاء کی علمی وادبی اور دینی وملّی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اور اختتامیہ میں اپنے تحقیقی مطالعہ کا حاصل پیش کیا گیا ہے۔

یہ سچ ہے کہ علم وادب کی دنیا میں کوئی بھی تحریر اغلاط سے پاک وصاف نہیں ہوتی اور کوئی بھی تحقیق حرفِ آخر کا درجہ نہیں حاصل کرسکتی۔ لیکن دقتِ نظر، تندہی اور پیہم کوشش شاملِ تحقیق رہی تو کم زور یاں کم سے کم ہوسکتی ہیں۔ میں نے اس مقالہ کی تیاری میں اسی اصول کو سامنے رکھا اور حتّی المقدور اپنے فرض کے ساتھ دیانت داری برتنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے ساتھ میرے رہنما، علوم شرقیہ کے عالم اور انگریزی زبان وادب کے فاضل **ڈاکٹر سید قدرت اللہ صاحب باقوی** سابق پروفیسر وصدر شعبۂ اردو، سری شنکر آچاریہ یونیورسٹی آف سنسکرت، کیرلہ، کی محققانہ نظر اور مدققانہ فکر کے جلو میں یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا ہے۔ اس کرم فرمائی کے لئے میں آپ کا دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں۔

ڈاکٹر صفیہ بی صاحبہ ،ایم،اے،پی،ایچ ڈی،ریڈروصدر شعبۂ اردو،سری شنکر آچاریہ یونیورسٹی آف سنسکرت، کیرلہ کا سراپا سپاس گزار ہوں جن کے پُر خلوص تعاون کے باعث یہ تحقیقی عمل حسنِ انجام کو پہنچا۔

ڈاکٹر سید صفی اللہ صاحب ایم،اے،پی ایچ ڈی، پروفیسر شعبۂ اردو، دانش گاہ مدراس، چینئی، ڈپٹی چیرمن ٹمل ناڈو گورنمنٹ اردو اکیڈمی، چینئی کا تہہ دل سے ممنون شکر گزار ہوں جن کے گراں قدر اور بروقت مشوروں نے اس مقالہ کو تب وتاب بخشی۔

ڈاکٹر سید عثمان قادری ایم،اے،پی،ایچ ڈی، پرنسپل لطیفیہ عربک کالج ویلور اور **جناب محترم سید شاہ ہلال پاشاہ صاحب قادری** ،وائس پرنسپل لطیفیہ عربی کالج ویلور کی خدمت میں ہدیۂ تشکر پیش ہے جن کی حوصلہ افزائی اور قدر دانی نے اس علمی و تحقیقی سفر کو خوشگوار بنا دیا۔

اور رفیقِ محترم **جناب علیمؔ صبانویدی** بی،اے،(علیگ) کا شکر گزار ہوں جن کا تعاون ہر قدم اور ہر موڑ پر حاصل نہ ہوتا تو شاید کامیابی کی یہ منزل دور ہو جاتی۔

سری شنکر آچاریہ یونیورسٹی آف سنسکرت، کیرلہ کے وائس چانسلر اور اربابِ انتظامیہ کا بھی میں شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں، جنھوں نے پی،ایچ ڈی،کی اجازت دی۔

پہلا باب
(الف) ویلور کی تاریخی، جغرافیائی اور علمی حیثیت
(ب) حضرت قطبِ ویلور کے عہد کا تاریخی، سیاسی، علمی اور مذہبی پس منظر

پہلا باب

ویلور دارالسرور کی تاریخی سیاسی اور علمی حیثیت

ویلور جو حضرت قطب ویلور کا مولد و مسکن رہا ہے، صوبہ ٹمل ناڈو کا ایک اہم شہر ہے۔ اور علمی و ادبی اور مذہبی حیثیت سے مدراس، ترچنا پلی، آرکاٹ جیسے شہروں کا ہمسر اور ہم پایہ رہا ہے۔ یہاں اس شہر کا اور اس صوبہ کا جس میں یہ شہر ہے، جغرافیائی و تاریخی تعارف پیش کیا جاتا ہے۔ جو پس منظر کے طور پر اس مقالہ کو سمجھنے میں کارگر ہوگا۔

ٹمل ناڈو کی سرکاری زبان ٹمل ہے۔ جس کا تعلق دراوڑی خاندان کی زبان سے ہے۔ یہ صوبہ ہندوستان کے جنوب میں خلیج بنگال کے ساحل پر واقع ہے۔ اس کا شمالی حصہ آندھرا پردیش سے ملا ہوا ہے۔ مغربی سرحد کرناٹکا اور کیرلہ کے صوبوں سے ملی ہوئی ہے اور جنوبی کنارہ بحر ہند پر ختم ہوتا ہے۔ یہ صوبہ کل ۱۲۹ اضلاع پر مشتمل ہے۔ جس میں ایک ضلع ویلور ہے۔ اس ضلع کا صدر مقام شہر ویلور ہے۔ جو مدراس سے بنگلور جانے والی شاہ راہ (National High Way) (N.H.W) پر واقع ہے۔ جنوب و مشرق میں پہاڑی سلسلے پھیلے ہوئے ہیں۔

ٹمل ناڈو، صوبۂ مدراس کا موجودہ نام ہے۔ جو اسے ۱۹۶۹ء میں دیا گیا۔ اس سے پہلے اس صوبہ کا نام مدراس پریسیڈنسی تھا۔ ہندوستان کی آزادی کے وقت اس صوبہ کا رقبہ بہت وسیع تھا۔ اور اس میں موجودہ آندھرا، کرناٹکا اور کیرلہ کے بہت سارے حصے شامل تھے۔ اور ۱۹۵۶ء میں لسانی بنیاد پر جب صوبوں کی تشکیل نو ہوئی تو یہ صوبہ بری طرح متاثر ہوا اور اس کے بہت سارے حصے جن کی آبادی کنڑ، تلگو

اور ملیالم بولنے والوں پر مشتمل تھی، زبان کی وجہ سے دوسرے صوبوں میں ضم ہو گئے۔

یہ قدیم نام صوبۂ مدراس بھی انگریزوں کا دیا ہوا ہے۔ اس کا قدیم ترین نام صوبۂ کرناٹک تھا۔ اس نام سے اس علاقہ کو اس زمانہ سے جانا جاتا ہے جب کہ ابھی بہمنی سلطنت کو زوال نہیں آیا تھا اور وجیانگر کی سلطنت باقی تھی۔ پھر عادل شاہی اور قطب شاہی سلطنتیں ابھریں تو وہ اپنے حدود کی توسیع کرتے ہوئے کرناٹک کے اس علاقہ پر بھی قابض ہو گئیں اور جو علاقہ عادل شاہی حکومت کے قبضہ میں گیا وہ بیجاپوری کرناٹک کہلایا۔ اور جو علاقہ قطب شاہی حکومت میں شامل ہوا اسے حیدرآبادی کرناٹک کہا گیا۔ حیدرآبادی کرناٹک میں بالاگھاٹ کے علاقے کڈپہ، کرنول، گتی، گرم کنڈہ وغیرہ شامل تھے، اور پائین گھاٹ کی آبادیاں گنٹور، نیلور، چنگل پیٹھ، جنجی اور مدراس پر مشتمل تھیں۔ بیجاپوری کرناٹک میں بالاگھاٹ کے علاقے میسور، بنگلور، بلہاری، کوچین اور پائین گھاٹ کے علاقوں میں شمالی آرکاٹ، ویلور، سیلم اور مدورای شامل تھے۔

یہ علاقے ۱۵۶۵ء میں وجیانگر کی شکست وریخت کے بعد اورنگ زیب کے حملہ تک ان مذکورہ بالا حکومتوں کے قبضے میں رہے۔ (عربک اینڈ پرشین ان کرناٹک: ص:۳۰: پروفیسر محمد یوسف کوکن عمری: مطبوعہ مدراس ۱۹۷۴ء)

اورنگ زیب عالمگیر نے ۱۶۸۶ء اور ۱۶۸۷ میں بالترتیب سلطنت بیجاپور اور عادل شاہی سلطنت کو ختم کر کے دہلی کی سلطنت میں شامل کر لیا۔ تو کرناٹک کا یہ علاقہ بھی مرکزی حکومت کا حصہ بن گیا۔ پھر انتظام سلطنت کو موثر بنانے کی غرض سے کرناٹک تک کے صوبے کی تشکیل کی اور ذوالفقار خان کو اس کا صوبہ دار بنا دیا۔ ذوالفقار خان نے اپنے نئے صوبہ کے دارالخلافہ کے لئے آرکاٹ کا انتخاب کیا۔ جس دن آرکاٹ دارالخلافہ بنا اسی دن سے اس کی قسمت چمک اٹھی۔ ذوالفقار خان خود علم دوست اور ادب پرور تھا جس کی علم نوازی کے باعث دیکھتے ہی دیکھتے یہ شہر علم وادب کا گہوارہ بن گیا۔

یہ وہی زمانہ تھا جب دکن کے بعض علاقے بدامنی اور خانہ جنگی کا شکار تھے۔ ان میں بیجاپور بھی شامل تھا۔ ان مقامات کے صوفیا اور اہل اللہ امن وسکون کی تلاش میں ان جگہوں کو چھوڑنے لگے۔ ان میں بہت سوں نے آرکاٹ کا رخ کیا اور اس کو اپنی رہائش گاہ بنا لیا۔ حضرت سید شاہ عبداللطیف بیجاپوری بھی انھیں بزرگوں میں تھے، جنھوں نے امن وسکون کی تلاش میں بیجاپور سے ہجرت کی اور شاہ نور اور سرا ہوتے

ہوئے آرکاٹ تشریف لائے تھے۔

صرف علماء وصوفیا ہی نہیں بلکہ ادباء وشعراء بھی ذوالفقار خان کی قدردانی کے قصے سن کر دور دور سے آرکاٹ کا رخ کرنے لگے تھے۔شاہ سلطان ثانی جن کا ایک ضخیم دیوان موجود ہے۔شاہ عالم مشغلی، جو ایک صاحب دیوان شاعر تھے۔ یہ دونوں حضرات اور ہاشمی بیجاپوری۔محمد رضا قزلباش اور ناصر سرہندی وغیرہ بھی ذوالفقار کے دربار سے منسلک تھے۔تفصیل کے لئے پروفیسر کوکن عمری کی انگریزی تصنیف ''عربک اینڈ پرشین ان کرناٹک'' اور ڈاکٹر افضل الدین اقبال کی اردو تصنیف ''مدراس میں اردو ادب کی نشونما'' دیکھی جاسکتی ہے۔

سرزمین آرکاٹ شعر وادب کی محفلوں سے رچی بسی اور مشائخ وصوفیاء کی خانقاہوں سے نور آگیں تھی۔اس کے آثار آج بھی زمین بوس تعمیرات اور ویران مقبروں کی شکل میں موجود ہیں۔

بعض صوفیاء کو یہ گرم بازاری بھی گراں گزر رہی تھی۔آرکاٹ پایہ تخت ہونے کی وجہ سے آبادی کی کثرت، لوگوں کی آمد ورفت، روزانہ کے ہنگامے اور ہلچل ان بزرگوں کے نفس لطیف پر ضرب بن کر گر رہے تھے جسے نہ برداشت کر کے وہ یہاں سے بھی ہجرت کی سوچنے لگتے تھے۔ چنانچہ حضرت سید شاہ عبداللطیف بیجاپور کے لئے جنھوں نے سکونِ قلب کی خاطر اپنا وطنِ عزیز بیجاپور چھوڑا تھا، شاہ نور اور سرا کی طرح آرکاٹ کا قیام بھی دیرپا ثابت نہ ہوا۔چند ہی برسوں کے قیام کے بعد آپ بھی ویلور کی طرف چل پڑے۔ویلور میں اگرچہ آرکاٹ کی طرح علمی صحبتیں میسر نہیں تھیں۔لیکن یہ حضرات خود ایک انجمن تھے۔ جہاں جاتے وہیں علمی بہار پیدا کر لیتے تھے۔پھر آرکاٹ اور ویلور کا فاصلہ کچھ اتنا زیادہ بھی نہ تھا کہ آنے جانے میں زیادہ دقت ہوتی۔ یہ سہولت بھی علماء اور صوفیاء کو ویلور میں قیام ورہائش اختیار کرنے پر آمادہ کردیتی تھی۔

اس عہد میں ویلور میں علماء وصوفیاء کے قیام کی شہادتیں بھی ملتی ہیں۔ یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہاں مسلم آبادی کا وجود کب سے ہے؟ تاریخ بتاتی ہے کہ یہ شہر ہندو مذہب کا گہوارہ تھا۔ یہاں آج بھی ایک وسیع وعریض اور مضبوط مستحکم مندر بھی موجود ہے۔جو وجیانگر کے عہدِ سلطنت کی یاد دلاتا ہے۔یہ مندر ایک سنگین قلعہ کے احاطہ میں ہے۔اور یہ مضبوط و مستحکم قلعہ راجا سدا سواریا کے دورِ حکومت میں چنّا بمی ریڈی

نامی نائب قلعہ دار کا تعمیر کیا ہوا ہے۔اس کے اطراف ایک گہری خندق بنی ہوی ہے جو پانی سے لبریز ہے۔
عادل شاہی حکومت کے قیام سے پہلے یہ شہر وجیانگر سلطنت کا ایک حصہ تھا اور لسانی طور پر تمل زبان کا علاقہ
۔اس کے باوجود ایک حوالہ ایسا ملتا ہے کہ جس کی وجہ معلوم ہوگا کہ بارہویں صدی عیسوی میں یہاں مسلمان
موجود تھے۔مولوی غلام عبدالقادر ناظر مدراسی اپنی مشہور فارسی تصنیف ''تذکرۂ بہارِ اعظم جاہی'' میں ایک
بزرگ حضرت نور محمد علیہ الرحمہ کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''حضرت نور محمد قادری علیہ الرحمۃ الباری کہ فرید عصر و مغتنم دہر بود۔اکثر بت خانہارا از پایہ
برانداخت وبعض راویران و بے چراغ ساخت۔مدفن خود راہم درجائے بظہور آورکہ گردوپیش آن بت
کدہا است۔غرض صاحب قدر بود کہ بزرگہائش یادگار زمانہ شدہ۔زیادہ از پانصد سال است کہ از شمع وجود
بے گانۂ خاک نور آگین نمود و بکنار رُود بخواب راحت آسود۔'' (مولوی عبدلقادر ناظر: بہارِ اعظم جاہی: ص۱۸۴:
مطبوعہ مدراس:۱۹۶۱ء)

حضرت نور محمد قادری علیہ الرحمہ اپنے دور کے منفرد و ممتاز اور قابل قدر بزرگ تھے۔آپ نے
اکثر و بیشتر صنم خانوں اور بت کدوں کا قلع قمع کیا اور بعض بت خانوں کو ویران اور بے چراغ کر دیا۔آپ کا
مدفن بھی ایک ایسی جگہ واقع ہے، جس کے گردو پیش مندر ہی مندر ہیں۔آپ صاحب ولایت اور ذی
کرامت بزرگوں میں سے تھے۔آپ کو رحلت کئے ہوئے پانچ سو سال کی مدّت گزر چکی ہے۔آپ کی قبر
ندی کے کنارہ پر واقع ہے۔''

یہ ندی جس کا ذکر ہوا ہے۔پالار ہے۔جو شہر کے شمالی کنارے واقع ہے۔بہارِ اعظم جاہی کی
تصنیف کو آج ۱۷۷ سال ہوتے ہیں۔اس حساب سے حضرت نور محمد کا زمانہ سات سو سال قبل کا ہے۔
(ڈاکٹر راہی فدائی: دارالعلوم لطیفیہ کا ادبی منظر نامہ ص:۱۹۔مطبوعہ:۱۹۹۷ء)

یہ ایک بزرگ کا حوالہ ہے۔پتہ نہیں اور کون کون بزرگ اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرزمین
ویلور کو زینت بخش چکے ہیں۔جن کے اسمائے گرامی تاریخ کے صفحات پر ثبت نہ ہو سکے۔یہاں ایک بات
غور کرنے کے قابل ہے۔وہ یہ ہے کہ یہ بزرگ جہاں بھی جاتے ہیں اسلام پھیلانے کا مشن لے کر جاتے
ہیں اور ان کی کوششوں سے بہت جلد ہی اس جگہ مسلمانوں کی ایک جمعیت قائم ہو جاتی ہے۔اس حقیقت اور

مشاہدہ کے لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر اس سے پہلے نہیں تو کم از کم اس عہد سے یہاں یعنی شہر ویلور میں مسلمانوں کی آبادی کا آغاز ہو چکا تھا اور اس کے بعد ان کی آبادی میں تسلسل باقی رہا۔

اس خیال کو تقویت مذکورہ بالا تذکرہ یعنی ''تذکرۂ بہار اعظم جاہی'' سے بھی ملتی ہے۔ جس میں بارھویں صدی کے اوائل میں ایک اور صوفی بزرگ کی موجودگی کا حوالہ ملتا ہے۔ (مولوی غلام عبدالقادر ناظر: تذکرۂ بہار اعظم جاہی: ص: ۱۸۶: مطبوعہ مدراس: ۱۹۶۱ء) تذکرہ میں ان بزرگ کا اسمِ گرامی حضرت شاہ علی حسینی بتایا گیا ہے۔ مولوی ناظر کے بیان کے مطابق آپ کی رحلت ۱۱۳۸ھ میں ہوی۔ آپ کے مقبرے کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ آپ ویلور کے مشائخِ قدیم اور نامور بزرگوں کے چشم و چراغ تھے۔

(ڈاکٹر راہی فدائی: دارالعلوم لطیفیہ کا ادبی منظر نامہ: ص: ۲۰، ۲۱)

حضرت ناظر کا ان بزرگ کو ویلور کے قدیم مشائخ اور نامور بزرگوں کے چشم و چراغ بتانا ظاہر کرتا ہے کہ شاہ علی حسینی کی پیدائش ویلور ہی میں ہوئی تھی اور یہ کہ ویلور میں مشائخین اور بزرگان تھے جن کے یہ بزرگ (شاہ علی حسینی) چشم و چراغ تھے۔

مولوی نصیر الدین ہاشمی کے حوالے سے ڈاکٹر راہی فدائی نے شہر ویلور میں اسی عہد میں فراقی کی موجودگی کا بھی ذکر کیا ہے۔ (دارالعلوم لطیفیہ ویلور کا ادبی منظر نامہ: ڈاکٹر راہی فدائی: ص: ۲۱)۔ جن کی وفات ۱۱۴۴ھ میں ہوی تھی۔

نصیر الدین ہاشمی کا بیان ہے کہ:

''اورنگ زیب عالمگیر کی فتح دکن کے بعد فراقی نے کچھ عرصہ تک اورنگ آباد ہی میں قیام کیا۔ پھر جنوبی ہند پہنچ کر ویلور میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ (نصیر الدین ہاشمی: دکن میں اردو: ص ۳۷۵: مطبوعہ: ۱۹۹۲ء) یہ زمانہ صوبۂ کرناٹک کے قیام سے ذرا پہلے کا ہے۔

اس حوالہ سے ویلور اور آرکاٹ کے علاقوں میں اس وقت مسلم آبادی، مسلمان بزرگوں، صوفیوں اور علماء و شعراء کی موجودگی پر روشنی پڑتی ہے۔

یہ بات بھی محتاجِ تعارف نہیں رہی کہ عربوں کی مسلم نو آبادیاں ہندوستان کی انتہائی جنوبی حصہ میں چھٹی صدی ہجری سے قائم ہونے لگی تھیں۔ اور یہ آبادیاں دھیرے دھیرے اپنی قرب و جوار میں پھیلتی

چلی گئی تھیں۔ ان میں حضرت نطھر اولیاء کا ذکر بے حد اہم ہے۔ جنھوں نے بارھویں صدی عیسوی میں سمندری سفر کر کے جنوبی ہند پہنچ کر شہر ترچناپلی (ٹمل ناڈو) میں سکونت اختیار کی اور ان کے ساتھ مریدوں کی ایک کثیر تعداد بھی تھی۔

پھر ۱۳۱۰ء میں علاؤالدین خلجی کے سپہ سالار ملک کافور کا حملہ ہوتا ہے۔ اس حملہ میں کامیاب ہونے کے بعد ملک کافور کی فوج واپس تو چلی گئی، لیکن عمّال تو یہاں رہ پڑے ہوں گے، جن کے ذمہ مفتوح راجاؤں پر نگاہ رکھنے اور ان سے خراج کی رقم وصول کر کے مرکز کو بھیجنے کا کام ہوتا تھا۔

محمد بن تغلق نے تو جنوب پر حملہ کے بعد چھوٹے چھوٹے علاقے بنادئے تھے اور ان پر ہر سو علاقہ پر ایک امیر مقرر کر رکھا تھا جسے امیر صدہ کہا جاتا تھا۔ یہ سارے افسر اپنے افرادِ خاندان اور عملہ کے ساتھ ہی تو رہے ہوں گے۔

یہ واقعات اس بات کا ثبوت ہیں کہ جنوب کے اس حصہ میں جسے آج ٹمل ناڈو کہا جاتا ہے۔ عادل شاہی اور قطب شاہی حملوں سے بہت پہلے بھی مسلمان آباد تھے۔ البتہ ان حملوں کے بعد ان کی تعداد میں اضافہ ہوگیا۔ اور شمال سے صوفیائے کرام کی آمد بھی تیز ہوگئی۔ شیخ شاہ الحمید میراں عبدالقادر (متوفی ۱۵۷۰ء) بھی اسی دوران ناگوار پہنچے تھے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ بزرگ جب بھی سفر پر نکلتے مریدوں اور معتقدوں کی ایک کثیر تعداد بھی ان کے ساتھ چل پڑتی اور یہ بزرگ اکثر و بیشتر انھیں مقامات کا قصد کرتے جہاں صرف کفر کا بول بالا ہوتا تھا۔

ان مندرجات سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ ٹمل ناڈو کے اکثر بیشتر مقامات پر مسلمانوں کی آبادیاں اس وقت بھی موجود تھیں۔ جس وقت صوبہ کرناٹک کی بنیاد پڑی اور شہر ویلور اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

چنجی کی فتح کے بعد ۱۶۹۸ء میں ویلور کا پڑوسی شہر آرکاٹ صوبۂ کرناٹک کا دارالخلافہ بن چکا تھا۔ اس کے بالراست اثرات ویلور پر بھی پڑنے لگے۔ آرکاٹ میں رہائش پذیر علماء و صوفیا میں سے بعض حضرات دارالخلافہ کی ہماہمی سے تنگ آگئے اور آرکاٹ سے ہجرت کر کے ویلور کو اپنی سکونت گاہ بنالیا۔

آرکاٹ ایک مدت تک صوبۂ کرناٹک کا دارالخلافہ رہا اور کئی صوبہ داروں نے اپنے اپنے دور میں اس کے دربار کو زینت بخشی۔ ذوالفقار خان کے بعد، ان کے نائب داؤد خان پنّی نے صوبہ کی باگ

ڈور سنبھالی۔ جب دہلی سے ان کی طلبی ہوئی تو ان کے نائب سعادت اللہ خان نے ان کی جگہ لے لی۔ نواب سعادت اللہ خان کا دور ۱۷۱۰ء سے شروع ہوتا ہے۔ اس سال سے ۱۷۴۲ء تک اس صوبہ کی عنانِ حکومت ان ہی کے خاندان میں رہی۔ سعادت اللہ خان چوں کہ خاندانِ نوائط سے تھے۔ اس لئے اس دور کو خاندانِ نوائط کا دورِ حکومت بھی کہا جاتا ہے۔

نواب سعادت اللہ خان کی پیدائش بیجاپور کی تھی اور کرناٹک کے صوبہ دار بننے سے پہلے ناظم حیدر آباد بھی رہ چکے تھے۔ جب یہ صوبہ دار بن کر آرکاٹ منتقل ہوئے تو بیجاپور سے آنے والے علماء وفضلاء کا ایک سلسلہ لگ گیا۔ نواب سعادت اللہ خان اور ان کے جانشینوں کو پُر امن حکومت کا موقعہ کم ہی ملا تھا۔ تاہم علم وادب کی خدمت میں انھوں نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔

(محمد یوسف کوکن: عربک اینڈ پرشین ان کرناٹک: ص ۱۳)

نواب موصوف خود بھی عالم وفاضل تھے اور علماء وفضلا اور شعراء وادباء کا ایک حلقہ ان کے اطراف رہتا تھا۔ ان میں سے صاحبِ دیوان شاعر شیخ محمد امین اسرائیلی مصنف "گلشنِ سعادت"، "مجمع الانشاء"، جسونت رائے منشی مصنفِ "سعید نامہ" اور "گلدستہ عشق"، اردو مثنوی، قزلباش خان جید، نواب سعادت اللہ خان کے برادر کلاں قلعدار ویلور، نواب غلام علی خان اور ان کے فرزند نواب باقر علی خان مصنفِ مثنویٔ رموز الطاہرین، مہر مرتضٰی منزوی وغیرہ کا تذکرہ، پروفیسر یوسف کوکن نے اپنی کتاب "عربک اینڈ پرشین ان کرناٹک" میں بڑی تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔

(محمد یوسف کوکن: عربک اینڈ پرشین ان کرناٹک: ص: ۱۲ تا ۸۴۔)

ان ناموں میں نواب غلام علی خان (متوفی ۱۷۱۶ء) ۱۱۲۶ھ مطابق ۱۷۰۴ء سے وفات تک ویلور کے قلعدار تھے۔ "لمعات الطاہرین" ان کی معرکۃ الآراء مثنوی ہے۔ جس کا موضوع تصوف ہے۔ ان کے فرزند باقر علی خان بھی ایک زبردست شاعر تھے۔ فارسی میں ان کی معرکہ آراء مثنوی "رموز الطاہرین" ہے۔ جس میں انھوں نے مثنویٔ مولانا روم کے کئی نکات کی تشریح کی ہے۔ یہ مثنوی ۱۱۴۵ھ میں مرتب ہوئی ہے۔ ان کی وفات ویلور ہی میں ۱۱۵۲ھ مطابق ۱۷۳۹ء میں ہوئی۔ اپنے والد کی وفات کے بعد ہی یہ ویلور کے قلعدار مقرر ہوئے تھے۔ حضرت سید شاہ صبغۃ اللّٰہی (متوفی ۱۰۱۵ھ مطابق ۱۶۰۵ء) کے

متعلق پروفیسر کوکن نے لکھا ہے کہ ان کے بعد بھی ان کے خاندان کے افراد سے آرکاٹ اور ویلور کے لوگوں کو بڑی عقیدت و محبت تھی اس خانوادہ کے چشم و چراغ حضرت سید علی قادری کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے خود حضرت قربی جو حضرت قطب ویلور کے فرجد تھے ان کے مریدوں میں شامل تھے۔

(محمد کوسف کوکن: عربک اینڈ پرشین ان کرناٹک: ص:۸۳)

۱۷۱۰ء میں انوارلدین خان کرناٹک کے صوبیدار بنے۔ اس کے بعد۱۸۵۴ء تک بھی کرناٹک کی حکومت اسی خاندان میں رہی۔ نواب انوارالدین خان کے زمانۂ حکومت میں آصف جاہ کی موت واقع ہوئی تو ناصر جنگ اور مظفر جنگ کے درمیان جانشینی کے لئے رسہ کشی چل پڑی۔ اور اس افراتفری کی زد میں آرکاٹ بھی آ گیا۔ مظفر جنگ جو آصف جاہ کے نواسے تھے نواب انوارلدین خان سے مدد کے طالب ہوئے۔ انوارلدین خان ان کی مدد کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ لیکن چندا صاحب نے جو شروع ہی سے موقعہ کی تلاش میں تھے، فرانسیسوں کی تائید سے مظفر جنگ کی حمایت اور انوارالدین خان کے خلاف ہتھیار اٹھا لئے۔ گڈھ آمبور کو کارزارِ جنگ بنا دیا۔ اس لڑائی میں انوارالدین خان ہلاک ہو گئے۔ مظفر جنگ نے آرکاٹ پر قبضہ کر لیا اور چندا صاحب کو اپنا دیوان مقرر کر دیا۔ ادھر ناصر جنگ نے حیدرآباد سے کوچ کیا اور آرکاٹ پہنچے اور جنگ کا بازار گرم ہوا۔ مقابلہ میں ناصر جنگ کو کامیابی ہوی۔ مظفر جنگ قید ہوئے۔ چندا صاحب فرار ہوئے۔ ناصر جنگ نے محمد علی والا جاہ کو آرکاٹ کا گورنر مقرر کر دیا۔ ایک دو سال ہی گزر رے تھے کہ ناصر جنگ وفات پا گئے۔ مظفر جنگ بھی وفات پا گئے اور نواب محمد علی والا جاہ کرناٹک کے صوبیدار قرار پائے۔ اسی زمانہ میں دارالخلافہ بھی آرکاٹ سے مدراس منتقل ہو گیا۔ نواب محمد علی والا جاہ نے تقریباً اڑتالیس ۴۸ سال تک حکومت کی۔ ان کی وفات کے بعد ان کے بڑے فرزند نواب عمدۃ الامراء نے چھ سال حکومت کی ان کی وفات یعنی ۱۸۱۰ء تک کرناٹک کا تخت اس خاندان کے حقیقی جانشینوں میں رہا۔ لیکن نواب عمدۃ الامراء کی وفات کے بعد انگریزوں نے ان کے فرزند اور جانشین تاج الامراء علی حسین خان ماجد کو تخت نشینی سے محروم کر کے نواب عمدۃ الامراء کے دوسرے بھائی نواب امیر الامراء کے فرزند عبدالعلی خان کو نواب عظیم الدولہ خطاب کے ساتھ کرناٹک کے تخت پر بٹھا دیا۔ اور انتظام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس کے بعد نصف صدی تک اسی خاندان کی حکومت صوبۂ کرناٹک پر رہی۔ لیکن یہ حکومت برائے نام

تھی۔ سیاہ وسفید کے مالک تو صرف انگریز تھے، آخر ۱۸۵۴ء میں نوابانِ کرناٹک کو اس سے بھی محروم کردیا گیا اور اگلے جانشینوں کو ولی عہدی دے کر ان کا وظیفہ مقرر کردیا اور عنانِ حکومت مکمل طور پر انگریزوں نے اپنے ہاتھ میں لے لی۔

عمدۃ الامراء کی وفات سے پہلے ہی ۱۷۹۹ء میں سلطان ٹیپو کی شہادت واقع ہو چکی تھی۔ اس واقعہ کے بعد ویلور نے پھر سیاسی اہمیت حاصل کرلی۔ سلطان ٹیپو کی شہادت کے بعد انگریزوں نے شہزادگانِ ٹیپو اور اس خانوادہ کی بیگمات وغیرہ کو قلعہ ویلور میں محصور کردیا۔ اس سے انگریزوں کا مقصد یہ تھا کہ اس خاندان کے افراد کو ان کے شہر اور علاقہ سے دور کردیا جائے تاکہ ان کو جان نثارانِ وطن بھول جائیں۔ لیکن وہ یہ بھول چکے تھے کہ ان کی مظلومیت اہلِ ویلور کے جذبات کو بھی تحریک دے سکتی ہے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ ۱۸۰۶ میں ہندوستانی فوج نے شہزادوں کی سرکردگی میں قلعہ میں موجود انگریزی فوج پر حملہ کرکے آزادی کا اعلان کردیا۔ مگر آرکاٹ سے بروقت زبردست فوجی کمک نے انگریزوں کی ہار کو جیت میں بدل دیا اور اس طرح انگریزوں کے خلاف آزادی کی یہ پہلی جنگ ناکام ہو کر رہ گئی۔

نواب حیدر علی خان اور ٹیپو سلطان شہید کے خاندان کے افراد جو ویلور میں فوت ہوئے یہیں آسودہ خاک ہیں۔ ان کا خاندانی قبرستان شہر میں آرکاٹ روڈ پر واقع ہے۔ اس کے احاطہ میں ایک خوب صورت مسجد اور کئی مرصّع و منقّش گنبد ہیں۔ جن کے اندر بخشی بیگم زوجۂ نواب حیدر علی (وفات ۱۸۰۹ء) اور میر صالح حسین، دامادِ سلطان ٹیپو (وفات ۱۸۱۳) اور بادشاہ بیگم زوجۂ سلطان ٹیپو (وفات ۱۸۳۵ء) اور فاطمہ بیگم دختر سلطان ٹیپو (وفات ۱۸۳۵ء) کی قبریں آج بھی موجود اور محفوظ ہیں۔ اور ان گنبدوں پر ان کے نام اور سنینِ وفات درج ہیں۔ ان کے علاوہ شاہی خانوادے کے دیگر کئی ایک افراد کی قبریں بھی اس قبرستان میں موجود ہیں۔

یہ وہی زمانہ تھا کہ جس میں حضرت قطب ویلور نے ہوش سنبھالا تھا۔ اس کے بعد آپ کی حیات میں جو سیاسی واقعات اور علمی کارہائے نمایاں رونما ہوئے ان کا ہلکا سا تذکرہ عہدِ قطب ویلور کے باب میں موجود ہے۔

لسانی اعتبار سے ویلور، جیسا کہ پہلے مذکور ہوا ہے، تمل زبان کا علاقہ ہے۔ لیکن اس کے کان

عربی زبان سے صدیوں پہلے عرب آبادیوں کی وجہ سے آشنا ہو چکے تھے۔ پھر دکن پر شمالی حملوں نے اسے فارسی زبان سے بھی آشنا کر دیا تھا۔ مسلمانوں کے دورِ حکومت میں تو فارسی دفتری اور سرکاری زبان تھی ہی لیکن دکنی زبان بھی اس شہر کے لئے اجنبی نہ تھی۔

ولی ویلوری اور فراقی کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے، جن کا دور نواب ذوالفقار علی خان اور ان سے پہلے کا ہے۔ خود حضرت قربی ویلوری صاحبِ دیوان شاعر گزر چکے ہیں۔ جن کا تفصیلی تذکرہ اس مقالہ کے دوسرے باب میں آرہا ہے۔ ان کے بعد جو سب سے عظیم اور نمایاں نام ملتا ہے وہ محمد باقر آگاہ ویلوری کا ہے۔ جن کی بے مثل دکنی مثنویاں اور تاریخ ساز نثری دیباچے علمی وادبی دنیا میں اپنی اہمیت منوا چکے ہیں۔ غرض ارضِ ویلور میں اردو زبان کی موجودگی کا ایک تسلسل ملتا ہے جو اس زمین کو اردو زبان وادب کی تاریخ کے اہم باب کا درجہ دینے کے لئے کافی ہے۔ حضرت قطبِ ویلور کے وقت میں عربی فارسی اور اردو کی یہ لسانی حیثیت گویا اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی اور وہ زمین ہموار کر چکی تھی، جس میں آپ کی علمی شخصیت کو قدم بڑھانا تھا۔ سیاسی اور دینی حالات بھی گویا آپ کے منتظر اور آپ کی علمی تجلیات، قومی اصلاحات اور سعی تقویت دین کے استقبال کے لئے تیار تھے۔

اس تمہیدی باب سے ویلور کی تاریخی، سیاسی اور علمی حیثیت اور اہمیت پوری طرح سامنے آجاتی ہے جس میں حضرت قطب ویلور نے آنکھ کھولی۔

حضرت قطب ویلور کے عہد کا سیاسی، علمی، تاریخی اور مذہبی پس منظر

ویلور کے تاریخی، جغرافیائی، سیاسی، مذہبی اور لسانی پس منظر کا جائزہ لینے کے بعد حضرت قطب ویلور کے عہد کی ایک ہلکی سی جھلک کا نظارہ فائدہ سے خالی نہیں۔ آپ تاریخ کے جس موڑ پر ظاہر ہوئے، اس وقت تیرھویں صدی ہجری کا آغاز ہو چکا تھا۔ اور وہ اپنی عمر کی ساتویں بہار سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ اس وقت عالم اسلام پر ترکوں کی خلافت کا جھنڈا لہرا رہا تھا اور برصغیر ہند پر مغلیہ سلطنت کی بساط بچھی ہوئی تھی۔ مگر حقیقت یہ تھی کہ اسلامی دنیا ناگفتہ بہ حالات سے گزر رہی تھی۔ اسلامی سلطنتیں ضعف و انحطاط، تفریق و انتشار اور محکومیت کا شکار بنتی جا رہی تھیں۔ مغربی و فرنگی سیاست و قیادت کا طوطی بول رہا تھا۔ مغربی تہذیب و تمدن اور معاشرت کا عفریت سر اٹھا رہا تھا۔ اور مسلمان آئینِ نو سے خوف زدہ اور علوم جدیدہ سے بے بہرہ اور طرز کہن سے مانوس تھے۔ ایک طرف یہ حال تھا تو دوسری طرف مسلمانوں میں انقلاب پیدا کرنے کی کوششیں ہو رہی تھیں۔ عالمِ عرب میں شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی (۱۱۱۵ھ۔ ۱۲۰۶) کی تحریک سے انقلاب برپا ہو چکا تھا۔ اگر چہ کہ اس کے مثبت اثرات نہایت قلیل اور منفی اثرات زیادہ واقع ہو رہے تھے اور علامہ احمد بن عبداللہ بن ادریس حسنی (۱۲۰۶ھ ۱۲۷۶ھ) بانئ سلسلۂ ادریسیہ کی ذاتِ گرامی سے آدم گری اور مردم سازی کی لہر چل پڑی تھی۔ اور مشرق و مغرب میں مختلف علمی اور سیاسی اور دینی تحریکات کے لئے زمین ہموار ہوتی جا رہی تھی۔ گویا اس صدی کے افق پر دین و شریعت، علم و حکمت، فکر و نظر، بصیرت و فراست اور زبان و قلم کے مختلف رنگا رنگ ستارے چمک اٹھے تھے۔ اگر اس صدی کو مردم خیز اور زرخیز صدی کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ یہ عالمِ اسلام کا حال تھا۔ خود ہمارے ملک ہندوستان کے اندر اس صدی میں حضرت قطب ویلور، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، حضرت سید احمد شہید، حضرت شاہ اسمٰعیل شہید، حضرت رحمت اللہ کیرانوی، حضرت قاسم نانوتوی، حضرت شاہ اسحٰق مہاجر مکی، حضرت شاہ امداداللہ مہاجر مکی، حضرت سر سید احمد خان، بانئ علیگڈھ یونیورسٹی، جیسی ہستیاں موجود تھیں۔ جنھوں نے اپنی اپنی نگاہ و بصیرت سے مختلف جہتوں اور سمتوں میں ہندوستانی مسلمانوں کو علمی و دینی اور سیاسی و سائنسی زندگی دینے کی غیر

معمولی جدوجہد کی یہی وہ صدی تھی جس میں ہندوستان پر برٹش حکومت کا قبضہ وغلبہ مضبوط سے مضبوط ہوتا گیا اور وہ اپنے اقتدار کے استحکام کی خاطر یہاں کے حکم رانوں اور قوموں کے درمیان باہمی نفرت و عداوت اور تصادم کی فضا پیدا کررہی تھی۔ اور بڑی عیاری و مکاری سے دکن کے فرماں روا نظام حیدرآباد کو اور اس علاقۂ مدراس کے حکمران نواب محمد علی والا جاہ کو اور مرہٹوں کو اپنا ہمنوا اور حامی بنالیا تھا انگریزوں کے ناپاک عزائم و مقاصد کو والیٔ سلطنتِ خداداد سلطان ٹیپو نے محسوس کرلیا اور ان کے منصوبوں کو ناکام بنانے کے لئے بڑی جدوجہد شروع کردی۔ لیکن سلطان کو اس مہم میں کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ انگریزوں نے ان کے ارادوں کو بھانپ لیا اور ان کے خلاف وسیع پیانہ پر گھناؤنی سازشوں کا جال بچھادیا۔ جس کے نتیجے میں اندرون ملک اور بیرون ملک کے حکم رانوں نے ان کی جانب دستِ تعاون دراز نہیں کیا اور خود سلطان کی فوج کے بعض سرکردہ اشخاص اور ان کے امراء و وزرا میں بعض سربرآوردہ افراد انگریزوں کے دام فریب میں پھنس گئے۔ کارنوالس سلطنتِ خداداد میں سازشوں کا جال بچھانے کے لئے افسر چھوڑ رکھے تھے۔ ان کی چالوں سے ایک طرف کرشن راؤ کی بے وفائی سے بنگلور پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا اور دوسری طرف مہدی علی خان نائطی کی دھوکہ بازی سے گنج عام کے مورچہ پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا۔ پورنیا کو میسور میں ہندوراج قائم کرنے کا سبز باغ دکھا رکھا تھا۔ میر معین الدین اور میر قمرالدین گُرّم کنڈے کی ریاست قائم کرنے کے خواب دیکھ رہے تے۔ بدرالزماں نائطی، میر غلام علی اور میر صادق عیش پسندی وتن پروری کی خاطر اس قدر خودغرض اور غدار بنے ہوئے تھے کہ ان کے کرتوتوں سے انسانیت لرزہ براندام ہوجاتی ہے۔

(محمود خان: تاریخ جنوبی ہند: ص ۳۲۶، مطبوعہ نامی لاہور مطبوعہ ۱۹۴۷ء)

کرنل ولیم کرک پیٹر ''سلطانی مکتوبات'' کے انتسابی کلمات میں، جو لارڈ ولزلی کے نام ہیں، رقمطراز ہے۔

''یہ آپ کی ذات کے لئے باعث اعزاز نہیں کہ اس کتاب کو آپ کے نام نامی سے معنون کررہا ہوں۔ یہ کون نہیں جانتا کہ یہ آپ کی شخصیت ہی تھی، جس کی سیاست، ذہانت اور بروقت احتیاط نے ٹیپو کے ان ارادوں کو ناکام بنادیا، جو اس نے ہندوستان میں برطانیہ کے قیام کے خلاف کئے تھے۔ اور یہ حقیقت کسی سے مخفی نہیں ہے کہ یہ آپ ہی کی تدابیر تھیں جن کی وجہ سے کرۂ ارض کے اس حصہ میں جس سخت

اور مہیب ترین دشمن سے سابقہ پڑا اس کو برباد کردیا۔"

(محمود خان محمود: صحیفۂ سلطانی: ص: ۹۳۔ ماخوذ علامہ احقر بنگلوری)

سلطان ٹیپو عزم و حوصلہ، جواں مردی و پامردی، بہادری اور قوت فیصلہ میں اپنی نظیر آپ تھے۔ انھوں نے اپنی ذات اور اپنی قوت کے بل پر انگریزوں کے ساتھ مقابلہ کیا اور جب وہ شکست و ریخت سے قریب ہو گئے تو ان کے بعض حامیوں نے انھیں مشورہ دیا کہ آپ خود کو انگریزوں کے حوالہ کر کے اپنی جان بچا سکتے ہیں۔ لیکن سلطان نے غلامانہ اور محکومانہ زندگی کے مقابلہ میں مجاہدانہ اور سرفروشانہ موت کو ترجیح دی۔ چنانچہ اٹھارہویں صدی عیسوی اپنے اختتام کی منزل پر قدم رکھنے کے لئے صرف سات ماہ رہ گئے تھے کہ ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو سلطان نے جام شہادت نوش کیا۔ اس واقعہ کے ساتھ ہی انگریزوں نے ٹیپو سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کردئے اس تقسیم سے متعلق ایک انگریز مورخ کا بیان ہے:

"ایک نئی سلطنت کو وجود میں لانے اور میسور کے راجاؤں کے قدیم خاندان کو بحال کرنے کی کارروائی کسی کارِ خیر کی طور پر ہرگز نہ تھی بلکہ یہ اس غداری کا انعام تھا جو میسور کے اگلے حکمرانوں کے افراد نے درپردہ انگریزوں کے ہمدرد و مددگار بن کر ٹیپو سے کی تھی۔"

(ڈاکٹر سید قدرت اللہ: علامہ احقر بنگلوری: ص: ۳۳، ناشر: دار قدرت)

جنوب میں انگریزوں کے سب سے بڑے حریف اور مدِّ مقابل دشمن سلطان ٹیپو کی شہادت کے بعد انگریزوں کو چاروں طرف میدان خالی نظر آنے لگا اور اب وہ پوری قوت کے ساتھ بھارت گیری کے منصوبہ پر عمل پیرا ہو گئے۔ چنانچہ ۱۸۰۰ء میں آرکاٹ۔ تنجاوُر اور اودھ کی سلطنتوں کو ختم کردیا اور اس کے دوسرے سال ۱۸۰۱ میں نظام حیدرآبادی کی آزادی سلب کرلی اور اپنا باج گزار بنالیا۔ اس کے بعد ۱۸۰۳ء میں مرہٹہ محاذ کا خاتمہ کردیا۔ یہی وہ سیاسی پس منظر تھا، جس میں حضرت قطب ویلور اس دنیا میں قدم رنجہ فرماتے ہیں۔

سلطنتِ خداداد کے خاتمہ کے بعد سلطان شہید کے پسماندگان شہزادگان اور بیگمات کو گرفتار کر کے سری رنگاپٹن سے لے آکر ویلور کے قلعہ میں نظر بند کردیا۔ سلطان کے خاندان والوں کو حضرت قطب ویلور کے گھرانے سے بڑی محبت اور عقیدت تھی اور ان دونوں خاندانوں کے درمیان باہمی روابط و

تعلقات تھے۔ چنانچہ سلطان نے حضرت قطب ویلور کے والد حضرت محوی کو میسور آنے کی دعوت دی تو آپ نے قاصد سے کہا سلطان سے کہنا کہ سلطنتِ خداداد کو چھ ماہ بعد زوال آنے والا ہے۔ اگر میں اس وقت آتا ہوں تو زوالِ سلطنت کے وقت مخلوق کہے گی کہ ابوالحسن کی نحوست سے سلطنت کو زوال آگیا۔ لہذا میں آنے سے قاصر اور معذور ہوں۔ قاصد یہ جواب پا کر واپس ہوگیا۔ اور حضرت محوی کی پیش گوئی کے مطابق ٹھیک چھ ماہ بعد سلطان ٹیپو کی میدانِ جنگ میں شہادت ہوی اور میسور پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا قبضہ ہوا۔

(مولانا سید حمید اشرف کچھوچھوی: سالنامہ اللطیف ویلور: ص:۱۶:۱۳۸۸ھ)

انگریزی حکومت کی طرف سے حضرت قطب ویلور کے گھر والوں کو قلعہ میں جانے اور محصور اور مقید حضرات و خواتین سے ملنے جلنے کی پوری اجازت حاصل تھی۔ اسی دوران ایک شہزادے نے حضرت قطب ویلور کے والد حضرت محوی کی خدمت میں یہ پیغام بھیجا کہ میں صاحب زادے (قطب ویلور) کی تعلیم و تربیت کی نیت کر چکا ہوں۔ اگر آپ اجازت دیں تو اتالیق مقرر کردوں گا۔ آپ نے شہزادے کی پیش کش کو قبول کیا اس طرح حضرت قطب ویلور کو فن حرب و ضرب اور خطِ نسخ کی تعلیم کا موقع بہم پہنچا۔ حضرت قطب ویلور کے نامور صاحبِ قلم تلمیذِ رشید خلیفۂ سعید حضرت واعظ بنگلوری نے مثنوی مطلع النور میں اس واقعہ پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔

(مولانا احقر بنگلوری: مثنوی مطلع النور: ص ۱۸ مطبع محمدیہ۔ بنگلور: مطبوعہ ۱۳۹۰ھ)

انگریزوں نے اپنی حکومت کی پائیداری و مضبوطی کے لئے سخت گیر موقف اختیار کر رکھا تھا۔ جہاں کہیں مخالفت کی چنگاری سلگتی نظر آئی فوراً اس کے بجھانے کے درپے ہوگئے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بے شمار لوگوں کو جیلوں سے بھر دیا اور ان پر مقدمے چلائے انھیں سولی پر لٹکا دیا۔ اور بعض ایسے قوانین کا نفاذ کیا جن سے ہندوستانیوں کی مذہبی آزادی اور مذہبی تشخص کو خطرہ لاحق ہوگیا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے جذبات کو شدید دھکا لگا اور ان کے دلوں میں انگریزی اقتدار کو ختم کرنے کا جذبہ اور حوصلہ پیدا ہوگیا۔ وہ اس قدر برافروختہ تھے کہ ایک ہلکے سے اشارے پر میدانِ عمل میں کود پڑے۔ ادھر قلعہ کے اندر ٹیپو کے محصور و مقید افراد کے دلوں میں بھی محصورانہ و محکومانہ زندگی سے رہائی حاصل کرنے کی امنگ جاگ اٹھی۔ ہندوستانی سپاہیوں اور سلطان کے رشتہ داروں کی خواہش کو پہچان کر ویلور کی عوام بھی ان کے ہم نوا اور ہم خیال ہوگئی۔

اس طرح انگریزوں کے خلاف ایک عوامی تحریک وجود میں آ گئی۔

۱۴ نومبر ۱۸۰۵ء کو ایک انگریزی فوج کے افسر نے مدراس سے ایک ایسا حکم جاری کیا جس میں فوجی مسلمانوں کو داڑھی رکھنے اور ہندوؤں کو پیشانی پر ٹیکہ لگانے پر پابندی اور صلیب کا استعمال کرنے کی تائید کی گئی تھی۔ اس سے مسلمانوں اور ہندوؤں کے مذہبی جذبات اور ان کے شعائر پر ضربِ کاری لگی۔ اس نے فوج پولیس اور عوام میں غم و غصہ اور اضطراب کی لہر پیدا کردی۔ ویلور کا قلعہ انگریزی حکومت کی کمین گاہ اور برٹش فوج کا مرکز تھا۔ ۹، جولائی ۱۸۰۶ء کو سلطان ٹیپو کی دختر کا نکاح مقرر تھا۔ قلعہ کے اندر لوگوں کی آمد و رفت کافی تھی ہندوستانی سپاہیوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا۔ ۱۰ جولائی ۱۸۰۶ء کو قلعہ کے اندر جمعدار شیخ قاسم ایک اہم عہدے پر فائز تھے۔ حفاظتی دستہ کی تشکیل اور تعین ان کے ذمہ تھی۔ یہ بھی ہندوستانی سپاہیوں اور مجاہدوں کے ہم نوا تھے۔ انہوں نے بھی حتی الامکان حفاظتی دستے میں ہندوستانی سپاہیوں کو شامل کر رکھا تھا اس رات قلعہ کے اندرونی حالات پر نظر رکھنے کی ذمہ داری جس انگریز افسر کی تھی وہ اپنے ذاتی کام سے گھر جانا چاہتا تھا۔ جب یہ اطلاع شیخ قاسم کو ملی تو وہ فوراً اس کی خدمت میں حاضر ہوے اور عرض کیا کہ آپ جایئے۔ میں آپ کی ذمہ داری سنبھال لوں گا۔ اس افسر کی غیر حاضری نے بھی ہندوستانی سپاہیوں کو ایک بہترین موقعہ فراہم کردیا۔ اور انھوں نے انگریزی فوج اور انگریز افسروں پر زوردار حملہ کردیا۔ وہ اس غیر متوقع اور اچانک حملہ کی تاب نہ لا سکے۔ ہندوستانی سپاہیوں نے قلعہ پر اپنا قبضہ جمالیا اور یونین جیاک اتار کر سلطان ٹیپو کے صاحب زادے کا دیا ہوا ہندوستانی پرچم لہرا دیا۔ جنرل میجر کوٹس نے اس واقعہ کی اطلاع آرکاٹ کے انگریز سپہ سالار کلّین بک کو بھجوائی تو وہ پوری قوت و طاقت کے ساتھ جوابی حملہ کیا اور قلعۂ ویلور کو دوبارہ حاصل کرلیا۔

(تحریکِ آزادی میں شمالی آرکاٹ کا حصہ: (ٹمل) بحوالہ اللطیف: ص:۱۴: ۱۹۹۷ء)

انگریزوں کے خلاف لڑی جانے والی آزادی کی اس اولین لڑائی کے موقعہ پر حضرت قطب ویلور شہر ویلور میں موجود تھے اور یہ سارے واقعات آپ کی نگاہوں کے سامنے اور آپ کی رہائش گاہ کے قریب پیش آئے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان حالات کا اثر آپ کے قلب پر بھی مرتب ہوا ہوگا۔

اس واقعہ کے دو دہائیوں بعد حضرت قطب ویلوری بھی انگریزی حکومت کے شبہ کا شکار ہو گئے۔

آپ کے خلاف یہ خبر اڑادی گئی تھی کہ آپ برطانوی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کر رہے ہیں اور مسلمانوں کو در پردہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف جہاد پر ابھار رہے ہیں۔ ان خبروں کی بنیاد پر انگریز حکام نے آپ کو چتور (موجودہ آندھرا پردیش کا ضلعی شہر) کے صدر حوالات میں دو مہینوں تک نظر بند رکھا اور آپ پر مقدمہ چلایا۔ لیکن کوئی ثبوت مہیا نہ کر سکے۔ آخر آپ کو باعزت رہا کر دیا گیا۔

انگریزوں نے سیاسی استحکام کے حصول کے بعد عیسائی تبلیغ کی طرف قدم بڑھایا اور ہندوستانی تہذیب و ثقافت اور یہاں کے مختلف مذہبی عقائد و شعائر کو ختم کرنے کی کوشش شروع کی اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے اسکول اور کالج قائم کئے اور ان کو عیسائیت کی تبلیغ کا اڈا بنا دیا تھا۔

بقول سر فیر ڈرک ہیلڈ:

''میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستانی کالجوں میں انجیل کی تعلیم اس قدر زیادہ ہو رہی تھی کہ شاید ہی انگلستان کی کسی پبلک اسکول میں اتنی ہو!''

(سید طفیل احمد بنگلوری: مسلمانوں کا روشن مستقبل: ص:۱۴۱: ماخوذ علامہ احقر)

اس کے علاوہ بھی عیسائی مبلغوں اور مسیحی پادریوں نے بھی علانیہ اپنے عقائد و افکار اور نظریات و خیالات کی اشاعت شروع کر دی تھی۔ سر سید احمد خان فرماتے ہیں:

''ہندوستانیوں کے مذہبی عقائد و شعائر کی توہین شروع کر دی۔ پادری انجیل کی اشاعت کھلے بازار کرنے لگے تھے۔ اور ہندوستانی قوموں کے مذہبی شعائر اور اہل دین پر بے ہودہ اتہامات عائد کرتے رہے۔ بعض ایسے قوانین بنائے گئے جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ پورے ملک کو عیسائی بنانا مقصود ہے۔''

(سر سید احمد خان: اسباب بغاوت ہند: بحوالہ علامہ احقر بنگلوری: ص ۳۹)

ان حالات اور واقعات سے ہند کی ساری قومیں متاثر ہوئیں اور ان میں سب سے زیادہ مسلمان متاثر ہوئے۔ انگریزوں نے ان سے تاج و تخت چھین لیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ اقتصادی اور معاشی طور پر بے دست و پا ہو گئے تھے۔ زراعت و تجارت، صنعت و حرفت اور سرکاری ملازمتوں اور عہدوں پر غیر ملکیوں کا قبضہ ہو چکا تھا اور سرکاری زبان فارسی کے بجائے انگریزی بن چکی تھی اور مسلمان انگریزی اور علوم جدیدہ کی جانب ابھی مائل نہیں ہوئے تھے۔

فرانسیسی مؤرخ ڈاکٹر بجانٹن، مسلمانانِ بنگلور سے متعلق لکھتے ہیں:

''حکومت کی تبدیلی کی وجہ سے بنگلور میں مسلمان بالکل تباہ حالت میں تھے۔ ان کی فوجی ملازمتیں ان کے ہاتھوں سے نکل گئی تھیں اور یہ نئی حکومت کی فوجی، سول ملازمت کرنا نہیں چاہتے تھے۔''

(ڈاکٹر سید قدرت اللہ: علامہ احقر بنگلوری: ص: ۳۷)

یہ صرف جنوبی ہند کے ایک خطہ کے مسلمانوں کی حالتِ زار کا نقشہ نہیں ہے۔ بلکہ اس وقت ہندوستان گیر پیمانہ پر مسلمان معاشی بحران اور پس ماندگی کا شکار تھے۔ جس کی وجہ سے اہل علم وفضل کا کاروان منتشر ہو چکا تھا اور انگریزی حکومت کی ملازمت اختیار کرنے کے مسئلہ میں بھی اختلاف کھڑا ہو گیا تھا۔ علماء میں دو رائیں اور عوام میں افراط وتفریط کا ماحول پیدا ہو گیا تھا۔ حضرت قطب ویلور اس دور کے مسلمانوں کی معاشی حالت اور رزق حلال کی صورتِ حال اور بعض مسلمانوں کے اندر پائی جانے والی غیر ضروری مذہبی شدّت سے متعلق رقمطراز ہیں:

''اما درین زمان غربت مسلمانان وحکومت انگریزاں عالمے را اجتناب از نوکری حرام وطعامِ حرام میسر نیست۔ تا با جتناب مشتبہات ومکروہات چہ رسد دریں مقام افراط تفریط بعضے از عوام دیدنی است کہ از خوددن طعام حرام مجتنب نمی باشد مع ہذا صدقات مکروہ وغیر مکروہ را اشد حرام می پندارند''

(حضرت قطب ویلور: فصل الخطاب: ص: ۵۱۔ مطبع حاجی عبدالقادر، ویلور، مطبوعہ ۱۲۸۸ھ)

بعض مسلمانوں کی غریبی و مفلسی کے اس زمانہ میں اور انگریزوں کی حکومت کے اس زمانہ میں ایک عالم کو حرام نوکری اور حرام لقمہ سے اجتناب حاصل نہیں ہے تو پھر ایسے زمانہ میں مسلمانوں کو مکروہات و مشتبہات سے بچنے کی بات کیوں کر کہی جا سکتی ہے۔ ان حالات میں تو صرف یہ حرام لقمہ سے پرہیز کر لیں یہی کافی ہے۔ لیکن ایسے حالات میں بھی بعض مسلمانوں کے اندر افراط وتفریط اور کمی زیادتی دیکھنے کے قابل ہے کہ وہ حرام روزی تو پرہیز نہیں کر رہے ہیں لیکن صدقاتِ مکروہ اور صدقاتِ غیر مکروہ کو حرام سمجھ رہے ہیں۔

حضرت قطب ویلور کے عہد میں ایک مسئلہ یہ بھی شدّت کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا تھا کہ ہندوستان دارالحرب بن چکا ہے۔ چنانچہ شمالی ہند میں مولانا شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی اور مولانا عبدالعلی بحرالعلوم

فرنگی محلی لکھنوٴ نے ۱۸۲۳ھ میں انگریزوں سے جہاد کرنے کا فتوی صادر کیا۔ جس کی تائید بہت سارے علما و مشائخ نے کی۔ اس اعلان کے ساتھ مسلح جہاد شروع ہو گیا اور مسلمانوں نے نہ صرف انگریزوں کی مخالفت کی بلکہ ان کی تہذیب و ثقافت، علم و فن، صنعت و حرفت اور انگریزی زبان سے بھی نفرت و حقارت شروع کردی، جو ایک طرح سے غیر معمولی شدّت اور جذباتیت کا اظہار تھا۔

جنوبی ہندوستان میں بھی ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا مسئلہ کھڑا ہو گیا اور یہاں حضرت قطب ویلور کی قدآور شخصیت ایک قائد کی حیثیت سے مقبول و معتمد اور مشہور و معروف تھی اور جس کے سبب اہلِ علم اور عوام کی نظریں آپ پر مرکوز ہو گئیں۔ شمال میں ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا مسئلہ اپنی جگہ صحیح اور درست تھا۔ لیکن جنوب میں یہ مسئلہ مختلف فیہ بن گیا۔ کیوں کہ اس مسئلہ میں شرعی حکم کا نفاذ انگریزوں کے عمل اور رویہ پر موقوف تھا۔ اور جس وقت یہ مسئلہ ابھرا انگریزوں کا عمل ہر علاقہ میں مکمل طور پر اسلام مخالف پہلو کا مظہر نہیں تھا۔ اسی اختلاف کی بنیاد پر شرعی حکم بھی مختلف ہو گیا۔ چنانچہ حضرت قطب ویلور نے اس مسئلہ میں جو موقف اختیار کیا اس کی وضاحت ایک خط سے ہوتی ہے۔ جو انھوں نے ویلور کے اسپیشل کمشنر مسٹر لوئن کو روانہ کیا ہے۔

''اہلِ اسلام کے شرع میں جو حاکماں کہ مانع بانگ و صلوۃ نہیں ہیں سو ان سے جہاد کرنے کا حکم نہیں ہے۔''

بالفاظ دیگر انگریز سرکار شرعی امور اور احکام میں مداخلت نہیں کرے گی تو ہندوستان دارالامن رہے گا۔ اور اگر مداخلت کرے گی تو دارالحرب قرار پائے گا۔ اور جب کسی مسئلہ میں دو قول سامنے آجائیں تو ان میں راجح اور مرجوح کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ یہ مشہور فقہی ضابطہ ہے۔ ایسی صورتِ حال میں ایک ہی قول کے حق و صواب ہونے کا یقین کر لینا اور دوسرے قول کو باطل و خطا قرار دینا ایک انتہا پسندانہ موقف اور غیر علمی طریقہ ہے۔ ایسے موقعہ میں ہر ایک کو اپنے اپنے موقف پر چھوڑ دینا ہی امن و سلامتی کی راہ ہے۔

مذکورہ علمی و فقہی ضابطہ سے ہٹ کر حضرت قطب ویلور نے دارالحرب کے مسئلہ کو جنوب کے حالات کی روشنی میں بھی دیکھا۔ آپ کی نگاہ میں یہاں کے مسلمانوں کی مالی خستہ حالی، قوت اسلحہ کی کمی، فوجی تربیت کے فقدان اور مسلم صفوں میں عدم اتحاد کے باعث دارالحرب کا اعلان اور مسلح جہاد کا اقدام

چنداں سودمند اور نتیجہ خیز دکھائی نہیں دے رہا تھا۔اس کے علاوہ ۱۸۰۶ء میں شہر ویلور میں انگریزوں کے خلاف کیے جانے والا مسلح اقدام اور اس کا غیر مفید انجام بھی سامنے تھا۔جس کی وجہ سے حضرت قطب ویلور نے جارحانہ طریقہ کے بجائے علمی وفکری منہاج اور دعوتی پہلو اختیار کیا۔آپ کے اس سنجیدہ علمی ودعوتی عمل کی وجہ سے جنوب میں انگریزوں کے سیاسی تسلط کے خلاف نفرت تو رہی لیکن اس نفرت نے ایک مسلح اقدام کی صورت کم ہی اختیار کی۔اس کے علاوہ جنوب میں انگریزوں کے ساتھ جو نفرت رہی وہ انگریزی تعلیم، علم وفن اور صنعت وحرفت کے حصول میں مانع نہیں ہوی۔چنانچہ خود حضرت قطب ویلور نے انگریزی زبان سیکھی اور اس میں مطالعہ وتحریر کی استعداد پیدا کر لی۔

مولوی عبدالحی بنگلوری کا بیان ہے کہ ''حضرت قطب ویلور کو قیام مدراس میں دوران تعلیم علم ہیئت سیکھتے وقت ہندوستان میں معتبر کرہ (گلوب) دستیاب نہیں ہوا تو آپ نے انگلش گلوب منگوا کر اس سے استفادہ کیا۔'' (مولانا عبدالحی بنگلوری: مثنوی مطلع النور: ص: ۲۰)

اس واقعہ سے ایک عظیم حقیقت یہ بھی آشکار ہوتی ہے کہ انگریزی زبان کا دامن مختلف علوم وفنون سے بھرپور ہے اور انگریزی زبان جانے بغیر مختلف علوم وفنون سے استفادہ مشکل ہے۔

حضرت قطب ویلور نے انگریزوں سے محاذ آرائی اور مقابلہ آرائی کے بجائے راست طور پر ملکۂ انگلستان اور اس کے وزراء وامراء اور عیسائی عوام کو اسلام کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی اور دعوتِ اسلام کا مکتوب بھیجا اور اندرونِ ملک بھی مختلف راجاؤں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ ۱۲۸۵ھ میں ایجادنگر، صبح کونگرد، کالیتر ونکٹ، تر وندرم، کوچین اور مالابار کے حکم رانوں کی خدمت میں اپنے خلیفہ مولانا مولوی سید حفیظ الدین اور مولانا مولوی سید علی کے ذریعہ اسلام کی دعوت دی۔اس کے ساتھ ساتھ یہاں کے ہندوؤں کو بھی اسلام کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی اور اس سلسلہ میں راجاؤں اور عوام کے نام دعوت نامے علاحدہ تیار کیے اور اپنے خلفاء وتلامذہ کو حکم دیا کہ ان دعوت ناموں کو کتابت یا طباعت کروا کر لائق وفائق اشخاص کے ذریعہ حکمت موعظت اور عزت واحترام کے ساتھ حکم رانوں اور لوگوں کے سامنے پیش کریں۔مولانا شاہ عبداللہ کے نام تحریر کردہ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

''دو قطعہ دعوت نامہ یکے براجایان دوم بسائر مشرکان ملفوف اند۔درجائے خالی الی الامیر ابن

افادیت کو محسوس کرلیا تھا۔ جس کے باعث انھوں نے یہاں کے مسلمانوں کو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ انگریزی تعلیم کی تحصیل کی ترغیب دلائی اور خود حضرت قطب ویلور نے یہ زبان سیکھی اور اس کے ذریعہ دعوتِ اسلامی کا کام انجام دیا۔ مولانا حکیم سید عبدالحی، سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنو اپنی عربی تصنیف ''نزھۃ الخواطر'' میں فرماتے ہیں۔: ''وھو تلقی اللغۃ الانکلیزیہ فی کبر سنہ و بعث رسالۃ تلک اللغۃ الی المملکۃ انکلترا یدعوھا الی اسلام (مولانا حکیم سید عبدالحی لکھنوی: نزھۃ الخواطر: ص: ۳۱۷) حضرت قطب ویلور نے بڑھاپے کے زمانہ میں انگریزی زبان سیکھی اور اسی میں کوئین وکٹوریہ کو دعوتِ اسلام کا مکتوب روانہ کیا۔

حضرت قطب ویلور اور ان کے خانوادے سے وابستہ علماء کی خدمتِ دینی اور روشن خیالی سے متعلق مفکرِ اسلام مولانا سید شاہ ابوالحسن علی ندوی، سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنو فرماتے ہیں:

''اس خانوادے کی سب سے بڑی خصوصیت اس کی جامعیت ہے جس کے تحت اس نے شریعت وطریقت دونوں کا توازن برقرار رکھنے کی بہت اچھی کوشش کی ہے اور ہر دور میں علم ودین اور عقل و دل کا خوش گوار امتزاج پیدا کیا ہے۔ معتدل ومتوازن صوفی سلسلوں کی طرح اس صوفی خانوادے نے بھی اسلام کی عطا کردہ جامعیت وتوازن کو برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے اور اپنی زمانہ شناسی کا ثبوت دیا ہے۔ جس زمانہ میں انگریزی تعلیم کے بارے میں علماء میں اختلاف رائے تھا۔ اس سلسلہ کے علماء نے انگریزی تعلیم حاصل کی اور اس میں دعوتی کام انجام دیا۔''

(مفکرِ اسلام مولانا ابوالحسن ندوی کے ایک مکتوب کا اقتباس: مورخہ ۱۹، ربیع الاول ۱۴۰۵ھ ۱۳، ستمبر ۱۹۸۴ء)

حضرت قطب ویلور کے عہد میں عیسائیت ایک انوکھے اور موثر انداز میں سر اٹھانے لگی تھی۔ اگر وقت پر اس کی روک تھام نہ کی جاتی تو حکومت کی حمایت کے باعث ہندوستان میں کافی مضبوط اور مستحکم ہو جاتی۔ عیسائی مبلغوں اور مسیحی پادریوں نے اسلام کی تعلیمات اور عقائد سے متعلق مسلمانوں کے ذہنوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی مہم شروع کردی تھی۔ تاکہ لوگ اسلام سے بدظن ہو کر دینِ مسیحی کی آغوش میں چلے آئیں۔ برطانوی حکومت کی وجہ سے یہاں دنیوی تعلیم یافتہ اشخاص کی زبان انگریزی بن چکی تھی اور عیسائی مشنری اسی زبان میں اسلام کے خلاف زہر افشانی کررہی تھی اور دینی تعلیم یافتہ حضرات کی

اکثریت انگریزی زبان اور مسیحیت اور مسیحی کارکروگی سے نابلد تھی۔ جس کی وجہ سے وہ بروقت اس فتنہ سے واقف نہ ہوسکی۔ حضرت قطب ویلور انگریزی سے واقف تھے جس کی وجہ سے انہوں نے اس فتنہ کو پہچان لیا اور اپنی زبان وقلم سے اس کا انسداد کیا۔ مولانا عبدالحی فرماتے ہیں:

''حضرت قطب ویلور نے براہِ راست عیسائیوں کی کتابوں کا مطالعہ کیا وران ہی سے تقریباً تین سو تناقص پیش کئے اوراسی کے لگ بھگ اعتراضات اوراشکالات پیش کیا جسے دیکھ کر عیسائی علماء حیران رہ گئے۔'' (مولانا عبدالحی بنگلوری: مثنوی مطلع النور: اللطیف سلور جوبلی نمبر: ص: ۸۹)

اس مقام پر حضرت قطب ویلور کے ایک ہم عصر مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا ذکر ایک علمی و اخلاقی دیانت داری ہے۔ آپ کی مساعی جمیلہ ردّ عیسائیت کے باب میں کلیدی حیثیت رکھتی ہیں۔ مولانائے موصوف کی معرکتہ الآرا کتابیں اس موضوع پر آج بھی اہمیت ووقعت اور افادیت کی حامل ہیں۔

حضرت قطب ویلور کے عہد میں عالم اسلام پر ضعف وانحطاط اوراضمحلال کے آثار پوری طرح نمایاں ہوچکے تھے۔ دین سے بعید تجدد پسند طبقہ کی نگاہیں مغربی تہذیب وتمدن کی چمک دمک سے خیرہ ہوچکی تھیں اور دین سے قریب قدامت پسند طبقہ مغرب کی ہر چیز سے متنفر ہو چکا تھا۔ حتیٰ کہ مغربی علوم وفنون کو بھی شجر ممنوعہ قرار دے دیا تھا جو وقت کی قوت وطاقت اور عروج وترقی کی علامت ونشانی تھے۔ اور افراط و تفریط کا ماحول پیدا ہو چکا تھا۔ مذہبی تنگ نظری کے ساتھ ساتھ مذہبی آزادی کی فضا پھیل چکی تھی ان حالات اوران کے اثرات سے ہندوستانی مسلمان مستثنیٰ نہیں تھے۔ طرفہ تماشا یہ کہ یہاں کا معاشرہ کتاب و سنت کی گرفت سے آزاد ہو چکا تھا اور اس کے اندر طرح طرح کی بدعات پھیل چکی تھیں۔ مذہبی اختلافات شدت کے ساتھ ابھر چکے تھے۔ فرقہ بندی کا مرض اس قدر عام ہو چکا تھا کہ ہر جماعت دوسری جماعت کی تکفیر وتضلیل اوراس پر لعن وطعن میں اپنا اپنا زور صرف کررہی تھی۔ اختلافی مسائل اور فروعی احکام کو نصوص کا درجہ حاصل تھا اور اس باب میں ہر فریق دوسرے فریق کے موقف کو باطل قرار دینے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔ ائمہ اربعہ کی تقلید سے آزادی اور بے نیازی عام ہورہی تھی۔ بے علم وعمل، نام نہاد اور خام صوفیوں کی لغویات اور رسومات ہر طرف جڑ پکڑ رہی تھیں جس کی وجہ سے تصوف کا دامن داغ دار ہورہا تھا۔ ان حالات میں حضرت قطب ویلور نے ملت کی شیرازہ بندی کی اور افراط وتفریط اور غلو وتعصب کے دلدل سے

الامیر راجہ صاحب فلاں موضع نوشتہ نقول آن بر چھاپہ یا بکتابت کنانیدہ بواسطہ مردان لائق دعوت نامہا روانہ فرمانید۔"

حضرت قطب ویلور دعوت کی ضرورت واہمیت کے ساتھ ساتھ مدعو اقوام کی زبان میں اسلام کی دعوت پیش کرنے کی ضرورت واہمیت اور پریس ومیڈیا کی افادیت سے بھی واقف تھے۔ چنانچہ مولانا مولوی میر ابراھیم رضوی کے نام ایک خط میں فرماتے ہیں:

"دو قطعہ دعوت نامہ درزبان انگریزی، تلنگی، ٹمل، مرہٹی، راجپوتی وغیرہ دراخبارات نامجات مشتہر سازد۔"

دعوت اسلام کے مکتوبات انگریزی، تلنگی، ٹمل، مرہٹی، راجپوتی اور دیگر علاقائی زبانوں میں شائع کرائیں اور مشہور اخبارات میں چھاپ دیں۔

ملکۂ برطانیہ اور حکمران طبقہ کی خدمت میں براہ راست اسلام کی دعوت پیش کرنے سے حضرت قطب ویلور کا منشاء یہ تھا کہ وقت کی حکومت ہی اسلام کے زیر سایہ آجائے تو برصغیر کا سیاسی مسئلہ خود بخود حل ہوجائے گا۔ اور برٹش گورنمنٹ غاصب ہند کے بجائے راعی ہند بن جائے گی۔

عہد قطب ویلور کے متعدد مسائل میں سے ایک اہم ترین اور فوری توجہ کا مستحق مسئلہ یہ تھا کہ مسلمانوں کی نئی نسل کو اسلام پر کیسے قائم رکھا جائے۔ کیونکہ انگریزوں نے اسکول و کالج کے پردہ میں مسلمانوں اور دیگر قوموں کی نئی نسل کے قلب وذہن پر عیسائیت کی چھاپ قائم کرنے کی سعی شروع کردی تھی۔ اور ہندوستان میں ایک ایسے نظام تعلیم کو جاری کردیا تھا، جس کا مقصد یہ تھا کہ ایک ایسی نسل تیار کی جائے جو پیدائشی اعتبار سے تو ہندوستانی ہو لیکن فکر وفہم کے اعتبار سے انگریز ہو۔

(مولانا وحیدالدین خان: الرسالہ: ص: ۱۷: اسلامی مرکز، دہلی: ستمبر ۲۰۰۰ء) بقول میکالے:

" So that a generation my arise which is Indian in birth and English in thought."

اس نازک صورتِ حال کا مقابلہ علمائے کرام نے اس طرح کیا کہ سارے ہندوستان میں وسیع پیمانہ پر اسلامی درس گاہوں اور مکاتیبِ دینیہ کا جال بچھا دیا تا کہ مسلمانوں کی نئی پود کا رشتہ اسلام سے منقطع

نہ ہوسکے اور دین کا علم نسلاً بعد نسلاً قائم رہ سکے چنانچہ ان ہی اکابرین کی کوششوں کا ثمرہ ہے کہ سارے ہندوستان میں لاکھوں چھوٹے بڑے مدارس پھیلے ہوے ہیں۔اس سلسلہ میں حضرت قطب ویلور کے ہم عصر مولانا محمد قاسم نانوتوی کو شمال میں اولیت کا شرف حاصل ہوا۔جن کی ذاتِ گرامی سے مدارس کی تحریک شروع ہوئی۔۱۸۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا۔اس کے چند سال بعد ۱۸۹۳ء میں جامعۃ مظہر العلوم بنارس، اور ۱۸۹۴ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنوء اور پھر ۱۸۹۷ میں مدرسۂ امینیہ دہلی اور پھر ۱۸۹۹ء میں دارالعلوم خلیلیہ ٹونک اور جامعۂ عربیہ حیات العلوم مبارک پور جیسی عظیم درس گاہیں منصۂ شہود پر جلوہ نما ہوئیں اور آج بھی ان کی کوکھ سے لاکھوں علماء وفضلا نکل رہے ہیں۔

جنوبی ہند میں حضرت قطب ویلور کے تیار کردہ تعلیمی وتربیتی خاکہ کے مطابق ان کے صاحب زادے شمس العلماء مولانا رکن الدین قادری نے ۱۸۸۴ء میں دارالعلوم لطیفیہ کی تشکیل جدید کی اور حضرت قطبِ ویلور کے خلیفۂ رشید مولانا شاہ عبدالوہاب قادری ویلوری نے اپنے مرشد کی ایما پر ۱۸۸۳ء میں ویلور میں مدرسۂ باقیات الصالحات قائم کیا۔اس کے بعد جنوب کی سرزمین پر متعدد مدارس وجود پذیر ہوئے۔جو آج بھی افراد سازی کی خدمت میں مصروفِ عمل ہیں۔

حضرت قطبِ ویلور کے ایک معاصر عالم اور عظیم مفکر سر سید احمد خان نے مسلمانوں کو انگریزی تعلیم اور جدید علوم وفنون سیکھنے کی ترغیب دلانے کی مہم شروع کردی اور اس سلسلہ میں بڑی جدوجہد کی اور عظیم قربانیاں دیں۔اس عہد میں مسلمان قدیم اور اسلامی علوم وفنون اور عربی وفارسی زبان وادب کی تعلیم پر قناعت کئے ہوئے تھے۔اس جمود وتعطل کی فضا میں سر سید احمد خان نے مسلمانوں کے اندر تعلیمی شعور پیدا کیا۔اور آپ کی یہ علمی جدوجہد علی گڑھ تحریک کے نام سے مشہور ہوی۔اور یہی تحریک آج مسلم یونیورسٹی کے نام سے زندہ ہے اور ہزاروں تشنگانِ علوم وفنون کو سیراب کررہی ہے۔بعض تنگ نظر افراد کی جانب سے سر سید کی مخالفت نہ ہوی ہوتی تو آج ہندوستانی مسلمان سائنسی وصنعتی اور علمی دنیا میں اپنی ایک مستقل شناخت بناچکے ہوتے اور ان کی افادی حیثیت پوری طرح اجاگر ہوچکی ہوتی۔بہر کیف یہ سر سید ہی کا احسان ہے کہ آج مسلمانوں کے اندر جدید تعلیمی شعور اور سائنسی فکر کی جھلکیاں نظر آرہی ہیں۔

جنوب میں حضرت قطب ویلور اور ان کے سلسلے کے علماء نے روز اول ہی سے انگریزی تعلیم کی

ملت کو نکالنے کی پوری کوشش کی اور امت کے سامنے ایک معتدل ومتوازن موقف پیش کیا جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں حضرت قطب ویلور کے مسلک ومنہاج کے ضمن میں آ رہی ہے۔

غرض یہ تھے وہ تاریخی، سیاسی، علمی، مذہبی اور معاشی حالات جن کے پس منظر میں حضرت قطب ویلور کی شخصیت ابھرتی ہے اور آپ کی خدمات کی عظمت وافادیت سامنے آتی ہے۔

دوسرا باب
حضرت قطب ویلور کے خانوادے کی
علمی وادبی اور دینی خدمات

حضرت قطبِ ویلور کا نسب نامہ

حضرت قطب ویلور کے خاندان کے مختصر حالات اور آپ کا پدری اور مادری شجرہ فارسی میں ضمیمہ جواہر السلوک حضرت مولانا سید شاہ محمد قادری میں درج ہے اور اردو میں مثنوی ''مطلع النور'' مولانا شاہ عبدالحی واعظ بنگلوری اور مقالات طریقت مصنف مولانا عبدالرحیم ضیاؔ حیدر آبادی میں درج ہیں۔

آپ کا سلسلہ مادری بتیس واسطوں سے امام حسن رضی اللہ تعالی عنہ تک پہنچتا ہے اور اسی سلسلہ میں بیسواں واسطہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ پر منتہی ہوتا ہے۔ اور آپ کا سلسلۂ پدری حسب ذیل واسطوں سے امام حسین رضی اللہ تعالے عنہ تک پہنچتا ہے۔ اس اعتبار سے حضرت قطبِ ویلور کو ساداتِ حسنی اور حُسینی ہونے کا شرف حاصل ہے۔

حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری نقوی المعروف بہ قطب ویلور ابنِ حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری محوؔی ابنِ حضرت شید شاہ عبداللطیف قادری ذوقؔی ویلوری ابنِ حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری قربؔی ویلوری ابنِ حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری بیجاپوری، ابنِ حضرت سید شاہ میران ولی اللہ قادری، ابن حضرت سید شاہ عبداللطیف باپو جی گجراتی، ابنِ حضرت سید شاہ محمد قادری، ابن حضرت سید شاہ عبدالحق، ابنِ حضرت سید قطب الدین، ابنِ حضرت سید عبدالفتاح ابن حضرت قاضی سید اسماعیل ابن حضرت سید برہان الدین ابن حضرت سید حسین، ابنِ حضرت سید نوراللہ منصور، ابنِ حضرت سید عبدالفتاح، ابن حضرت جلال متقی، ابن حضرت سید حامد، ابنِ حضرت سید حمزہ اصغر، ابنِ حضرت سید اللہ، ابنِ حضرت سید حُسین اکبر ابنِ حضرت سید محمد، ابن حضرت سید سیف اللہ ناصر، ابن حضرت سید ابوالقاسم، ابنِ حضرت سید حیدر کرار، ابنِ

حضرت امام محمد نقی عسکری، ابنِ امام محمد تقی ابن امام علی موسیٰ رضا ابن امام موسیٰ کاظم ابن امام جعفر صادق ابن امام محمد باقر ابنِ علی ابن الحسین ابن امام زین العابدین علی بن الحسین، ابنِ امام ابوعبداللہ امام حسین ابنِ امام الائمہ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ۔

حضرت قطب ویلور کا سلسلۂ پسری حسب ذیل تین واسطوں پر منتہی ہوتا ہے

حضرت سید شاہ رکن الدین قادری

۱۔ حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری مکی　　　۲۔ حضرت سید شاہ غوث پیر قادری

۱۔ حضرت سید شاہ عبدالقادر قادری

۲۔ حضرت سید شاہ محمد باقر قادری

۳۔ حضرت سید شاہ محمد ناصر قادری

۴۔ حضرت سید شاہ محمد طاہر قادری

حضرت سید شاہ محمد طاہر قادری کی دو صاحبزادیوں سے حضرت قطب ویلور کی آل سلسلہ جاری ہے۔ نرینہ اولاد کا سلسلہ ختم ہوا۔

❁❁❁

حضرت سید شاہ عبداللطیف بیجا پوری

حضرت قطب ویلور کے خاندان کی معلوم تاریخ کا آغاز حضرت سید شاہ عبداللطیف بیجا پوری کے ویلور پہنچنے کے بعد سے ہوتا ہے اور آپ ہی خانوادۂ قطب ویلور کے بانی اور مورثِ اعلیٰ سمجھے جاتے ہیں۔

حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری بیجا پوری کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے۔ بقول مرتب دیوانِ قربیؔ پروفیسر سید فضل اللہ آپ کا سنِ ولادت ۱۰۶۵ھ ہے۔

(دیوان قربیؔ: مرتب فضل اللہ: مطبوعہ ۱۹۶۴ء: ناشر: مہتاب عارفیؔ: تروپتی: آندھرا)

بیجا پور کے حکمراں محمد عادل شاہ کے عہد میں حضرت باپو جی احمد آباد سے بیجا پور تشریف لائے۔ بادشاہ نے آپ کو یومیہ چار ہون مقرر کیا اور چار قریے بطور جاگیر عنایت فرمایا۔ (دیوان قربیؔ: مرتب فضل اللہ: مطبوعہ ۱۹۶۴ء: ناشر: مہتاب عارفیؔ: تروپتی: آندھرا) حضرت عبداللطیف کے نانا حضرت گورے حسن اپنے دور کے مشاہیر صوفیا میں سے تھے اور آپ نے مختلف صوفیہ سے علمی و روحانی استفادہ کیا اور قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، شطاریہ، بخاریہ، رفاعیہ، کبرویہ، کازونیہ، مدینیہ، طاؤسیہ اویسیہ، حسنیہ، حسینیہ، صدیقیہ، عثمانیہ اور دیگر طریقوں میں ایک سوا کانوے سلاسل میں بیعت و خلافت اور اجازت کی نعمت و فضیلت حاصل کی اور ان تمام سلسلوں کو "مخزن السلاسل" کے نام سے جمع کیا ہے۔ اس قلمی کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

امابعد فیقول الفقیر المتفقرالی ذی المنن ابوالحسن ابن السید عبدالقادر ابن السید شاہ ابوالحسن قادری غفراللہ ذنوبھم و سترعیوبھم ان ھذاالکتاب المبارک المسمیٰ بہ "مخزن السلاسل" فی الباس خرق فرق المشائخ الصوفیہ مشتملة علیٰ مائة واحدی و تسعین سلسلة

کتاب کے اختتام پر اپنے ہمشیر زادے سید کریم اللہ کو خلافت سے نوازتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"یہ متعدد مذکورہ نعمت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات تک معنعة اور سلسلہ وار بعض مشائخ سے میرے

آباء واجداد کی جانب سے مجھ تک پہنچتی ہے۔

' فاذا وصلت الی بحمده الله هذه النعمة المتعددة المذكورة من جانب آبائی واجدادی ومن بعض المشائخ معنعنه و مسلسلة الی النبی صلی الله عیله وسلم. " حضرت سید عبداللطیف بیجاپوری نے اپنے نانا سید ابوالحسن کے ہاتھ پر بیعت کی اور ایک سوا کا نوے سلاسل میں اجازت وخلافت حاصل کی۔

اس مقام پر اجازت وخلافت اور خرقہ سے متعلق مختصر تشریح بے محل نہ ہوگی۔

خلافت دینا، خرقہ پہنانا وغیرہ کے جملوں سے مراد دعوت وتبلیغ کی اجازت ہے۔ الباس خرقہ یا اعطائے خرقہ یہ اجازت کی شرط نہیں ہے بلکہ یہ چیز سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی کے زمانہ میں ظاہر ہوئی اس کے بعد سے یہ چیز بیعت وارادت کے باب میں ایک رسم اور ایک طریقہ کی صورت اختیار کر گئی اور سلسلہ کا ربط ان ہی امور سے ثابت ہے۔ اور ربط کی صورتوں اور شکلوں کا اختلاف ضرر کا باعث نہیں ہے۔ خرقہ اور بیعت کی اصل سنت نبویؐ سے پیوست ہے اور یہ حضرات صوفیہ کی قدیم رسم اور عادت ہے۔ جو اجازت اور خلافت کے وقت مریدین کو عمامہ، ٹوپی، قمیص اور چادر وغیرہ پہناتے ہیں۔ اور دعوت کی اجازت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اصلاح وتبلیغ کا یہ طریقہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق ہے۔ اور آپ ﷺ سے بطور ورثہ اور ترکہ حاصل ہے۔

اس موضوع پر تفصیلات صوفیہ کی مبسوط کتابوں مثلاً تعرف، عوارف، ذوارف، انتباہ، ہمعات وغیرہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

حضرت عبداللطیف نے اپنے والدِ ماجد حضرت میراں سید ولی اللہ اور اپنے نانا و مرشد حضرت سید ابوالحسن مصنف ''مخزن السلاسل'' سے علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کی اور ان میں کمال اور بصیرت حاصل کی۔ مولانا عبدالحیؒ واعظ بنگلوری نے مثنویؑ ''مطلع النور'' میں آپ کا ذکر ان بلند الفاظ کے ساتھ کیا ہے۔ جس سے آپ کا علمی و روحانی مقام و مرتبہ بخوبی واضح اور متعین ہو جاتا ہے۔:

مسند اہلِ علم و فن کلام | حجتِ صوفیہ بلند مقام
اور تھا یونہی علوم میں فاخر | عالمِ علمِ باطن و ظاہر

اور تھا عقل و نقل کا جامع　　　　نور ہر علم اس سے تھا لامع

(مثنوی: مطلع النور: ص ۵)

مولانا سید محمد قادری نے ضمیمہ ''جواہر السلوک'' میں آپ کا تذکرہ ان لفظوں میں کیا ہے:

''وے رضی اللہ عنہ در سیرت و صورت و علم و معرفت در ہمسران نظیر نمی داشت

(ضمیمۂ جواہر السلوک: ص: ۳۶۰)

صورت و سیرت اور علم و معرفت میں حضرت سید عبداللطیف بیجاپوری کی نظیر اور مثیل آپ کے ہم عصروں میں نہیں ملتی۔

حضرت عبداللطیف بیجاپوری کا عقد سید ابوالقاسم کی صاحب زادی ساجدہ بیگم کے ساتھ ہوا۔ یہ وہی ابوالقاسم ہیں، جس کو شہنشاہِ اورنگ زیب عالمگیر نے منصبِ پنج ہزار اور درایت خان کے خطاب سے نوازا تھا۔ (دیوانِ قربی: ص: ۵: مرتبہ پروفیسر سید فضل اللہ: مطبوعہ ۱۹۶۵ء اعجاز پرنٹنگ پریس۔ حیدرآباد) درایت خان کو علوم معقول و منقول اور قواعد، اصول و فروغ میں غیر معمولی درک حاصل تھا۔ اور شعر گوئی میں بڑی مہارت تھی۔ ذیل کے یہ دو شعر ان ہی کی تخلیق ہے۔:

زچشم سحر پردازت ادائے در نظر دارم　　　　نظر بہ گرد داز چشم از تو بردارم

از کجا حُسن ترا باز تماشا کردیم　　　　رشتۂ تارِ نظر سلسلۂ پا کردیم

(دیوانِ قربی: ص: ۵: مرتبہ پروفیسر فضل اللہ: مطبوعہ ۱۹۶۵ء اعجاز پرنٹنگ پریس: حیدرآباد)

حضرت سید عبداللطیف نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ بیجاپور میں گزارا۔ عادل شاہی حکومت کے زوال کے باعث جب وہاں کے حالات خراب ہوگئے تو ۱۱۲۱ھ میں اپنے اہل و عیال کے ہمراہ ہجرت فرمائی اور شانور (ساؤنور) فروکش ہوئے۔ جو ہبلی (موجودہ کرناٹک) کے جنوب میں قریباً چالیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور یہاں دو سال تک اقامت گزیں رہے۔ اس کے بعد سرا منتقل ہوگئے۔ جو علاقۂ میسور میں ٹمکور سے تینتیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں دس سال تک اقامت پذیر رہے۔ جب یہاں کے سیاسی حالات میں تغیر و تبدیلی رونما ہوی اور امن کی فضا ختم ہونے لگی۔ اور سرا پر مرہٹوں کے شدید حملے شروع ہوگئے تو یہاں سے بھی رختِ سفر باندھا اور ۱۱۳۲ھ میں آرکاٹ کو اپنا مستقر بنالیا۔ اس زمانے

میں آرکاٹ کو سیاسی مرکز ہونے کا شرف حاصل تھا۔محمد سعید عرف سعادت اللہ خان جو دہلی سلطنت کے سپہ سالار فوج تھے، انہوں نے آرکاٹ کو مرکز بنالیا تا کہ مرہٹوں کے بڑھتے ہوئے قدم کو روک سکے اس کے بعد آرکاٹ میں مختلف، متعدد معرکہ آرائیوں کا سلسلہ قائم ہوگیا۔کبھی یہ شہر مسلمانوں کے زیر تسلط رہا تو کبھی مرہٹوں کے زیرِ نگین رہا اور کبھی انگریزوں کے زیرِ اقتدار رہا۔

اس طرح ایک طویل مدت تک آرکاٹ پر سیاسی اور جنگی بادل منڈلاتے رہے۔ جب یہاں کے حالات بھی متغیر ہوگئے تو حضرت سید عبداللطیف نے آرکاٹ کی سکونت بھی ترک کردی اور ویلور تشریف لائے اور اسی کو اپنا وطن بنالیا اور تادم زیست اقامت پذیر رہے۔آرکاٹ میں آپ کا قیام تقریباً چھ سال رہا۔ بقول صاحبِ ضمیمہ ''جوہر السلوک'' شش سال درآں جا سکونت اختیار کرد از آنجا در بلدۂ ویلور توطن اختیار کرد''

(ضمیمۂ جواہر السلوک'': ص ۲۶۳: مولفہ حضرت سید شاہ محمد قادری خواہر زادۂ حضرت قطب ویلور'' مطبوعہ ۱۲۸۴ھ: مظاہر العجائب۔مدراس)

حضرت سید عبداللطیف بیجاپوری کے صاحب زادے حضرت قربیؔ جو چار سال کی عمر میں اپنے والد ماجد کے ہمراہ مختلف شہروں سے ہجرت کرتے ہوئے ویلور پہنچے تو اس وقت ان کی عمر چودہ سال ہوگئی۔ گویا بیجاپور سے ویلور پہنچنے میں کامل دس سال کی مدت گزر گئی۔ جب حضرت قربیؔ نے ویلور میں قدم رکھا تو انھیں یہاں کی فضا اس قدر ذہن، قلب اور روح کو متاثر کردی کہ آپ کی نوک قلم سے ویلور کی تعریف و توصیف اور حسن و جمال اور کمال واختصاص میں بے شمار اشعار نکل پڑے اور انہوں نے اس شہر کو دارلسرور کے خطاب سے نوازا۔ جو آج بھی ویلور کے ساتھ اس کا یہ وصفی نام دارالسرور لکھا جارہا ہے۔قربیؔ ویلور کی مدح سرائی میں رطب اللسان ہیں:

دارالسرور ویلور شہراں میں بادشاہ ہے   آرکاٹ اور چنجی اس دار کا گدا ہے
رونق میں اور صفا میں مثل اس کے شہر کہیں نیں   آئینہ کیا کنا اس کا اک جام جہاں نما ہے
مجمع ہے سالکاں کا مرجع ہے طالباں کا   مسکن ہے، عارفوں کا، سچ موطن ھدیٰ ہے
کرتے ہیں خودنمائی ہر کئیں بڑے فقیراں   کم تر فقیر، یاں کا بے شک خدانما ہے

اتنا ہے اس میں نقصاں کئی رافضی رہتے ہیں اس شہر باصفا میں اتنی بُری بلا ہے

(''انوارِ اقطابِ ویلور: ص ۱۷: ص ۱۷: مولف حافظ زکریا ادیبؔ خادر، رایچوٹی (آندھرا) شائع کردہ: انجمنِ دائرۃ المعارف دارالعلوم لطیفیہ۔ ویلور)

حضرت عبداللطیف بیجاپوری ۱۱۳۸ء میں ویلور فروکش ہوئے اور قلعۂ ویلور کی شمالی سمت میں سکونت پذیر ہوئے۔ اسی رات آپ کے خواب میں سید المرسلین حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا:

''اے نورِ عین، اسی جگہ قیام کرو۔ یہاں مسجد، یہاں مدرسہ اور یہاں خانقاہ تعمیر کرانا۔ تمہاری اولاد امجاد سے ہمیشہ اہلِ عالم کو فیض پہنچے گا۔ اور اس جگہ سے اسلام کو زیادہ فروغ حاصل ہوگا۔''

(انوارِ اقطابِ ویلور: ص: ۱۳: مولانا محمد طیب الدین اشرفی: ۱۹۶۳ء: قومی پریس بنگلور۔ ۲)

حضرت عبداللطیف بیجاپوری ، ۱۰، شعبان المعظم ۱۱۴۹ھ میں دارِ فانی سے کوچ کرگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ شہر ویلور کی جامع مسجد کے صحن میں آسودۂ خاک ہیں۔ آپ کی عمر اسی ۸۰ سال سے متجاوز تھی۔ بقول صاحب ضمیمۂ جواہر السلوک''

''عمر شریف دے از ہشتاد متجاوز بود، وفات ۱۰ شعبان المعظم ۱۱۴۹ھ مدفن در مسجد جامع ویلور۔''

(جواہر السلوک: ص: ۲۶۱) مزارِ شریف پر ایک خوب صورت گنبد موجود ہے۔ جس کے اوپر حضرت قربی کے پڑ پوتے حضرت مولانا رکن الدین کا تحریر کردہ یہ قطعہ درج ہے۔:

قبلہ و کعبہ جدِّ من سید شاہ عبداللطیف عرش پناہ

کردرحلت بگفت رکن الدین سالِ ترحیل غاب قطب الہٰ

مذکورہ قطعہ کے چوتھے مصرعہ کے الفاظ غابِ قطب الہ سے حضرت عبداللطیف کا سالِ وفات ۱۱۵۰ھ قرار پاتا ہے۔

غرض آپ کی تاریخ وفات میں بھی اختلاف ہے لیکن اس اختلاف کے رفع و تطبیق اور ترجیح کے لئے کوئی راجح قول نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت قربیؔ

حضرت قربیؔ کا اسم گرامی ابوالحسن ہے۔اور یہ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے والد ماجد حضرت عبداللطیف بیجاپوری نے نذر مانی تھی کہ اگران کولڑکا پیدا ہوجائے تو اپنے حقیقی نانا حضرت سید ابوالحسن (مصنفِ مخزن السلاسل) کا نام رکھیں گے۔چنانچہ جب قربیؔ کی ولادت ہوئی تو انھوں نے یہی نام تجویز کیا۔ (انوارِاقطابؒ ویلور:ص:۱۲)

حضرت قربیؔ کی ولادت دارالنور بیجاپور یمیں شب برات ۱۴،شعبان المعظم ۱۱۱۸ھ مطابق ۱۳، اکتوبر ۱۷۰۶ءکوہوئی۔بقول صاحب مطلع النور

سن تھا گیارہ سے اٹھارہ راجب	اور مبارک تھی وہ برأت کی سب
ہوا پیدا بشہر بیجاپور	کیا دارا لسرور اس کوغفور

(مثنوی ص:۲)

مولانا محمد حسینی بیجاپوری نے نتیجہ کریم الطرفین سے حضرت قربیؔ کی تاریخ ولادت کا استخراج کیا ہے جس سے ۱۱۱۸ء کی صراحت ہوتی ہے۔حضرت قربیؔ چار سال کے تھے کہ اپنے والد ماجد کے ہمراہ بیجاپور سے شاہ نور اور شاہ نور سے سرا اور سرا سے آرکاٹ اور آرکاٹ سے ویلور پہنچے اور اس وقت آپ کی عمر چودہ سال تھی۔

حضرت قربیؔ کی تعلیم مختلف شہروں میں سکونت اور سفر کے باعث باضابطہ نہ ہوسکی تاہم آپ کے والد ماجد،سفر کے دوران خود ہی آپ کو تعلیم دیا کرتے تھے۔جس کی وجہ سے آپ کے اندر اس قدر استعداد اور صلاحیت پیدا ہوگئی کہ دس سال کی عمر میں حضرت سعدی کی فارسی منظوم تصنیف 'بوستان' کی بڑی عمدہ تشریح فرماتے تھے۔

آرکاٹ میں حضرت قربیؔ چھ سال تک مقیم رہے۔اس زمانہ میں آپ نے حضرت مولانا محمد

حسین بیجاپوری سے شرف تلمذ حاصل کیا اور مختلف علوم وفنون اور فارسی ادب میں کمال اور بصیرت پیدا کر لیا حضرت قربؔی نے اس نعمت کا اعتراف کیا ہے کہ حضرت حسین کی تعلیم و تربیت اور صحبت و رفاقت کا نتیجہ اور ثمرہ تھا کہ میرے اندر قلیل مدت میں فارسی ادب کی کتابوں کے مطالعہ کی قوت اور استعداد پیدا ہو گئی اور میں زمین سے آسمان ہو گیا اور میرے اندر حصولِ علم کا ایک ایسا ذوق و شوق اور جذبہ و لگن پیدا ہوا جو احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ حضرت قربؔی کا مذکورہ بیان باقر آگاہ مدراسی نے اپنی فارسی تصنیف ''تحفۂ احسن'' میں بایں الفاظ نقل کیا ہے۔

''برکت صحبت ایشاں در من چنداں اثر کرد کہ گویا مرا ازیں عالم برداشتند و بعالم دیگر بردند و شوق تحصیلِ علم در من چنداں پیدا شد کہ از حیطۂ تحریر بیرون است۔ بالجملہ از برکتِ صحبتِ ایشاں در اقل مدت بر مطالعہ کتبِ فارسیہ قوتے و مہارتے پیدا شد۔''

(''تحفۂ احسن'' فی مناقب سید ابی الحسن'': مؤلف حضرت باقر آگاہ مدراسی: فارسی قلمی مخطوطہ: غیر مطبوعہ۔ مخزونۂ دار العلوم لطیفیہ۔ حضرت مکان ویلور)

مولانا محمد حسین بھی اپنے لائق و فائق سعید و نجیب شاگردِ رشید حضرت قربؔی سے غیر معمولی اُنس و محبت اور غایت درجہ شفقت فرماتے تھے اور بڑی رغبت وانہماک اور شوق و دل چسپی کے ساتھ درس دیتے تھے۔ اور انھیں بڑی دعائیں دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ''میں بیجاپور سے یہاں آرکاٹ پہنچا ہوں اور میری ساری عمر درس و تدریس میں گزری، لیکن حضرت قربؔی جیسا علم کا طالب، بااخلاق، باذوق باادب و ذہین و فطین اور شوقین شاگرد نہیں پایا۔'' جیسا کہ ''تحفۂ احسن'' میں مرقوم ہے۔:

''ایشانِ شفقت تام و رحمتِ تمام مرا درس می دادند و می فرمودند کہ از شہر بیجاپور تا ایں جا رسیدہ ام و ہمہ عمر من در تدریس صرف شدہ است اما شاگردے مثل شما صاحب فہم و فکرت و ذہن و جودت در حسنِ ادب شوق و طلب ندیدہ ام و در حق من بسیار دعا می کردند۔'' (تحفۂ احسن: قلمی نسخہ)

حضرت قربؔی نے مولانا محمد حسین کے علاوہ دیگر اہلِ علم سے اکتسابِ فیض کیا ہے، شیخ محمد فخر الدین مہکری نائطی بے خود اپنے وقت کے عارف باللہ فن تصوف کے ماہر اور فارسی زبان وادب کے مایہ ناز ادیب و شاعر تھے۔ حضرت قربؔی اپنے قیامِ آرکاٹ کے زمانہ میں ایک مرتبہ اپنے چچا حضرت مولانا سید

محمد علی قادری عرف دیوان صاحب سے ملنے کے لئے ویلور گئے اور چند دن ان کے ہاں اقامت پذیر تھے وہاں مختلف اہلِ علم حضرات کی زبانی حضرت بےخود ویلوری کی تعریف وتوصیف سنی تو مولانائے موصوف سے ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا۔ جب ان سے راہ ورسم قائم ہوئی تو ان کے اوصاف حسنہ اوران کے فضل و کمال اورعلم وہنر سے ان کے گرویدہ ہو گئے اوران کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

حضرت بےخود ویلوری سے حضرت قربی کے اکتساب علم کا ذکر مثنوی مطلع النور میں بھی مذکور ہے۔

اورتصوف میں چند کتاب لطیف　　　مولوی کی بھی مثنوی منیف

فخر دین عارف بلد سے پڑھا　　　جو خلیفہ تھا شیخ ساوی کا

(مثنوی مطلع النور: ص:٦)

حضرت بےخود ویلوری نے اپنے ایک شاگرد عبدالرؤف سے کہا: جانتے ہو میاں صاحب (قربی علیہ الرحمہ) سے مجھے اس قدر محبت والفت اور عقیدت کیوں ہے؟ شیخ عبدالرؤف نے عرض کیا: آپ ہی فرمایئے: حضرت بےخود نے فرمایا: حضورا کرم ﷺ کی روح مقدّسہ کا لحاظ کرتے ہوئے ان سے محبت کرتا ہوں۔"

ایک مرتبہ حضرت بےخود نے اپنی ایک مثنوی حضرت قربی کو دکھائی تو آپ نے فی البدیہہ یہ شعر کہہ دیا ہے۔

چوں شنید ایں سخن شوق فزا　　　عقل درگوش ضمیر من گفت

کز گل و لالۂ لفظ ومعنی　　　پیشگی تازہ بہارے بشگفت

شیخ نے سنا تو بےحد محظوظ ہوئے اور بول اٹھے کہ "مجھے میری کاوشوں کا صلہ مل گیا۔" اور پھر یہ دونوں شعر اپنی بیاض میں نقل کیا۔

حضرت بےخود حضرت قربی کی شعری وادبی صلاحیت واستعداد سے بےحد متاثر تھے جب بھی وہ کوئی موزوں شعر فرماتے تو پہلے حضرت قربی کو دکھلاتے اوراس کے بعد اپنے دیوان میں شامل فرماتے تھے۔ (تحفۂ احسن: قلمی مخطوطہ)

حضرت قربی نے عربی زبان وادب کی تعلیم حضرت مولانا محمد ساقی سے حاصل کی۔ چنانچہ اس

کے لئے ہفتہ میں تین دن آرکاٹ سے ویلور آجایا کرتے تھے۔ مولانا باقر آگاہ مدراسی کا بیان ہے کہ:

''حضرت قربؔی کی تعلیم ملاّ جامی تک ہی ہوی۔ لیکن انہوں نے اپنی ذاتی محنت و کاوش اور مطالعہ سے تھوڑی سی مدت میں عربی زبان پر اس قدر عبور حاصل کرلیا ''فتوحاتِ مکّیہ''، فصوص الحکم''، ''الانسان الکامل''، ''فتوح الغیب'' کے علاوہ ادبِ عربی کی اونچی اونچی کتابوں کا مطالعہ از خود کرنے لگے اور عربی میں انشاء پردازی شروع کی۔ یہاں تک کہ اس میدان میں ہم عصر علماء سے ممتاز ہوگئے۔''

(تحفۂ احسن: مولانا باقر آگاہ)

نواب غلام غوث خان اعظم تذکرہ گلزار اعظم'' میں فرماتے ہیں کہ: ''حضرت قربؔی عربی نثر بڑی فصیح اور بلیغ لکھتے تھے،''نثر عربی بکمالِ فصاحت و بلاغت تحریری نمود۔''

(تذکرہ گلزار اعظم: بحوالۂ خانوادہ اقطابِ ویلور: ص:۱۴)

پروفیسر فضل اللہ دیوانِ قربؔی کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں:

''چند خطبات جو آپ جمعہ میں پڑھا کرتے تھے اور ایک عربی دعا جو خاص آپ کی تصنیف تھی اسے خود آپ پڑھتے تھے اور اپنے مریدوں کو پڑھنے کی اجازت دیا کرتے تھے۔ (دیوانِ قربی: ص:۲۱)

تذکرہ نویسوں نے حضرت قربؔی کی عربی دانی اور اس میں تحریر و انشاء، خطباتِ جمعہ کی تصنیف و تدوین کا ذکر کیا ہے لیکن ان کے اقتباسات کسی نے نقل نہیں کیا ہے، ہنوز اس کے نمونے دستیاب نہیں ہوئے۔

حضرت قربؔی نے اپنے والد ماجد اور دوسرے نابغۂ روزگار علمی و دینی اور روحانی شخصیتوں سے علوم ظاہری اور علوم باطنی کی تکمیل کی۔ سلوک کی دنیا میں آپ کسی ایک ہی سالک کے صنم کدۂ سلوک میں کھوئے نہیں رہے۔ بلکہ متعدد اصحابِ علم و عرفان سے استفادہ فرمایا اور مختلف و متعدد سلاسل میں بیعت و خلافت اور اجازت حاصل کی اپنے اردو دیوان میں ایک جگہ اپنے والد کے مرشد اور مربی ہونے کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

ہے حقیقت میں پدر تیرا وہی مرشد یقیں تو ہو پیر و تمام اس کا تو فرزندِ رشید

(دیوانِ قربؔی: ص:۲۱)

حضرت قربیؔ کو ان کے والدِ ماجد نے سلسلۂ قادریہ اور دیگر سلاسل میں خلافت عطا کی جیسا کہ حضرت ذوقیؔ نے اپنی تصنیف "لطائف ذوقی" میں بیان کیا ہے۔

"الباس خرقۂ خلافت ایں سلسلۂ عالیہ یعنی قادریہ از پدر (حضرت عبداللطیف بیجاپوری) خود کردہ۔۔۔اے عزیز سلسلہ حضرت مرشد (قربیؔ علیہ الرحمہ) قادریہ است وخلافت سلاسل دیگرش نیز بودہ۔" (لطائف ذوقیؔ: ص: ۱۵۶، ۱۵۷: مخطوطہ)

حضرت قربیؔ کو ان کے عمِ محترم حضرت مولانا سید محمد علی قادری سے بھی خلافت حاصل تھی۔

"نیز الباس خرقۂ خلافت ایں سلسلۂ مذکورہ از عم خود سید محمد علی کردہ، واو شاہ ابوالحسن مذکورہ نمود۔"

(لطائف ذوقیؔ: ص: ۱۵۸)

حضرت قربیؔ نے اپنے والد ماجد کے ارشاد پر حضرت سید علی محمد قدس سرہٗ سے بھی استفادہ کیا اور بیعت وخلافت سے مشرف ہوئے۔ حضرت علی محمد حضرت شاہ محمد صبغۃ اللہ نائبِ رسول اللہ کے برادر زادے اور سید محمد قدس سرہٗ کے پوتے تھے۔ (حضرت قربی: ص: ۱۴: پروفیسر یوسف کوکن عمری مطبوعہ مدراس)

حضرت قربی نے اپنے استاذ حضرت شیخ فخر الدین مہکری سے بھی سلوک طے کیا۔ شیخ مہکری نے آپ کے اندر جوہرِ استعداد محسوس کیا تو آپ کو اپنے مرشد شیخ عبدالحق مخدوم ساوی کی خدمت میں بھیج دیا۔ جن کی بارگاہ میں پہنچ کر حضرت قربیؔ کی پرواز بلند ہوگئی۔ آپ حضرت مخدوم کے علوم و معارف کے امین اور ان کے تمام مریدین اور خلفاء میں ممتاز و منفرد شخصیت بن کر اُبھرے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ حضرت مخدوم نے آپ کو اپنی زندگی ہی میں لوگوں کو مرید بنانے کی اجازت دے دی۔ جیسا کہ علاّمہ باقر آگاہ مدراسی نے اپنی فارسی تصنیف "تحفۂ احسن" میں ذکر کیا ہے۔

"درہمہ مریدان آنحضرت" (مخدوم ساوی) حضرتِ ما (قربیؔ علیہ الرحمہ) در جمیع صفاتِ ظاہری و باطنی ممتاز و مستثنیٰ اند، وعلم و اسرار آنحضرت چنانچہ در یشاں تفصیل یافتہ وترقی کردہ در ہیچ یکے او مریدان آنحضرت نیافتہ گردد و در حیات آنحضرت قدس سرہٗ ن، نیز مردمان دیار را مریدی کروند۔

حضرت مخدوم ساوی اپنے مرید صادق حضرت قربیؔ کو بے پناہ عزیز اور حد درجہ محبوب رکھتے تھے اور جمیع ارادت مند حضرات اور خلفاء کے سامنے ان کی تعریف فرماتے تھے۔ ایک موقعہ پر فرمایا:

"میاں صاحب را صرف طلبِ خدا است ورائے ایں طلب، ہیچ مطلبئے و مقصدے ندارند و نمائش درویشانِ بالکل یافتہ نمی شود ہر طالب خدارا باید کہ وضع ایشان اختیار کند۔" (تحفۃ احسن: قلمی مخطوطہ)

میاں صاحب (قربی علیہ الرحمہ) کے اندر صرف خدا طلبی کا جذبہ موجود ہے اور ان کے اندر درویشوں کی نمائش مطلق نہیں ہے ہر سالک اور طالب کو ان کی روش اختیار کرنی چاہیے۔

حضرت قربی کو بھی اپنے مشفق و قدر دان استاد اور مرشد روحانی حضرت ساوی کے ساتھ انتہائی الفت و محبت تھی جس کا اظہار انھوں نے اپنے فارسی اور اردو دیوان میں متعدد مقامات پر کیا ہے: اردو دیوان میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

مخدوم کوں سچ توں معنی منے ہے سب او عین رسول ہے او تحقیق عین رب او

وحدت کے علم میں او ہے بایزید ثانی کہتا ہے عارفاں کوں ہر نکتہ منتخب او

یک آن میں بجھاتا ہے سرِّ علم و عرفاں افسوس ہے ہزاراں تجکو نہیں طلب او

حضرت قربی نے فارسی زبان میں بھی اپنے مرشد شیخ ساوی کی مدحت و منقبت میں ایک سو اشعار پر مشتمل ایک طویل پر زور قصیدہ بحر الاسرار کے نام سے لکھا ہے، جسے مولانا باقر آگاہ مدراسی نے اپنی تصنیف "تحفۂ احسن" میں نقل کیا ہے۔ اس کا مطلع اور مقطع یہ ہے۔

• ہر کرا آب قناعت نار فقر اندر سراست گر بخشکی و رتری باشد شہ بحر و براست

• فتنۂ یاجوج وصفاں راسدِ اسکندر راست ایں قصیدہ بحرِ اسرار است و آبیاتش صداست

حضرت قربی نے اپنے شیخ ساوی کے مرشد حضرت خواجہ رحمت اللہ نائبِ رسول للہ، رحمت آباد قدس سرہٗ (۱۱۰۵ھ۔۱۱۹۵ھ) سے بھی اکتساب فیض کیا اور ان سے چار سلاسل میں اجازت و خلافت حاصل کی اور اس کے علاوہ آپ نے قریباً چھبیس خانوادوں سے فیض حاصل کیا۔ جیسا کہ صاحب "مطلع النور" رقمطراز ہیں:

اور وہ خواجۂ بلند مقام رحمت اللہ لے گا جس کا نام

طرق اربعہ میں اے آگاہ اس کو بخشا اجازت و خرقہ

اور شیوخ کثیر سے کامل فیضِ باطن کیا تھا وہ حاصل

اور چھبیس خانوادوں سے　　　　بسکہ پہنچے تھے جو فیوض سے

(مثنوی مطلع النور،ص:۷)

غرض حضرت قربؔی نے متعدد آستانوں سے خرقہ خلافت زیب تن فرمایا۔ بقول حضرت ذوقؔی":

اور اخرقۂ خلافت از مشائخ متعددہ رسید۔" (انشاء ذوقؔی: قلمی مخطوطہ)

حضرت قربؔی علوم ظاہری اور علوم باطنی کی تکمیل کے بعد مسندِ ارشاد پر متمکن ہوئے اور لوگوں کی اصلاح و تعلیم اور تزکیہ و تطہیر، درس و تدریس کا کام وسیع پیمانہ پر شروع کیا اور ۱۱۷۹ھ میں قلعۂ ویلور کے شمالی حصہ میں ایک خانقاہ تعمیر کی۔ جس کے متعلق آگاہؔ اور حضرت ذوقؔی نے تاریخی رباعیات اور قطعات لکھا ہے حضرت آگاہؔ کا قطعہ ہے:

اے خانقاہ نو کہ دہد شرح صدور　　　　دل تازہ کند برنگ کعبہ زسرور

گفتند ملک بہ چرخ کاین قبۂ نور　　　　والطور و سنین لبیت المعمور

حضرت ذوقؔی کا شعر ملاحظہ ہو:

بجستم ز دل سال تاریخ آن را　　　　بگفتا ز ہی خانقاہ نشین

حضرت قربؔی کی یہ خانقاہ محض صوفیانہ سلوک کی تربیت گاہ نہ تھی بلکہ اس دور کے مزاج اور ماحول کی مناسبت سے قرآن و حدیث کی درس گاہ، علوم و فنون کا دار العلوم، مصالحِ عوام اور فقہی مسائل کے لئے دار الافتاء، دعوت و تبلیغ کے لئے افراد سازی کا قلعہ، زبان و ادب کی مجلس اور شعر و سخن کی بزم تھی۔ ویلور اور اس کے گرد و نواح میں جتنے بھی حضرات فارسی زبان کے فاضل ہوئے وہ سب حضرت قربؔی کے بلا واسطہ یا بالواسطہ شاگرد ہوئے۔ چنانچہ باقر آگاہؔ اپنی تصنیف تحفۂ احسن" میں لکھتے ہیں:

"اکثر مردمان تدرس نسخ متداولہ فارسیہ از حضرت ایشان حظ کامل و نفع شامل گرفتہ اند و دریں ملک ہر کہ ست از شاگردان ایشاں است یا شاگرد شاگران ایشاں۔"

حضرت قربؔی شاعری اور سخن شناسی میں یگانہ آفاق تھے۔ اردو اور فارسی زبان میں آپ کے ضخیم دیوان ہیں۔ آپ ادیبوں، شاعروں اور مصنفوں کی سرپرستی اور رہ نمائی فرماتے تھے اور ان کے کلام کی اصلاح پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ فرماتے تھے۔ حضرت آگاہؔ جب تک ویلور میں رہے اپنی شاعری کی

اصلاح ان ہی سے لیتے تھے۔ جب ترچناپلی میں سکونت اختیار کی تو ڈاک کے ذریعہ اپنا کلام حضرت قربی ی خدمت میں روانہ کرتے تھے اور اصلاح لیتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت باقر آگاہ نے قصیدہ بھیجا تو حضرت قربیؔ نے جواب دیا کہ قصیدہ کے بعض مقامات اصلاح طلب ہیں اگر آپ حاضر ہو جائیں تو نشان دہی کی جاسکتی ہے۔ ''بعض محال اصلاح طلب است اگر در حضوری بودند ظاہر کردہ می باشد۔'' حضرت باقر آگاہ نے بھی حضرت قربیؔ سے اپنی شاعری کی اصلاح سے متعلق اس شعر میں اعتراف کیا ہے۔

بود ہر بیت من آئینہ دار دیدۂ آگاہ! کہ بر وجہ حسن کسب سخن از ابوالحسن کردم

حضرت ذوقیؔ فرماتے ہیں: ''ماہر سخن کہ می گفتیم اول بسمع شریف آنحضرت (قربیؔ) می رسانیم بعد از ان داخل مجموعۂ اشعار می کردیم۔ (انشائے لطف اللّٰہی: مصنف علامہ ذوقیؔ علیہ الرحمہ: قلمی مخطوطہ)

ہم اپنا کلام حضرت قربیؔ کی نظروں سے گزارنے کے بعد ہی مجموعۂ اشعار میں شامل کرتے ہیں۔

حضرت قربیؔ کی علمی و ادبی صلاحیت اور فنی مہارت و بصیرت کا یہ عالم تھا کہ صرف آپ کے تلامذہ ہی نہیں بلکہ آپ کے اساتذہ بھی ایک مرتبہ اپنا کلام آپ کی نظر سے گزارنے کو پسند کرتے تھے۔ پروفیسر یوسف کوکن عمری لکھتے ہیں۔:

''شیخ فخر الدین (استاذِ حضرت قربیؔ) جب بھی کوئی غزل یا رباعی کہتے تو حضرت قربیؔ کو دکھانے کے بعد ہی اس کو اپنی بیاض میں داخل کرتے۔ اگر حضرت قربیؔ کی طرف سے کسی لفظ یا محاورے پر اعتراض ہوتا اور وہ اس کی جگہ پر کسی دوسرے لفظ یا محاورے کو تجویز کرتے تو شیخ فخر الدین بخوشی اس اصلاح کو قبول کرلیا کرتے تھے۔'' (حضرت قربیؔ: ص:۱۱)

حضرت قربی کے فیضِ تربیت سے بے شمار شعراء اور ادبا ابھرے۔ آپ کی شاعری کے فیضان سے متعلق پروفیسر سید فضل اللہ، ''دیوانِ قربیؔ'' کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں:

''ولی کے دیوان سے شمالی ہند میں اردو شاعری کی تحریک ہوی اور یہاں علاقۂ مدراس میں ان کے دیوان سے اردو شاعری کا آغاز ہوا۔ اس ادبی تحریک سے کئی دکنی شعراء آرکاٹ، ویلور، مدراس، ترچناپلی، مدورائے، ترناولی اور دیگر مقامات تنجاوُر، رام ناڈ، سیلم وغیرہ میں پیدا ہوئے اور اس طرح شعر و شاعری کے ذوق نے رفتہ رفتہ جنوبی ہند میں ہندوستان گیر اردو کو پھیلنے اور پھلنے کا موقعہ دیا۔ کیا یہ تعجب کا

مقام نہیں ہے کہ شمالی آرکاٹ جہاں تمام تر تامل زبان بولی جاتی ہے، وہاں کی آبادی کا تامل مادری زبان بولنے والا معتد بہ حصہ ایک سو سال کے اندر نہ صرف اردو بولنے لگا بلکہ کئی اردو کے شعراء بھی پیدا کئے۔ یہ تمام فیض حضرت قربیؔ ویلوری کا ہے۔ (دیوان قربیؔ: ص: ۳۳: مرتب سید فضل اللہ: مطبوعہ ۱۹۶۴ء: حیدرآباد)

حضرت قربیؔ سے جنوبی ہند میں اردو شاعری کے پھلنے پھولنے اور فروغ پانے کا ذکر ڈاکٹر افضل الدین اقبالؔ نے بھی اپنی تصنیف ''مدراس میں اردو کی نشونما'' میں کیا ہے۔

(مدراس میں اردو کی نشونما: ص: ۱۲۵: مصنف ڈاکٹر افضل الدین اقبال: حیدرآباد: مطبوعہ ۱۹۷۹ء)

حضرت قربیؔ کے ہاتھوں پر بے شمار لوگوں نے بیعت کی۔ آپ کثرت سے مسلمانوں کو اپنے حلقہ ارادت میں شامل کرتے تھے۔ آپ کا خیال تھا کہ مرید بنانے سے لوگوں کے قلب اور ضمیر پر ایک طرح کی گرہ اور پابندی لگ جاتی ہے اور وہ کم از کم غیر شرعی افعال اور بدعتی اعمال کے ارتکاب اور ان پر مداومت سے باز آجاتے ہیں اور حرام خوری، ریش تراشی، ترکِ نماز اور دیگر گناہوں سے پرہیز کرتے ہیں جیسا کہ باقر آگاہ مدراسی نے ''تحفۂ احسن'' میں بیان کیا ہے:

''بہ سبب ایں ارادت از ارتکاب افعال منہیہ والتزام خصال بدعتیہ چون ریش تراشیدن وحرام خوردن ونماز نا کردن ودیگر مفاسد باز مانند۔''

حضرت ذوقیؔ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''آپ (قربیؔ علیہ الرحمہ) عوام کے سامنے اسرارِ الٰہی کی گفتگو نہیں فرماتے تھے۔ کیوں کہ ان حقائق کا اظہار ان کے لئے گمراہی وحیرانی کا سبب ہوتا ہے اور اہل علم کو بھی ان کے حوصلہ اور استعداد کے مطابق اسرار وحقائق کی تعلیم اس طرح دیتے ہیں کہ ان کے دل ودماغ میں پوری طرح اتر جاتی۔''

(لطائف لطیفی: فارسی مخطوطہ: مصنف حضرت ذوقیؔ ویلوری: مخزونہ کتب خانہ دارالعلوم لطیفیہ: ویلور)

حضرت قربیؔ کے مریدوں اور خلفاء کی فہرست بڑی طویل ہے۔ آپ کے خلفاء میں دو تین افراد علم وادب کی دنیا میں آفتاب ومہتاب بن کر چمکے۔ ایک آپ کے صاحب زادے حضرت ذوقیؔ دوسرے حضرت باقر آگاہ، تیسرے شاہ ابوتراب ترابیؔ۔ مولانا باقر آگاہؔ نے ''تحفۂ احسن'' میں بعض مریدین کا مختصر ترین تعارف پیش کیا ہے۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

۱۔شیخ حبیب اللہ: یہ حضرت آگاہ کے حقیقی چچا تھے۔حضرت قربیؔ کے مریدین میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔آپ فارسی کے بہترین فاضل اور استاد تھے۔ویلور اور اس کے اطراف واکناف میں بہت سارے تعلیم یافتہ اشخاص آپ ہی کے شاگرد تھے۔

۲۔خان عبدالحی: جونواب انورالدین خان والی ریاستِ کرناٹک کے نواسے تھے۔کتاب و سنت کے بڑے پابند تھے موصوف کو تفسیر اور حدیث سے بڑا گہرا شغف اور درک حاصل تھا۔آپ کی صحبت سے بے شمار لوگوں نے علمی وروحانی فیض حاصل کیا۔

۳۔مرزا شاہ نیاز خان: جوخواجہ بہاء الدین نقشبندی کی اولاد امجاد سے تھے۔پہلے حضرت شیخ مخدوم عبدالحق ساوی کے مرید ہوئے۔اس کے بعد حضرت قربیؔ کے دامن سے وابستہ ہوگئے۔

۴۔شاہ ابوتراب: صوفی خاندان کے فرد تھے۔قربیؔ علیہ الرحمہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد ان کے اندر روحانی کیفیات میں زیادہ ترقی کرگئیں۔اچھے شاعر بھی تھے۔

حضرت قربیؔ کے مریدین میں حضرت ذوقیؔ وحضرت آگاہ کے بعد شاہ ابوتراب کو علمی دنیا میں بڑی قدر ومنزلت حاصل ہوئی اور آپ کے کلام کی شہرت ہند سے باہر بھی پہنچ گئی۔چنانچہ آپ کا اردو دیوان، ڈاکٹر سلطانہ بخش صاحبہ کے وقیع مقدمہ کے ساتھ انجمن ترقیٔ اردو، کراچی، پاکستان سے ۱۹۸۶ء میں منظر عام پر آچکا ہے۔شاہ ترابؔ نے اپنے دیوان میں بعض مقامات پر اپنے مرشد ابوالحسن قربیؔ کا ذکر بھی کیا ہے۔یہ دوشعر ملاحظہ ہو:

- ترابؔ عاشق ابرو کمانے ہوا قربان یعنی ابوالحسن کے
- یارسول اللہ بحقِ بوتراب بوالحسن رکھ مجھے سرشار ودیوانہ مئے وحدت تی

(دیوان تراب: ص:۴۰۱۔۴۱۰ مطبوعہ ۱۹۸۲ء کراچی)

حضرت قربیؔ کے علم وفضل، اخلاق وعادات اور سیرت وشخصیت سے متعلق حضرت باقر آگاہ نے ''تحفۂ احسن'' میں بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔یہاں ان ہی کے بیان کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے۔جو شہادتِ عینی کی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت قربیؔ کی سخاوت اور داد دہش کا یہ عالم تھا کہ کوئی بھی سائل آپ کے دروازے سے خالی

ہاتھ نہیں لوٹا۔ آپ حلیم الطبع اور سلیم الفطرت تھے۔ کبھی کسی شخص پر سوائے امورِ شریعت کی خلاف ورزی کے خشم آلود نہیں ہوے۔ مزاج میں حد درجہ تواضع اور انکساری تھی۔ لوگ آپ سے ملنے آجاتے تو ان کے لئے تواضعاًللہ کھڑے ہوجاتے تھے۔ اوران کے دل جوئی کی خاطر نشاط انگیز گفتگو فرماتے۔ اگر کسی شخص سے غلطی سرزد ہوتی تو چشم پوشی فرماتے اور نظر انداز کرتے۔ خلوت ہو جلوت کبھی کسی کی عیب چینی نہیں کرتے تھے۔ آپ کے اندر ظاہری نمائش اور نام ونمود کا نام ونشان نہ تھا۔ طبیعت میں بڑی خودداری تھی اور استغنا کا عالم یہ تھا کہ کبھی کسی امیر اور دولت مند کے دروازے پر حاضر نہیں ہوئے اور نہ ہی کسی شخص سے کسی چیز کے طالب اور امیدوار رہے۔ ہر حال میں اللہ کی ذات پر توکّل کرتے تھے۔ ایک مرتبہ نواب ولاجاہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گراں قدر رقم پیش کی تو آپ نے شکریہ کے ساتھ واپس کردیا اور فرمایا:

شاہی وملک شاہی قربؔی جوے نسنجد　　　در ملک فقر دستے بالاست بوریا

امر بالمعروف ونہی عن المنکر ، حق گوئی و بے باکی، عدل و انصاف اور رعایا پروری یہ تمام کام آپ کے معمولات میں تھے۔ آپ کی مجلس میں عموماً علم شریعت اور اسرار ومعرفت کا ذکر رہتا۔ اگر کوئی شخص دنیاوی گفتگو شروع کرتا تو اس کے دل بستگی کے خاطر سن لیتے پھر بڑی عمدگی کے ساتھ بات کا رخ موڑ دیتے تھے۔ صاحبِ ترتیب تھے۔ صرف ایک مرتبہ ۱۱۶۵ھ میں بخار کی شدت سے بے ہوش ہوگئے تھے جس کی وجہ سے نماز عصر اور مغرب قضا ہوگئی اور مرض الموت کے ایام میں اشارہ سے نماز ادا فرماتے تھے۔ مختصر یہ کہ حضرت قربؔی خلق نبوی کا پیکر اور جامع تھے۔'' (تحفۂ احسن: قلمی)

حضرت قربؔی کی سیرت کا ایک ممتاز پہلو جو صبر وضبط اور تقدیرِ الٰہی پر رضا اور استقامت سے متعلق ہے۔ حضرت ذوقؔی نے اس طرح بیان کیا ہے:

''پندرہ شعبان جمعہ کے روز عین نماز جمعہ کے وقت فقیر کے چھوٹے بھائی سید علی محمد قادری فوت ہوگئے۔ اس وقت حضرت قبلہ (قربی علیہ الرحمہ) مسجدِ غلام رسول آرکاٹ میں جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے۔ لوگ دوڑتے ہوئے مسجد پہنچے اور صحن میں حضرت کے روبرو کھڑے ہوکر بے چینی کے عالم میں آپ کی طرف دیکھنے لگے۔ حضرت قبلہ نے اپنی فراست سے بیمار بھائی کے حادثہ کو جان لیا۔ لیکن آپ کے قلب میں اضطراب پیدا نہیں ہوا۔ اور خطبہ دینے میں ذرہ بھی تفادت اور تجاوز نہیں کیا۔ خطبہ مکمل کرنے کے بعد

نماز پڑھائی اور دعا سے فارغ ہونے کے بعد صحن میں تشریف لائے تو فقیر روتے ہوئے تیزی کے ساتھ آپ کی طرف لپکا۔ فرمانے لگے:

''چرامی گریئد خدائے تعالیٰ بندہ خودرا در حضرتِ خود طلبید پس آزردن ماچہ محل دارد، کیوں روتے ہو۔ اللہ نے اپنے بندہ کو اپنے حضور طلب کرلیا ہے۔ اس میں رنجیدہ اور آزردہ ہونے کی بات کیا ہے، صبر وضبط سے کام لو۔''

(گہرہائے صدف: ص:۱۵: مترجم مولوی حافظ بشیر الحق: مطبوعہ ۱۹۹۹ء، اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن۔ ویلور)

حضرت قربیؔ نے اپنے چچیرے چچا سید محمد علی قادری معروف بہ دیوان صاحب کی صاحب زادی امتہ الوکیل عرف ماں صاحبہ سے نکاح کیا۔ جن کے بطن سے دو صاحب زادے اور چار صاحب زادیاں تولد ہوئیں۔ ایک صاحب زادے سید علی محمد عرف بڑے صاحب اور دوسرے صاحب زادے حضرت سید عبداللطیف ذوقیؔ ہیں۔ امتہ الوکیل ۴، رمضان ۱۱۷۵ھ کو دوشنبہ کے روز دنیا سے رخصت ہوگئیں۔ بڑے صاحب زادے حضرت سید علی محمد کا تب دق میں ۱۵، شعبان کو جمعہ کے دن انتقال ہوا۔ آپ کی تین صاحب زادیوں کے نام یہ ہیں: ساجدہ بیگم عرف بیگم صاحبہ، سید جمیلہ، سیدہ عائشہ

(انوار قطابِ ویلور: ص:۳۵)

حضرت قربیؔ کے وصال کی تاریخ میں تذکرہ نویسوں کا اختلاف ہے۔ آپ کے صاحب زادے حضرت ذوقیؔ ''انشاء عقائدِ ذوقیؔ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''وفات او در بلدۂ ایلور در سنِ یک ہزار و یک صد و ہشاد و سہ شب بستم رمضان المبارک شب پنجشنبہ، پس عمر او شصت و ہفت سال باشد۔'' حضرت قربیؔ کی وفات ۲۰، رمضان ۱۱۸۳ھ شب پنجشنبہ ہوی۔ محمد مہدی واصف مدراسی نے ''حدیقۃ المرام'' میں شاہ ابوالحسن کے عنوان سے حضرت قربیؔ کا مختصر تعارف پیش کیا ہے۔ جس میں سنِ وصال ۱۱۹۴ھ درج کیا ہے۔

(حدیقۃ المرام (علمائے مدراس): ص:۵۰: مصنف مہدی واصف مدراسی: مترجم: سخاوت مرزا، بی، اے، یل یل بی، عثمانیہ: مطبوعہ ۱۹۷۹: انجمن ترقی اردو: بابائے اردو روڈ کراچی: پاکستان)

مولانا باقر آگاہ نے اپنی تصنیف ''تحفۂ احسن'' میں لکھا ہے کہ حضرت قربیؔ نے ۲۰، رمضان ۱۱۸۲ھ کو ویلور میں انتقال فرمایا۔ آگاہ کے قطعۂ تاریخ وفات سے ۱۱۸۲ھ نکلتا ہے۔

بوالحسن آنکہ ازنمِ فیضش　　　چمنِ دیں چوں باغ خلد بشگفت

فکرِ تاریخ رحلتش کردم   غاب قطب البلاد   ھاتف گفت   ۸۲ ھ   ۱۱

صاحب ''ضمیمۂ جواھر السلوک رقم طراز ہیں: ''وفات شب بیستم ۲۰، رمضان ۱۱۸۳ھ و تاریخ وفات وے از مولوی محمد باقر آگاہ غاب قطب البلاد است۔ دریں تاریخ یک عدد کم است (ضمیمۂ جواہر السلوک: ص: ۲۶۲: سید محمد قادری) ضمیمہ جواہر السلوک کے مصنف نے حضرت ذوقی کی تاریخ وفات ۱۱۸۳ھ قرار دیتے ہوئے باقر آگاہ کے قطعہ تاریخ وفات سے متعلق یہ صراحت کردی ہے کہ ان کی تاریخ میں ایک عدد کم ہے۔

حضرت قربی کی مزار پران کے پڑپوتے حضرت سید عبداللطیف المعروف قطب ویلور نے گنبد تعمیر فرمائی اس گنبد پر حضرت باقر آگاہ کا درجِ ذیل قطعۂ تاریخ وفات کندہ ہے۔ غالباً حضرت قطب ویلور ہی نے اپنی نگرانی میں یہ کتبہ چسپاں کروایا ہوگا۔ باقر آگاہ کا قطعہ تحریر کروانا بالفاظ دیگر اسی قطعۂ تاریخ وفات کو ترجیح دینا ہے۔ جو آج بھی درگاہِ شریف کی دیوار میں پیوست ہے۔

رکن دین شاہ ابوالحسن قربی   پیشوائے مقربانِ الٰہی

چوں کہ دریافت قرب حق سالش   غاب قطب البلاد گفت آگاہ   ۸۲ ھ   ۱۱

اور یہی تاریخ وفات جناب افسر صدیقی نے بھی تعلیقات حدیقۃ المرام میں درج کی ہے۔ (تعلیقات: ص: ۹۱: انجمن ترقی اردو: پاکستان مطبوعہ: ۱۹۷۹ء) اور اکثر تذکرہ نویسیوں نے بھی یہی نقل کیا ہے۔ لہذا اسی کو قولِ راجح قرار دیا جاسکتا ہے۔

حضرت قربی نے مختلف علوم وفنون کے اندر عربی، فارسی اور اردو میں کتابیں لکھی ہیں۔ حضرت ذوقی فرماتے ہیں: ''او رضی اللہ عنہ تصانیف بسیار است در علم عقائد وتصوف وفقہ ورد ملاحدہ کان جامعاً بین الشریعۃ والحقیقۃ ودافعاً علی جثیات اہل الالحاد والزندقۃ'' (انشاء عقائد ذوقی: قلمی نسخہ)

یعنی حضرت قربی کی بہت ساری کتابیں عقائد، تصوف اور فقہ کے موضوع پر ہیں اور انھوں نے ملاحدہ اور زنادقہ کی تردید میں بھی بہت کچھ لکھا ہے، اور آپ کی تصانیف شریعت وحقیقت کی جامع ہیں۔

عربی میں آپ کی کسی مستقل تصنیف کا سراغ اب تک نہیں لگا ہے۔ ''تحفۂ احسن میں صرف چند خطباتِ جمعہ کا ذکر موجود ہے۔ ''چند خطبہائے جمعہ در عربی انشا کردہ اند۔''

عربی زبان میں آپ کی کسی تصنیف نہ ہونا اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ آپ عربی زبان پر قدرت نہیں رکھتے تھے بلکہ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ قربیؔ علیہ الرحمہ نے تصنیف و تالیف کے لئے عربی کے بجائے ہندوستان کی سرکاری زبان فارسی اور عوامی زبان دکھنی کو ترجیح دی ہو، ورنہ جہاں تک آپ کی عربی دانی کا سوال ہے تمام تذکرہ نویسیوں نے عربی ادب میں آپ کی قدرت اور ملکہ کا اعتراف کیا ہے۔''

برانشاء عبارت عربیہ قوت تمام دارند فصا ر فی اقل الازمان ممتاذابین الاماثل والا قران

(تحفۂ احسن: قلمی مخطوطہ)

حضرت قربیؔ کو عربی انشاء پردازی پر کافی قوت اور دسترس حاصل تھی اور وہ اس معاملہ میں اپنے ہم عصروں میں ممتاز اور منفرد تھے۔

مولانا عبدالحیٔ بنگلوری لکھتے ہیں:

عربی نثر خوب لکھتا تھا اس میں قدرت بڑی تھی اس کو عطا

چند خطبے جو وہ لکھا ہے نیک تو فصاحت و بلاغت اس کی دیک

(مثنویٔ مطلع النور: ص:۷)

نواب محمد غوث خان بہادر متخلص بہ اعظم کا بیان ہے: ''نیز عربی بکمال فصاحت و بلاغت تحریر نمود۔'' عربی زبان میں حضرت قربیؔ کی تحریریں فصیح اور بلیغ ہوا کرتی تھیں۔

(تذکرہ گلزار اعظم: بحوالہ اللطیف: سلور جوبلی نمبر: ص:۴۰)

حضرت قربیؔ کی زیادہ تر تصنیفات فارسی زبان میں ہیں اور ان میں اکثر کتابوں کا موضوع تصوف ہے۔ آپ کی تصانیف سے کماحقہٗ استفادہ کے لئے علوم شرعیہ اور فارسی ادب سے واقف ہونے کے علاوہ فن تصوف کی اصطلاحات سے جانکاری بھی نہایت ضروری ہے۔ کیوں کہ آپ کی کوئی کتاب بھی ایسی نہیں ہے جس میں آپ نے علم تصوف کی اصطلاحات اور صوفیانہ افکار و آراء کا استعمال نہ کیا ہو۔ حتیٰ کہ آپ کی منظوم تصنیفات بھی اسی مزاج اور منہاج سے ہم آہنگ ہیں۔

حضرت قربیؔ کی تصنیفات کی صحیح تعداد کا پتہ نہیں لگ سکا ہے۔ چند قلمی مخطوعات اور کتابیں حیدرآباد کے مختلف کتب خانوں، کتب خانۂ آصفیہ، کتب خانہ شرقی سالار جنگ، اسٹیٹ لائبریری وغیرہ

میں پائی گئی ہیں بعض ریسرچ اسکالروں کے بیانات ہیں کہ دیوانِ قربیؔ کے مخطوطات لندن

(کاوش بدری: تامل ناڈو میں اردو کی ادبی تاریخ: ماخوذ از رسالہ' آج کل' نئی دہلی: جولائی: ۷۷ء: تامل ناڈو نمبر)

اور پاکستان (افسر صدیقی: تعلیقات حدیقہ المرام: مطبوعہ ۱۹۷۹ء: انجمن ترقی اردو۔ پاکستان) میں موجود ہیں۔

حضرت قربی کی کتابوں کا مختصر جائزہ اور تبصرہ ذیل میں پیش کر رہے ہیں:

۱۔ میزان العقائد

یہ کتاب ۱۲۷۴ھ میں باہتمام سید شاہ عبدالقادر ویلوری مطبع قادری سے شائع ہوی ہے۔

حضرت قربیؔ نے اس کتاب کو نو فصول میں تقسیم کیا ہے۔ اور تصنیف کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ اس کے ذریعہ مسلمانوں کو صحیح اور غلط عقائد کے درمیان فرق و امتیاز اور دین کے اہم اور بنیادی مسائل سے واقف کیا جائے۔ اور کامل اور ناقص مرشد کی شناخت سے آگاہ کیا جائے۔ اس کتاب میں اسلام میں پیدا ہونے والے مختلف فرقوں جیسے دہریہ، مجوسیہ، ثنویہ، معتزلہ، شیعہ، حلولیہ، ملاحدہ، مشبّہ اور فسطائیہ وغیرہ کے گمراہ کن عقائد کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ پھر مختلف دلائل اور براہین کے ذریعہ ان کا ابطال کیا گیا ہے۔ اور اسی کے ساتھ اہلِ سنت و جماعت کے عقائد کی حقانیت اور صحت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

اسلام میں جن فرقوں نے لاتدرکہ الابصار کی آیت سے رویت باری تعالیٰ کی نفی پر استدلال کیا ہے اس کے متعلق ایک جگہ فرماتے ہیں: "ادراک دیگر است و رویت دیگر، و عدم ادراک موجبِ عدم رویت آن نیست دیدن و دیدن بے احاطہ کردن واقع است مثلاً دریا را یا آسمان را بینم بے احاطہ کردن آن"

(میزان العقائد: ص: ۲۰: حضرت قربیؔ ویلوری: مطبوعہ: ۱۲۷۴ھ: مطبع قادری: ویلور)

ادراک اور چیز ہے اور رویت اور چیز ہے۔ کسی شئے کا ادراک نہ ہونا اس شئے کے نہ دیکھنے کا سبب نہیں ہے۔ اس لئے کہ ادراک کے معنی شئے کی حقیقت تک پہنچنا اور اس پر احاطہ کرنا ہے۔ اور رویت کے معنی ہیں دیکھنا اور دیکھنا بغیر احاطہ کے ہوسکتا ہے جیسے دریا یا آسمان کو بغیر احاطہ کے دیکھ سکتے ہیں۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں۔ "نیز عبادتِ حق سبحانہٗ فرض است، و عبادت بلا عرفانِ معبود بکار نمی آید۔ پس عرفان معبود فرض شد تا عبادت صحیح شود زیرا کہ معرفت اصل است عبادت فروع و فرع بے اصل چہ کار آید" (میزان العقائد: ص: ۳۵: حضرت قربیؔ ویلوری: مطبوعہ ۱۲۷۴ھ: مطبع قادری: ویلور) اللہ تعالیٰ کی عبادت

فرض ہے اور معبود کا عرفان حاصل کئے بغیر عبادت مفید نہیں ہے لہذا اللہ کی معرفت حاصل کرنا فرض ہے تا کہ عبادت صحیح ہو۔ کیوں کہ معرفت اصل ہے۔ اور عبادت فرع اور فرع اصل کے بغیر کیا کام دے گی۔

۲۔ **خلاصۃ العرفان**: جب کسی بندۂ مومن کو صحیح عرفانِ الٰہی حاصل ہو جائے تو وہ اپنی زندگی کے ہر موڑ پر اللہ کے قضا و قدر اور اس کی مشیت و فیصلہ سے خوشنود اور مطمئن ہو جاتا ہے۔ اس حقیقت کو حضرت مصنف نے اس طرح بیان کیا ہے صرف ترجمہ ملاحظہ کیجئے:

اے عزیز! کس لئے تو دوسروں کے نام کی چیزیں حرص وطمع سے طلب کر رہا ہے اور اپنے نام کی چیزوں کی حفاظت کے لئے متفکر اور پریشان رہتا ہے۔ ایک جہاں کے لوگ مل کر بھی تیرے نام اور تیرے مقدّر کی کسی چیز کو چھین نہیں سکتے اور نہ ہی دوسرے کی چیز تجھے پہنچا سکتے ہیں۔ ہر چیز کی کامیابی اس کے وقت کے ساتھ ہی مربوط ہے۔ جب وہ وقت آجائے گا تو خود بخود فائز المرام ہو جاؤ گے اور ہر ایک شخص کو اس کا حصہ پہنچنا ہی ہے۔ اگر چہ کہ وہ پہاڑ کے دامن ہی میں کیوں نہ رہتا ہو۔ دنیا میں لوگ رنج وغم اور فکر و پریشانی میں مبتلا رہنے کی وجہ بس یہی ہے کہ ہر چیز وقت سے پہلے چاہتے ہیں اور اپنے حصہ اور مقسوم سے زیادہ چاہتے ہیں، (خلاصۃ العرفان: ص: ۱۶۶، ۱۶۷: حضرت قربؔی ویلوری)

۳۔ **لب السلوک**: یہ رسالہ سلوک کا لب لباب ہے۔ فرماتے ہیں: ”مرید کو چاہئے کہ بقدر ضرورت عقائد اور فقہ کا علم سیکھے اور قول وعمل اور عقیدہ و اخلاق میں شریعت مطہرہ کے تابع رہے اور عقل کی پیروی نہ کرے۔ کیونکہ اکثر فرقوں کی گمراہی وضلالت کا سبب قرآن وحدیث کے بجائے عقل کی پیروی و اتباع ہے۔ مرشدِ کامل کے ہاتھ پر بیعت کرے اور بزرگوں کی صحبت اختیار کرے کیوں کہ صحبت و ہم نشینی آدمی کی طبیعت میں بہت جلد اثر کرتی ہے۔ اولیاء اللہ کو اپنے اوپر قیاس نہ کرے فقراء و مساکین اور اہل اللہ وعوام کی خدمت خلوصِ قلب کے ساتھ کرے، اور ہمیشہ حق بات کی پیروی کرے اور ہمیشہ اپنی نظر اپنے عیبوں پر رکھے اور اپنی ذات کو دوسروں سے بہتر نہ سمجھے اور اپنی طاقت کے مطابق دعوت و اصلاح کا کام انجام دیتا رہے۔ (لب السلوک: ص: ۱۵۲: حضرت قربؔی ویلوری)

حضرت قربؔی نے مریدین کے لئے جو نصیحت نامہ مرتب کیا ہے وہ دراصل ساری ملت کے لئے ضروری ہے۔

٤۔ رسالۂ اثبات وجود حقیقی: اس رسالہ میں آپ نے واجب الوجود اور ممکن الوجود کی بحث کو سوال و جواب کے پیرایہ میں پیش کیا ہے۔ اور جن صوفیہ نے وجود کی تقسیم بطورِ حقیقت و مجاز کی ہے اس کی تردید کرتے ہوئے مدلل طریقہ سے جملہ موجودات کے وجود کو حقیقی وجود ثابت کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کا وجود اور موجودات کا وجود حقیقی ہے۔ اس لئے کہ ہم واقع اور نفس الامر میں موجود ہیں اور یہ وہم و خیال اور تصور نہیں ہے لہذا حقیقی وجود کا انکار کرنا حس اور مشاہدہ کے انکار کی طرح ہے۔''

(رسالۂ اثباتِ وجودِ حقیقی: ص:۲۹،۳۰:)

٥۔ حق المعرفه: یہ ایک مختصر رسالہ ہے۔ جس میں آپ نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک خاص معرفت ہے جو سینہ بہ سینہ حضور اکرم ﷺ سے لے کر اس دور کے اولیاء اللہ اور صلحا تک پہنچی ہے۔ اس کا حصول عالمِ باعمل و صوفیٔ کامل کی بیعت پر موقوف ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔:

''اسرار و حقائق کا علم حضرات کاملین ہی سے حاصل ہوسکتا ہے۔ علم رسمی، مجاہداتِ شاقہ اور خارق عادات امور سے یہ معرفت حاصل نہیں ہوسکتی یا غلام تو خذ العلم من افواہ الرجال لا من الصحائف والدفاتر: حقیقی علم اللہ والوں کے منہ سے لیا جاتا ہے۔ اور یہ کتابوں اور صحیفوں سے حاصل نہیں ہوسکتا۔''

(رسالۂ اثباتِ وجودِ حقیقی: ص:۲۹،۳۰)

٦۔ کیمیائے سعادت: اس رسالہ میں سالک اور طالب کے لئے چند انمول ہدایات بیان کی گئی ہیں۔ جو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''انسان کی تخلیق اور پیدائش اسی لئے ہوتی ہے کہ وہ اپنے خالق کی معرفت حاصل کرے اور معرفت حاصل کرنے کی جگہ یہی دنیا ہے اور جو شخص معرفتِ خداوندی سے نا آشنا رہا وہ دنیا میں اندھا اور آخرت میں بھی اندھا ہے۔ من کان فی هذه الاعمی فهو فی الأخرة اعمیٰ۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کے لئے ریاضات شاقہ کی مصیبت جھیلنا اور کھانے پینے سونے اور بیوی بچوں سے کنارہ کش ہونا اور کسبِ معاش سے دست کش ہونا اور سامان عیش و آرام کو ترک کرنا ضروری نہیں ہے۔

سالک کو چاہئے کہ مشیخت اور عزت کے غرور میں مبتلا نہ ہو جائے۔ حصولِ معرفت کے لئے جس صاحبِ علم کی بھی صحبت ملے اختیار کرے تا کہ مراد حاصل ہو جائے۔" (کیمیائے سعادت: ص:۷۴،۷۵)

۷۔ رسالۂ وجدان: اس رسالہ میں آپ نے وجدان کی حقیقت پر روشنی ڈالی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ ذی استعداد لوگوں کو اولیاء اور صلحاء کے ذریعہ ظاہری نعمتیں اور باطنی اسرار و معارف پہنچاتا ہے۔ اور ہر ولی اپنے دور میں اس زمانہ کی مصلحت کے مطابق ان نعمتوں کے پہنچانے میں مصروف عمل ہے۔ اور اسرار کا عرفان اور حقیقتِ وجدان کا حصول توفیقِ الٰہی اور مرشدِ کامل کی توجہ پر مبنی ہے۔

"من بجویم زین سپس راہِ اثیر پیر جویم پیر جویم پیر پیر

(رسالۂ وجدان: ص:۸۶،۸۷)

۸۔ رسالۂ برھان قاطع دربیانِ توحید جامع: اس رسالہ میں آپ نے عبد اور معبود کے درمیان عینیت اور غیریت کی نسبت سے متعلق بحث کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"یآ ایھا الذین امنو ا" کی تفسیر میں ایمان اول مجتہدین کا قرار دادہ ہے۔ اور دونوں کا اجتماع ہی کمالِ دین ہے۔ (رسالۂ برہان قاطع دربیان توحیدِ جامع: ص:۴۹)

۹۔ رسالۂ تحفۃ الذاکرین: اس رسالہ میں آپ نے مختلف اذکار و اشغال مثلاً ذکرِ جلی، ذکرِ خفی، ذکرِ قلبی، ذکرِ روحی، ذکرِ سری، ذکرِ سلطان الاذکار، شغل نماز، شغل روح وغیرہ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ ذکر کے یہ تمام طریقے مرشد سے سیکھے۔ (رسالۂ تحفۃ الذاکرین: ص:۶۹،۷۰)

۱۰۔ رسالۂ حق الحق: یہ رسالہ سوال و جواب کے پیرایہ میں لکھا گیا ہے۔ اس میں آپ نے کشفِ مطلق اور کشفِ مقید سے متعلق بحث کی ہے اور اس کے متعلق جو شکوک و شبھات پائے جاتے ہیں ان کی تردید کی ہے۔ اور مسکت جوابات دیا ہے اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ ان دونوں میں مقصود بالذات، کشفِ مطلق ہے اور اسی کا دوسرا نام کشفِ الٰہی ہے۔

۱۱۔ رسالۂ عین العیان: اس رسالہ میں مراتب وصول الی اللہ کی تین اقسام بتاتے ہوئے ہر ایک پر صوفیانہ نقطۂ نظر سے مفصل اور مدلل بحث کی ہے۔

۱۲۔ رسالۂ جمع الجمع: اس رسالہ میں آپ نے مسئلہ عینیت اور غیریت کو قرآن اور حدیث، اور صوفیا کے اقوال کی روشنی میں سمجھایا ہے اور لکھا ہے کہ عبد اور معبود کے درمیان عینیت کس معنی میں ہے اور غیرت کس معنی میں ہے۔ اور مسائل تصوف کو صحیح معنوں میں سمجھنے کے لئے ان حضرات کی جانب رجوع ہونا چاہئے جو اس علم کی اصطلاحات سے پوری طرح واقف ہیں:

اصطلاحات ایست مر ابدال را   کہ نباشد زان خبر اقوال را

۱۳۔ رسالۂ تجدد امثال: اس رسالہ میں کتاب وسنت کی روشنی میں مسئلہ تجدد امثال پر روشنی ڈالی گئی ہے اور تجدد امثال کے لغوی و اصطلاحی معانی اور اقسام پر بحث کرتے ہوئے مختلف صوفیہ کے اقوال کو پیش کیا ہے اور آخر میں اپنا موقف بھی واضح کیا ہے۔

۱۴۔ رسالۂ دلیل محکم: صوفیائے کرام کی اصطلاح میں بندۂ مومن جب اپنی صفات کو فنا کر کے حق کی صفات سے متصف ہو جاتا ہے تو اس مقام اور منزل کو قربِ نوافل اور منزلِ لاہوت وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

حضرت مصنف نے اسی فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے مقام سے بحث کی ہے۔ اور یہ صراحت کی ہے کہ فنا اور بقا سے مراد گمان اور جہل کا دور کرنا اور علم و معرفت کا حاصل کرنا ہے۔

۱۵۔ رسالۂ حلال درحل مسئلہ عینیت و غیریت: اس رسالہ میں بھی عینیت اور غیریت کے مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"ایں رسالہ ہست مسمّیٰ حلال درحل مسئلہ عینیت وغیریت راراہبر شود وحلّال مشکلات گردد۔"

(رسالہ حلّال درحل مسئلہ عینیت وغیریت: ص:۱۹۲)

۱۶۔ رسالۂ توفیق: اس رسالہ میں مسئلہ عینیت اور غیریت پر بحث کرتے ہوئے شیخ عبدالحق محدّث دہلوی کے قول اور تمام صوفیہ کے قول کے درمیان تطبیق دی ہے۔

۱۷۔ منہج التحقیق فی افضلیت الصدیقؓ: اس رسالہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت اور آپ کی افضلیت کو مدلل طریقے سے پیش کیا ہے۔

۱۸۔ رسالۂ دلائل المنیقة فی ردِّ مذهب شیعة الشنیعه: شیعہ کے

عقائد کو بیان کرتے ہوئے مدلل طریقہ سے ان کی تردید کی ہے۔

۱۹۔ رسالۂ مظہر کُل: مظہر سے متعلق فرماتے ھیں:

''ہر مظہر ایک آئینہ ہے جس میں ربِّ تعالیٰ کی تجلّیات کا عکس نمایاں ہے اور حضور اکرم ﷺ مظہرِ حق ہیں اور ساری مخلوق حضور اکرم ﷺ کے واسطہ سے حق تعالیٰ کی مظہر ہے۔'' (رسالۂ مظہر کل: ص:۱۹۰)

۲۰۔ دلیل محکم فی توحید الاقوام: اس رسالہ میں یہ حقیقت بیان کی ہے کہ بندہ ربّ تعالیٰ کا عین کس اعتبار سے ہے اور ربّ تعالی بندہ کا عین کس اعتبار سے ہے۔ نہ ربّ تعالیٰ بندہ ہوا اور نہ بندہ رب ہوا۔ رسالہ کے آخر میں بندے کے فاعلِ مختار ہونے پر صوفیہ کے اقوال کی روشنی میں مفصل بحث کی ہے اور اس مسئلہ میں اپنا نظریہ بھی پیش کیا ہے کہ بندے کے ساتھ اختیار کا ثبوت اور بندے سے اختیار کا سلب یہی موقف صحیح ہے۔

میانہ رہ صراطِ مستقیم است　　　ز ہر دو جانبش قعرِ جحیم است

۲۱۔ رسالۂ اسم الله: اسم اللہ کی تفسیر ایک انوکھے اور عجیب انداز میں کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

''انسانی چہرہ، اسمِ محمد، جنین، حیوان، پرندے اور انسان اپنے مجموعِ اعضاء کے ساتھ اسم اللہ ہیں۔ جب سالک موجودات کو اسم اللہ دیکھتا ہے تو اس کی نظر میں ساری چیزیں سوائے اللہ کے نہیں ہوتی ہیں۔'' (رسالۂ اسم اللہ)

۲۲۔ تقویۃ الایقان: اس رسالہ کا موضوع باقر آگاہ نے ''تحفۂ احسن'' میں عقائد بیان کیا ہے۔

۲۳: رد ملحدان و مبتدعان: رسالہ کے نام ہی سے موضوع کی نشان دہی ہو رہی ہے۔ تحفۂ احسن میں صرف نام درج ہے۔ آگاہ نے کوئی بحث نہیں کی ہے۔ یہ رسالہ نایاب ہے۔

۲۴۔ رسالۂ ظھور ذات و مراتب آن: یہ رسالہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد میں موجود ہے۔ اس کا موضوع بھی تصوّف ہے۔ رسالہ کی کتابت میں یکسانیت نہیں ہے۔ خط بھی شکستہ ہے۔ رسالہ کا آغاز اس طرح ہے۔

''بعد از ثناء ہور صفت خدائے تعالیٰ کے ہور درود و سلام محمد مصطفیٰ ﷺ۔ اے بھائی، بوج تو ن

کہ معرفت اللہ تعالیٰ کی تین روش پر ہے۔ پہلے معرفت مطلق عام، دوسرے معرفت مقید عام تیسرے معرفت مطلق خاص۔''

اس رسالہ کا ذکر ڈاکٹر افضل الدین اقبالؔ حیدرآبادی نے اپنی کتاب ''مدراس میں اردو ادب کی نشونما'' میں کیا ہے۔ اور صراحت کی ہے کہ یہ رسالہ اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد میں محفوظ ہے۔

(تصوف مشتملات: مخطوطہ: نمبر: ۳۹۲)

حضرت قربیؔ نے فارسی اور اردو دونوں میں **شاعری** کی ہے۔ آپ ایک فطری شاعر تھے اور آپ کی شاعری صوفیانہ حقائق و معارف سے لبریز ہے۔ حضرت ذوقیؔ انشائے لطف اللہی'' میں لکھتے ہیں:

''حضرت ما در سخن شناس یگانۂ آفاق بودند و آنحضرت را دو دیوان است یکے فارسی دیکے دکنی مشہور است۔'' یعنی ہمارے استاد (قربیؔ علیہ الرحمہ) فن شاعری میں یگانہ عصر تھے۔ آپ کے دو دیوان ہیں۔ ایک فارسی دیوان دوسرا اردو دیوان۔ (فارسی قلمی مخطوطہ مخزونہ کتب خانہ لطیفیہ، ویلور)

حضرت قربیؔ کا فارسی دیوان نایاب ہے۔ آپ کی فارسی شاعری کا کچھ حصہ مختلف تذکروں، تحفۂ احسن'' انشائے لطف اللہی''، ''تذکرہ صبح وطن'' اور آپ کی اولاد امجاد کے قلمی نسخوں اور بیاضوں میں محفوظ ہے۔ فارسی شاعری میں آپ کی ایک مستقل تصنیف ''بحر الاسرار'' ہے جو ایک سو اشعار پر مشتمل ہے۔ یہ ایک قصیدہ ہے جو آپ نے شیخ ساوی کی منقبت میں لکھا ہے۔ یہ پورا قصیدہ پروفیسر کوکن نے اپنے اردو رسالہ ''حضرت قربیؔ'' میں ''تحفۂ احسن'' سے نقل کیا ہے۔ جس کا مطلع اور مقطع یہ ہے:

ہر کرا آب قناعت نار فقر اندر سراست گر بخشکی ور تری باشد شد بحر و بر ست

قربیؔ از درگاہِ تو دارد مراداتِ کثیر جملہ از لطف عطا کن اے کہ لطفت مراست

(حضرت قربیؔ: ص: ۱۷ تا ۲۴: پروفیسر کوکن عمری)

اردو شاعری میں حضرت قربیؔ کی جن تصنیفات کا سراغ لگ سکا ہے ان میں ایک دیوان اور پانچ کتابیں ہیں۔ اردو دیوان آپ نے اپنی زندگی میں ۱۱۵۱ھ مطابق ۱۷۴۰ء میں مرتب کیا ہے۔

یہ دیوان حمد اور نعت سے شروع ہو کر دعا اور مناجات پر ختم ہو رہا ہے۔ اس میں ۸۸ غزلیات اور ۱۹۷۶ ابیات ہیں۔ ترتیب ردیف وار ہے۔ اس کے متعدد نسخے موجود ہیں۔ ایک قلمی نسخۂ کتب خانہ سالار

جنگ حیدرآباد میں موجود ہے۔ (نمبر کتاب ۷۴: فن کلیات، دواوین وقصائد) اور ایک مخطوطہ انجمن ترقیٔ اردو پاکستان میں موجود ہے۔ جس کا ذکر جناب افسر صدیقی نے ''حدیقۃ المرام'' کے آخری حصہ تعلیقات میں کیا ہے۔ (حدیقۃ المرام: (تذکرۂ علمائے مدراس) تحشیہ جناب افسر صدیقی: ص: ۹۱: مطبوعہ ۱۹۷۹ء: بابائے اردو روڈ، کراچی، انجمن ترقی اردو، پاکستان)

پروفیسر سید فضل اللہ نے آپ کا دیوان ایک مبسوط اور جامع مقدمہ کے ساتھ ۱۹۶۴ء میں حیدرآباد سے شائع کیا ہے۔ پروفیسر موصوف نے اپنے پاس موجود دیوان اور کتب خانہ مشرقی سالار جنگ حیدرآباد کے نسخہ (نمبر داخلہ ۵۵۰: نمبر کتاب ۷۴: فن کلیات ودواوین وقصائد اردو) سے حضرت قربیؔ کے دیوان کا متن تیار کیا ہے۔ (مقدمۂ دیوانِ قربیؔ: ص: ۳۰: مرتبہ پروفیسر سید فضل اللہ)

دیوانِ قربیؔ سے متعلق حضرت باقرؔ آگاہ نے ان بلند الفاظ میں اپنی رائے ظاہر کی ہے:

''یک دیوان است کہ بسیارے از حقائق ومعارف دران درج کردہ و مع ذلک محتوی علی انواع البلاغۃ والصنائع و مشتمل علی اصناف الفصاحۃ والبدائع''۔

(''تحفۂ احسن''، قلمی مخطوطہ)

یعنی حضرت قربیؔ کا ایک اردو دیوان ہے۔ جس میں حقائق ومعارف کا ایک جہاں آباد ہے اور وہ بلاغت وصنائع کی اقسام سے بھرپور ہے اور فصاحت وبدائع کی اصناف پر مشتمل ہے۔

حضرت قربیؔ کی اردو شاعری کی لسانی، تاریخی، فنی اور ادبی حیثیت اور عظمت ایک مسلم حقیقت ہے اور تاریخ ادب اردو اس قدیم العصر شاعر کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ آپ ہی کی ذاتِ گرامی سے علاقۂ مدراس میں شعر وسخن کا ایک دبستان وجود میں آیا اور صوبۂ تمل ناڈو میں اردو شاعری کا ذوق پروان چڑھا اور یہ نوخیز زبان پھلی اور پھولی اور ایک حسین روپ اور ایک جمیل پیکر اختیار کی۔ حضرت قربیؔ کا کلام آج سے ڈھائی سو سال پہلے کی زبان اور ادب کا محافظ ہے۔ جس میں قدیم دکنی لفظوں، پرانے محاوروں اور صرف و نحو کی ترکیبوں کا ایسا غیر معمولی سرمایہ ہے جس کے مطالعہ کی اہمیت اور افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت قربیؔ نے اپنی شاعری میں فن تصوف کی اصطلاحات اور اس کے اہم و بنیادی مسائل کو دل نشین پیرایہ میں پیش کیا ہے۔ آپ کے علاوہ دیگر شعراء مثلاً میرؔ، سوداؔ، اور غالبؔ نے بھی اپنی شاعری میں

تصوف بیان کیا ہے۔ لیکن ان کا تصوف نظری حیثیت کا حامل ہے۔ عملی حیثیت سے ان کی زندگیوں میں تصوف داخل نہیں رہا۔ جس کا اعتراف خود مرزا غالبؔ نے کھلے دل سے کیا ہے۔

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالبؔ تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

اس کے برخلاف حضرت قربؔی کی زندگی اور شاعری دونوں میں مطابقت ہے۔ اور آپ نظری اور عملی دونوں حیثیت سے تصوف میں رنگے ہوئے ہیں اور آپکے پاس تصوف من حیث الفن ہے اور یہی آپ کی شاعری کا امتیازی وصف ہے۔ جو اردو کے دیگر شعرائے کرام میں خال خال ہی پایا جاتا ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف اکثر تذکرہ نویسوں نے کیا ہے کہ حضرت قربؔی کے قول و عمل میں تضاد نہیں ہے۔ آپ کا صوفیانہ کلام آپ کی عملی زندگی کا آئینہ دار ہے۔ ڈاکٹر نجم الہدیٰ نے خواجہ میر دردؔ اور حضرت قربؔی کا تقابل کراتے ہوئے لکھا ہے،

یہ دونوں صوفی حضرات کی زندگی اور شاعری میں ہم آہنگی ہے اور دونوں حضرات کی عملی زندگی اور کلام متصوفانہ میں سرمو فرق نہ تھا۔ (تصوف اور کلام قربؔی: ص:۴۱: پروفیسر نجم الہدیٰ: مطبوعہ ۱۹۸۴: پٹنہ: بہار)

نواب غوث خان بہادر متخلص بہ اعظم ''تذکرہ گلزار اعظم'' میں لکھتے ہیں:

''آپ (حضرت قربؔی) نے اپنے دیوان میں جابجا حسن و عشق کی حقیقت، اہمیت اور اس کے منازل و مراحل بیان کئے ہیں۔ کیوں کہ تصوف کا اصلی خمیر عشقِ حقیقی ہے۔'' (سخنوران ویلور: ص:۱۷، ۱۸ ڈاکٹر مظفر شہ میری مطبوعہ ۱۹۸۹ء)

ڈاکٹر احتشام الحق ندوی لکھتے ہیں۔ ''حضرت قربؔی کی زندگی کا اثر آپ کی شاعری پر پوری طرح عکس فگن ہے۔ آپ نے اپنے اردو دیوان میں اپنے عارفانہ تجربات، ذات باری تعالیٰ سے عشق و محبت، وحدت الوجود، اس کے لئے سوزِ دروں اور تڑپ، وصال کی تمنا، اس کی رحمتوں کے خزانے اس کی عظمتوں کے جلوے، اس کی شانِ جبروت و جلال، اس کی محبت و شفقت کے نظارے اور اس کی وحدت کے مشاہدے آپ کی شاعری کی روح اور کمالِ فن کا سرمایہ اور اسی سے آپ اپنی شاعری کا تانہ بانہ تیار کرتے ہیں۔ (تذکرۂ گلزار اعظم: بحوالۂ سخنوران ویلور: ص ۱۷: مرتبہ ڈاکٹر مظفر شہ میری: مطبوعہ ۱۹۸۹ء: اسلامیہ کالج وانمباڑی)

حضرت قربؔی وحدت الوجود کے قائل تھے۔ اور آپ نے اس نظریہ کی تشریح نثری تصانیف کے

اندر بھی کی ہے اور اپنے دیوان میں بھی متعدد مقامات پر اس مسئلہ کو دل نشین انداز میں پیش کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

• خدا نما جو ہوا میں تو کچھ نہیں ہے عجب — کہ ہر ذرّہ ہے جہاں میں خدا نما اے دوست
• نہیں ہے غیر حق موجود جگ میں — تجلّی اس کی سارا انجمن ہے
• خلق میں ہر ٹھار ہے، حق کا ظہور — ہر ذرے میں ربّنا تیرا ہے ظہور
• ظہورِ دوست ہے کیا خار و کیا گل — وہی ہے کیا چمن ہے کیا دمن ہے

(دیوان قربیؔ: ص:۳۲)

حضرت قربیؔ کو ذاتِ باری تعالیٰ سے غیر معمولی اور والہانہ عشق تھا۔ جس کے لطیف جذبات اور لطیف احساسات سارے دیوان پر اثر انداز ہیں:

صورتِ لفظ و عبارات و معانی اندر — جلوہ گر تو نچھ ہوا ہے مرے دیوان میں آ
سخت پردہ ہے گمان دیدۂ دل پر قربیؔ — دیکھ دیکھ یار کا ہر جا، رہ ایقان میں آ

(دیوان قربیؔ: ص:۴۳)

حضرت قربیؔ کے دیوان میں بعض مقامات پر تعلّی کے اشعار بھی ملتے ہیں۔ تعلّی و تفوق شاعر کا جائز حق تسلیم کیا گیا ہے۔ اس قسم کے اشعار حضرت قربیؔ کی زاہدانہ و صوفیانہ شخصیت کو مجروح نہیں کر سکتے۔ تعلّی کے یہ شعر ملاحظہ ہو:

• رندی و عشق کام میرا ہے — دردِ شراب مدام میرا ہے
جام و مئے لوح پر تو ساقی — عاشقانہ کلام میرا ہے
غیر میں جگ میں اوج ہے ظاہر — طالباں کوں پیام میرا ہے
یار کی نہ کی راہ میں خوبی — عزّت واحترام میرا ہے

• اے محرم خدائی یک ذرہ غور کر دیک — نکتے بھرے ہیں یہ کہ قربیؔ کے ہر سخن میں
سخنِ قدیم مغان کا کیا ہے قربیؔ نقل — گرچہ خلق کنے ہے نوا نوا اے دوست

(دیوانِ قربی: ص:۸۹،۸۸،۸۳)

حضرت قربیؔ کے دیوان میں بعض اشعار ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو خالص عشقیہ رنگ لئے

ہوئے ہیں۔ جن سے ان کی شاعری کے جمالیاتی پہلو بھی نمایاں ہو جاتے ہیں۔

• آنچل نکال رُخ پوتے اے ماہِ مہر تاب — خورشید سے یو رخ پہ تیرے خوش نہیں نقاب

• عشاق کا مقام خراباتِ عشق ہے — زاہد ہے اپنے زہد و خرافات میں خراب

• تجھ لب کی چاشنی کی نیں شکر لذیذ — نیں تجھ بچن کی شہد نمن شہد تر لذیذ

معشوق کے پرم تی کیا پائے گا مزہ — عاشق کے کام جان ہے لذت اگر لذیذ

• دلبر سوں نام لینا سب نام سوں اولیٰ — اس نام کو رکھیا ہوں دل بیچ اپنے لولا

• یاقوت تیرے لب کا ہے لعل بدخشانی — دندان کو جلا اوپر الماس ہے قربانی

• تجھ مکھ کی ملاحت سوں تجھ لب کی فصاحت سوں — حیرت میں سدا گم ہیں صد دلبر کنعانی

(دیوانِ قربی: ص: ۴۶، ۴۷، ۸۸، ۸۶، ۶۹)

اردو زبان میں ایک دیوان کے علاوہ قربیؔ علیہ الرحمہ کی چار مثنویاں بھی ہیں جس کا ذکر آگاہ نے "تحفۂ احسن" میں کیا ہے۔ "حضرت ما اشعار بزبانِ دکنی نیز فرمودہ اند و ایشاں را ہم دریں زبان چہار مثنوی است۔" (تحفۂ احسن: قلمی)

۱۔ معراج نامہ

حضرت قربیؔ کا غیر مطبوعہ معراج نامہ اردو کے قدیم معراج ناموں میں سے ایک ہے اور اس کا ماخذ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب "معارج النبوۃ" ہے۔ یہ قلمی مخطوطہ ۲۷ ابواب اور ۱۴۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کے جملہ اشعار ڈیڑھ ہزار سے زائد ہیں۔ اس قلمی نسخہ کا آغاز حمد سے اور اختتام نعت پر ہو رہا ہے۔

سرانا خدا کو سزاوار ہے — کہ ہر ذرہ اس کا نمودار ہے

ہر ایک ذرہ رکھتا ہے اس کا اثر — ہے دال اس کی صفات ذات پر

کیا ختم میں ذکر معراج کا — بنام محمد نبی مصطفیٰؐ

معراج نامہ کا ایک نسخہ اسٹیٹ لائبریری (مخطوطہ نمبر ۱۸۰) حیدر آباد میں محفوظ ہے۔

۲۔ بدعت نامہ و ہدایت نامہ

حضرت قربیؒ نے شاعری سے بھی دعوت وتبلیغ ، رشد و ہدایت اور اصلاح خلق کا کام لیا چنانچہ آپ کے عہد میں بدعات وخرافات کا بازار گرم ہونے لگا اور مسلمانوں کا معاشرہ کتاب وسنت کی گرفت سے آزاد ہونے لگا تو آپ نے شاعری کے ذریعہ بھی تجدید واحیائے سنت کا فریضہ انجام دیا اور اس سلسلہ میں دو معرکتہ الآراء مثنویاں لکھیں۔ ایک بدعت نامہ جو تین سو چوسٹھ ۳۶۴ شعر پر مشتمل ہے اور دوسری ہدایت نامہ جو اکاسی ۸۱ شعر پر مشتمل ہے۔ یہ دونوں مثنویاں شائع ہو چکی ہیں۔ ان کا ایک نسخہ کتب خانہ دارالعلوم لطیفیہ میں موجود ہے۔ (بدعت نامہ وہدایت نامہ: مطبوعہ: ۱۳۰۵ھ)

۳۔ نمک نامہ: حضرت قربیؔ کا نمک نامہ مجموعۂ رسائلِ قربیؔ کے آخر میں شامل ہے اور یہ کہ ۱۶۱ اکسٹھ اشعار پر مشتمل ہے۔ اور مثنوی میں صوفیانہ رنگ غالب ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہو:

ثنا کی نمک سوں کیا میں شروع ۔۔۔ کہ ہووہ نمک خواہ کا یہاں رجوع
اول ہی نمک اسمِ مطلق پہچان ۔۔۔ کہ او راز طالب کو کرتا بیان
زماں و زمیں فعل اللہ کا ۔۔۔ مکان و مکیں فعل اللہ کا
فنا کر کو اس ذات میں سب ذوات ۔۔۔ او سب سوں گزر جا ہوا عین ذات
کیا ختم میں یو نمک کا کلام ۔۔۔ بحقِ محمد علیہ السلام

(مجموعۂ رسائل قربیؔ: ص: ۹۷۔ ۱۹۸۔ ۲۰۰ مترجم مولانا محمد طیب اشرفی: مطبوعہ: دارالتصنیف ولاشاعت: ویلور)

پروفیسر یوسف کوکن عمری نے اپنی کتاب ''حضرت قربی'' میں آپ کی تصنیفات کی فہرست درج کی ہے اس میں ایک رسالہ ''رحیما'' کا ذکر بھی کیا ہے۔ جس کے پہلے دو شعر نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت قربیؔ نے یہ رسالہ حضرت سعدی کی ''کریما'' کے طرز پر لکھا تھا:

رحیما بالطاف رحمت فزا ۔۔۔ زدام خودی وہ رہائی مرا
نطمع تقضایم شہ مات تو ۔۔۔ پناہے نداریم جز ذات تو

(حضرت قربی: ص: ۴۹: پروفیسر محمد یوسف کوکن عمری: ریڈر شعبۂ اردو، عربی، فارسی، مدراس یونیورسٹی: ۱۹۶۱ء)

حاصل کلام!

حضرت قربیؔ متعدد اوصاف و کمالات کے مالک تھے۔ فارسی خدمات کے لحاظ سے آپ کی شخصیت اس علاقہ مین مینارۂ نور جیسی ہے۔ جس کی ضیاء پاش کرنوں سے یہاں کا ذرّہ ذرّہ ماہِ تاباں بن گیا اور جب بھی اس دیار میں فارسی شعروادب کی بات ہوگی تو آپ کے ذکر کے بغیر وہ ادھوری اور نامکمل رہے گی۔

اردو زبان وادب میں آپ کے دیوان کو وہ عظمت و رفعت اور قدامت حاصل ہے کہ اسی کی بدولت یہاں اردو شاعری کی فروغ اور عروج نصیب ہوا۔

سلوک وتصوف کی دنیا میں آپ کی جلیل القدر خدمات، ناقابل فراموش ہیں۔ آپ کی ذاتِ گرامی سے ہزاروں انسان تزکیۂ نفس وتطہیر قلب کی نعمت سے بہرہ ور ہوئے۔ شرک و بدعت کی بیخ کنی اور احیائے سنت کے دشوار ترین محاذ پر آپ کو دیکھیں تو یہاں بھی آپ طاغوتی قوتوں سے برسرِ پیکار نظر آتے ہیں۔ آپ کا لائق ستائش اور قابلِ تقلید کارنامہ یہ رہا کہ آپ نے علمی و دینی اصلاحی جدوجہد کو دوام اور استمرار بخشنے کے لئے افراد واشخاص کی تربیت فرمائی۔ جس کی وجہ سے ٹمل ناڈو میں ایک مکتبہ فکر وجود میں آیا۔ جسے بعد میں آپ کی اولاد اور خلفاء نے سارے جنوب میں پھیلایا۔

حضرت قربیؔ کا دور ہندوستانی کی اسلامی تاریخ کے بابِ اصلاح وتجدید میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے جس میں شمالی ہند کے اندر بھی اصلاح ودعوت کی لہر چلنے لگی اور حضرت قربیؔ کے معاصر مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ذاتِ گرامی سے وہاں بھی ایک مکتبۂ فکر وجود میں آیا جسے بعد میں ان کی باتوفیق اولاد امجاد اور اولوالعزم خلفا نے پورے شمال میں پھیلا دیا۔ جنوبی ہند میں حضرت قربیؔ کے علاوہ ایک اور عالمِ دین حضرت مولانا شہیر کڈپوی (۱۰۸۲ھ۔۱۱۸۶ھ) کی ذاتِ گرامی سے بھی ایک دودمانِ عالی شان کی بنیاد پڑی۔ جس کی اولاد امجاد کے ذریعہ علمی و دینی خدمات کا سلسلہ چل پڑا۔ اس خاندان کی خدمات بھی لائق اعتناء ہیں۔۔

حضرت غلام محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری ذوقی

حضرت غلام محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری ذوقیؔ ، اس خانوادہ کی تیسری ممتاز و معروف اور علمی و ادبی شخصیت ہے۔ آپ حضرت قربیؔ کے صاحب زادے ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۱۵۱ھ م ۱۷۳۷ء کو ویلور میں ہوی۔ آپ کا سنِ پیدائش 'رخشاں' سے برآمد ہوتا ہے۔ (خانوادۂ قربیؔ کی اردو خدمات: ص:۳۰۶: ڈاکٹر ام شہلا: مدراس، سن تحریر: ۱۹۸۹ء: غیر مطبوعہ: مقالہ برائے ڈگری آف ڈاکٹر آف فلاسفی)

حضرت ذوقیؔ نے اپنے والدِ ماجد حضرت قربیؔ، حضرت مولانا محمد عظیم الدین اور حضرت مولانا حافظ غلام حسین سے تعلیم حاصل کی انتہائی قلیل مدت میں معقول و منقول اور فروع و اصول کی کتابوں پر عبور اور تبحر حاصل کیا۔

نواب محمد غوث خان اعظم: تذکرہ گلزار اعظم'' میں رقم طراز ہیں:

''در اوائل حال کتب فارسیہ بخدمتِ والد ماجد خود گذرانیدن و بعد پیش عظیم الدین دامادِ جعفر تمامی نسخ صرف و نحو رسائل علم معقول و منقول بسند رسانید در اندک مدت از جودتِ طبع رسا و ذہن وقاد بر مطالعہ جملہ کتبِ معتبرہ معقول و منقول و فروع و اصول قدرت عظیمہ و ملکہ تامہ ساخت۔''

(تذکرۂ گلزار اعظم: ص:۱۹۱: مولف نواب محمد غوث خان اعظم: مطبوعہ: ۱۲۷۲ھ: مطبع سرکاری مدراس)

حضرت ذوقیؔ کی ابتدائی تعلیم ان کے والد ماجد حضرت قربیؔ کے پاس ہوی اور اس کے بعد انھوں نے مولانا عظیم الدین سے شرف تلمذ حاصل کیا اور اپنی غیر معمولی ذہانت اور فطانت کے باعث قلیل مدت میں معقول و منقول اور فروع و اصول کی جملہ اونچی اونچی کتابوں کے مطالعہ پر کامل قدرت اور ملکہ پیدا کر لیا۔

حضرت ذوقیؔ نے اپنی فارسی تصنیف ''انشائے لطف الٰہی'' میں اپنی خود نوشت سوانح حیات بیان کی ہے جس کے مطالعہ سے بھی ان کے بعض احوال و کوائف نمایاں ہوتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

فقیر اپنی عمر کے چھ سال تک حرف آشنا نہیں تھا۔ میری تعلیم کی ابتداء عمر کے نویں سال سے ہوئی اور میں نے اسی زمانہ میں شعر کہنا شروع کیا۔ فقیر کی زبان سے جو اولین مصرعہ صادر ہوا وہ یہ تھا:

در کعبۂ دل صاحب مقبول در آمد

والدِ ماجد نے یہ ثانی مصرعہ موزوں فرمایا: اور غزل تیار ہوی جو میری پہلی غزل تھی:

صد شکر کہ آن دولت مامول در آمد

فقیر کو اسی زمانہ میں بے حساب اشعار یاد ہو گئے۔ بیت گوئی اور کسی بھی بحث میں دس دس آدمی بھی مل کر فقیر کو مات نہیں کر سکتے تھے۔ اسی سال فقیر اور والد ماجد اور فقیر کے برادرِ محترم سید علی محمد حضرت ناصر صاحب کی ملاقات کے لئے گئے اور آپ نے مجھے اپنے روبرو بٹھالیا۔ فقیر نے دعا کی درخواست کی۔ اور عرض کیا کہ یہ کم ترین علم کی زیادتی کا امیدوار اور طالب ہے۔ ارشاد فرمایا: آپ علم میں تمام سے فائق اور سر بلند ہو جائیں گے۔ حالاں کہ اس وقت فقیر کو علم وفن سے کوئی تعلق اور لگاؤ نہ تھا اور میرے بعض رفقاء مختلف علوم وفنون کی کتب متداولہ پڑھ چکے تھے اور جب میری عمر پندرہ سال ہوی تو کشتی اور تیر اندازی کے فنون سیکھنے میں مشغول ہو گیا اور یہ سال اسی ذوق وشوق کی نذر ہو گیا اور جب سترھواں سال شروع ہوا تو مولانا حافظ غلام حسین کی خدمت میں جا پہنچا اور آپ سے عربی زبان کی تعلیم شروع کیا اور آپ کے پاس میری تعلیم صرف مصباح تک ہو سکی۔ پھر درس وتدریس کا یہ سلسلہ منقطع ہو گیا اور اس کے بعد فارسی ادب کی کتابیں پڑھنے کا ذوق وشوق دل میں اُبھرا۔ ان ہی دنوں ایک شب خواب میں دیکھا کوئی صاحب فقیر سے کہہ رہے ہیں کہ حضرت شیخ نظامی گنجوی سے ملاقات کیجئے۔ فقیر نے کہا: شیخ کہاں ہیں؟ کہا! فلاں خیمہ میں تشریف فرما ہیں۔ فقیر خیمہ کی جانب چل پڑا اور اندر داخل ہوا تو شیخ کو موجود پایا۔ آپ کا چہرۂ مبارک آفتاب کے مثل روشن تھا۔ قدم بوسی کا شرف حاصل کرتے ہوئے آپ کے روبرو بیٹھ گیا۔ آپ میری جانب دیکھ کر مسکرانے لگے تو دفعتاً میرے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ آپ ہی سے ''شرف نامہ'' کا درس لیا جائے اور مشکل اشعار کی تشریح نہ پوچھی جائے۔

اسی اثناء میں میری آنکھیں کھل گئیں۔ اور صبح ہونے کے بعد میں نے اپنے والد ماجد سے یہ خواب بیان کیا۔ تو فرمایا: تم ''شرف نامہ'' پڑھنا شروع کر دو۔ چنانچہ اس کے بعد فقیر ''شرف نامہ'' شروع

کردیا اور شیخ کے روحانی تصرف اور اعانت کی برکت سے ہر روز ایک سو اشعار سے زیادہ سبق لیا کرتا تھا۔

اس واقعہ کے بعد چند ہی دنوں کے اندر ''سکندر نامہ''، ''خسرو شیریں''، ''مخزن الاسرار''، قران السعدین''، ''تحفۃ العراقین''، قصائدِ خاقانی'' پڑھ لیا اور بفضلہٖ تعالیٰ ایک سال کی مدت میں فارسی ادب کی کتب متداولہ پر عبور حاصل ہو گیا۔

اس کے بعد دوبارہ عربی زبان وادب اور دیگر علوم وفنون کی جانب مشغول ہوا اور استادِ محترم مولانا محمد عظیم الدین سے استفادہ کیا۔ آپ کے پاس نحو میں ''شرحِ ملاّ جامیؔ'' اور منطق میں قطبی تک تعلیم ہوی۔ تعلیم و تدریس کا یہ سلسلہ بس اسی قدر اور اسی حد تک رہا لیکن آپ کی صحبت کے باعث عربی زبان وادب پر غیر معمولی ملکہ حاصل ہوا جو احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ فارسی اور عربی ادب اور دیگر علوم وفنون کی تحصیل و تکمیل بائیس سال کی عمر میں ہو گئی اور اس زمانہ میں فقیر کے قلم سے چار کتابیں ''خمسہ'' معرض وجود میں آئیں۔

فقیر کو علم وفن کی دولت اور فضل وکمال کی نعمت اور استنباط کی قوت اور تحریر کی صلاحیت منجانب اللہ عنایت ہوی۔ اور اس باب میں کسب وریاضت اور ظاہری مواد کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ **الحمد للہ علیٰ ذالک** (گہر ہائے صدف: ص: ۱۳، ۱۴: مترجم مولوی بشیر الحق: ۱۹۸۹ء)

اسی زمانے میں فقیر کو ''فصوص الحکم'' دستیاب ہوئی اس کا مطالعہ کیا تو مجھ پر اس کے معانی مطالب اور دقائق و معارف واضح نہ ہو سکے۔ اسی دوران شیخ محی الدین ابن عربی کو خواب میں دیکھا جس کے بعد پھر سے کتاب ''فصوص الحکم'' کا مطالعہ کرنے لگا تو تمام اشکالات ومشکلات اور غوامض خود بخود حل ہوتے چلے گئے۔'' **الحمد للہ علی ذالک**۔

حضرت ذوقیؔ نے اپنے والد حضرت قربیؔ سے فارسی کی کتبِ متداولہ مثلاً ''سکندر نامہ''، ''خسرو شیریں''، ''مخزن الاسرار''، ''قران السعدین''، ''تحفۃ العراقین''۔ ''قصائد خاقانی'' وغیرہ کی تکمیل کرلی۔ اپنے والد سے روزانہ ایک سو شعر پڑھتے تھے جو اسی وقت حافظہ میں محفوظ ہو جاتے۔ اس کے بعد آپ میں علم وہبی کی وہ کرشمہ سازیاں دکھائی دینے لگیں کہ عقل اور فہم انگشت بدنداں ہیں۔

(دار العلوم لطیفیہ کا ادبی پس منظر: ص: ۸۴: ڈاکٹر راہی فدائی، مطبوعہ ۱۹۹۷ء)

مولانا عبدالحی بنگلوری اپنی شاہ کار تاریخی و سوانحی منظوم تصنیف ''مطلع النور'' میں فرماتے ہیں:

جودتِ طبع جب تھی اس کی رسا — اور تھا اس کا فہم و ذکاء
ہوا مائل مطالعہ کی طرف — تھوڑے مدت میں ہی وہ کانِ شرف
عربی معتبر کتب بہ تمام — ہوا حاوی بفضل ربِ انام
علم منقول اور فنِ معقول! — اور علم فروع اور اصول!
سب پہ قادر کیا اسے قادر — ہوا ہر فن میں وہ بڑا ماہر

(مثنوی مطلع النور: ص:۱۰)

حضرت ذوقی نے تمام اصناف شاعری میں طبع آزمائی کی ہے اور ہر صنف میں کافی ذخیرہ چھوڑا ہے شعر گوئی کا یہ عالم تھا کہ فی البدیہہ ہزاروں شعر کہہ دیتے تھے۔ نواب محمد غوث خان اعظم فرماتے ہیں:

حضرت ذوقی کو قادر الکلامی اس درجہ حاصل تھی کہ ایک مرتبہ شعر لکھنے بیٹھتے تو سات سو اشعار ایک ہی نشست میں لکھ دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک ہزار اشعار تحریر فرمائے اور اکثر ایسا ہوا کرتا تھا۔

(تذکرۂ گلزار اعظم: ص:۱۹۲: مطبوعہ: مدراس: ۱۲۷۲ھ)

مولانا عبدالحی بنگلوری فرماتے ہیں کہ حضرت ذوقی کے قلم سے تین لاکھ سے زائد اشعار اور ساٹھ سے زیادہ کتابیں وجود میں آئیں:

ان کے ابیات نظم و نثر — تین لاکھ سے زیادہ ہیں اے ہمام
ساٹھ سے بھی زیادہ ہیں رکھ یاد — اور تصانیف اس کے در تعداد

(مثنوی مطلع النور: ص:۱۲)

حضرت ذوقی کی علمی قابلیت، شعری صلاحیت، فنی بصیرت، تصنیفی مہارت اور تصنیفات کی کثرت کو دیکھتے ہوئے یہی کہنا پڑتا ہے کہ آپ کے علمی و ادبی کارناموں کا ظہور خرقِ عادت کے طور پر ہوا ہے۔ اگر آپ کی زندگی کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ آپ نے صرف انیس سال کی قلیل مدت میں یہ تمام علمی و ادبی اور دینی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ آپ کی چوالیس ۴۴ سالہ زندگی میں ابتدائی عمر کے سات سال تحصیل علم کے بغیر بیت جاتے ہیں۔ تعلیم کے زمانہ میں بھی پانچ سال تک درس و تدریس کا سلسلہ

منقطع ہو جاتا ہے۔اور پھر آپ اپنی زندگی میں مسلسل تین سال تک بیمار رہے۔جس میں کوئی علمی کام انجام نہ دے سکے۔اس طرح آپ کو صرف انیس ۱۹ سال کی مدت کام کے لئے حاصل ہو سکی۔نواب غوث اعظم اپنی کتاب ''تذکرہ گلزار اعظم'' میں لکھتے ہیں کہ: ''زیادہ از سہ لک بیت نظماً و نثراً افکار اوست۔وز ودفکری او خارج از حوصلہ گفتگو ایں گونہ تصرفات منجملہ خوارق اولیائے حق شناس است۔والانظر بر عادت بشری دوراز حد طاقت وقیاس۔'' (سالنامۂ اللطیف: سلور جوبلی نمبر: ص: ۵۵: مرتب مولوی حافظ بشیر الحق: مطبوعہ ۱۴۰۴ھ)

حضرت ذوقیؔ کے اشعار کی تعداد تین لاکھ ہے اور ان کی زود فکری گفتگو سے خارج ہے اور یہ اولیاء اللہ کی کرامات اور خوارق عادات میں سے ایک ہے ورنہ اتنا بڑا علمی ذخیرہ چھوڑنا بشری عادت و طاقت اور عقل و قیاس کی حد سے باہر ہے۔

مولانا عبدالحی بنگلوری فرماتے ہیں:

عمر حالاں کہ اس کی باتقدیس — تھی بوقت وفات چوتالیس

اور تھا تین سال تک بیمار — بایں عمر قلیل اے ہوشیار

ہیں تصانیف اس کے ایسے کثیر — حق دیا تھا یہ قوتِ تحریر

(مثنوی مطلع النور: ص: ۱۲)

حضرت ذوقی نے بھی اس کا اظہار تحدیثِ نعمت کے طور پر ایک مقام پر ''انشائے لطف الٰہی'' میں ان الفاظ میں کیا ہے:

''فی الجملہ فقیر راقوت استنباط من عنداللہ ست نہ از مواد ظاہر الحمد للہ علی ما انعم و علم من البیان مالم یعلم والصلوۃ علیٰ النبی خیر الانام و علی آلہ الکرام و اصحابہ العظام۔''

حضرت ذوقیؔ ایک بہترین خطاط اور زود نویس کاتب بھی تھے۔آپ کا ایک محبوب مشغلہ متعدد موضوعات کی کتابیں جمع کرنا اور مطالعہ کرنا اور انھیں نقل کرنا تھا۔آپ بڑی سرعت اور تیزی کے ساتھ ضخیم کتابوں کو نقل کر دیتے تھے۔چنانچہ انشائے لطف الٰہی'' میں لکھا ہے کہ آپ نے مکمل گلستان ایک ہی شب میں نقل کر دی اور 'معجزۂ مصطفیٰ' کے آخر میں چند کتابوں کے نام ہیں جو آپؒ نے اپنے ہاتھوں سے نقل

کیا ہے۔ جس کی تفصیل اس طرح ہے:

۱۔ ملفوظات شریف ۲۔ خلاصۃ المفاخر ۳۔ کنز الدقائق ۴۔ قصائد خاقانی

۵۔ سکندر نامہ ۶۔ خسرو شیریں ۷۔ محبت نامہ جامی ۸۔ دیوانِ حافظ

۹۔ بوستان ۱۰۔ بہارستان ۱۱۔ مناظر الانشاء ۱۲۔ مجموع الصنائع

۱۳۔ قصیدۂ اسماعیل مقری مع شرح ۱۴۔ تلخیص المفتاح ۱۵۔ مطول

۱۶۔ طوالع ۱۷۔ قطبی ۱۸۔ حاشیۂ امیر ۱۹۔ میبذی

۲۰۔ وقایۃ الھدایہ ۲۱۔ شرح مسلم ۲۲۔ تہذیب ۲۳۔ مقامات حریری

۲۴۔ کافیہ ۲۵۔ صغریٰ ۲۶۔ کبریٰ ۲۷۔ زبدۃ ۲۸۔ ملا جلال

۲۹۔ میر زاہد ۳۰۔ شرحِ فارسی تہذیب ۳۱۔ مقدمۂ قیصری ۳۲۔ روضۃ الاحباب

۳۳۔ ملفوظِ محمد مخدوم ۳۴۔ تحفۃ العراقین چار مرتبہ ۳۵۔ رقعاتِ جامی۔ دو مرتبہ ۳۶۔ معجزِ مصطفیٰ سات ہزار اشعار پر مشتمل ہے اسے تین مرتبہ نقل کیا ہوں۔ نظمِ معارج النبوۃ، چھ ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ اسے دو مرتبہ نقل کیا ہوں۔ اور اپنا ایک دیوانِ قصائد جو بارہ ہزار اشعار پر مشتمل ہے تین مرتبہ نقل کیا ہوں اور اپنی یہ چار کتابیں ۱) چمن محبت (۲) عشق نامہ (۳) چہار فصل (۴) ہدایۃ الاخبار (گیارہ ہزار) یہ دو مرتبہ نقل کیا ہوں۔ ان کے علاوہ تذکرۂ اولیاء و سلاسل، تعداد الشھود، رباعیات متعدد بار نقل کیا ہوں۔"

حضرتِ ذوقیؔ نے علوم ظاہری کی تکمیل کے ساتھ ساتھ علوم باطنی کی تکمیل بھی فرمائی اور اپنے والد ماجد حضرتِ قربیؔ سے تصوف و سلوک کی تعلیم پائی اور اس میدان کے شہ سوار بن کر اُبھرے۔ مولانا عبدالحی فرماتے ہیں:

اور تصوف کے سب رموز و دقیق اپنے والد سے کر چکا تحقیق

ہوا یکتا دلیل و برہان میں اور کشف سے شہود و عرفان میں

(مثنوی مطلع النور: ص: ۱۰)

حضرت ذوقیؔ کو اپنے والد ماجد کے علاوہ دیگر مشائخ سے مختلف سلاسل میں بیعت و خلافت کا شرف حاصل رہا۔ حضرت قربیؔ نے آپ کے خلافت نامہ میں رفاعیہ، نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ اور مخزن

کتاب السلاسل کے سلسلوں کی وضاحت اس طرح کی ہے۔

''برخوردار سعیدِ دارین رشید کونین غلام محی الدین سید عبداللطیف عرف باوا مد عمرهٗ راہمہ خلافت ہائے مخزن السلاسل و چہار خلافت یکے رفاعیہ، دوم نقشبندیہ، سوم چشتیہ، چہارم قادریہ نیز دادہ شد۔''

حضرت ذوقیؔ نے اپنے ولاد ماجد سے استفادہ کرنے کے علاوہ متعدد بزرگوں سے بھی فیض روحانی حاصل کیا ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنی فارسی تصنیف ''انشائے لطف الٰہی'' میں اس بات کی صراحت متعدد مقامات پر کی ہے کہ آپ کو حضرت عبدالقادر جیلانی، حضرت نظامی گنجوی، حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے روحانی استفادہ حاصل ہوا ہے۔ اور حضرت قطب ویلور نے بھی اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ حضرت ذوقیؔ کو جب بھی مثنوی مولانا روم کے بعض اشعار کے غوامض و دقائق اور نکات سمجھنے میں دشواری ہوتی تو حضرت رومیؔ کی روح مقدسہ کی جانب ہوتے اور اشکالات حل فرما لیتے۔ اور اس کے بعد فرماتے کہ مصنف رومیؔ نے مجھے ان اشعار کا یہ معنی اور مفہوم بتلایا ہے۔

''وجدی محی الملۃ والدین حضرت سید عبداللطیف قادری ویلوری چوں از ابیات مثنوی وغیرہ مسئول شدے سر بہ جیب رفتی وفرمودی کہ مصنف معنی آن چنین فرمودہ۔''

(مکتوباتِ لطیفی۔ قلمی مخطوطہ)

حضرت ذوقیؔ اخلاق وعادات اور سیرت کردار کے باب میں سلفِ صالحین کا نمونہ تھے۔ کتاب وسنت پر عمل پیرا تھے۔ بدعات وخرافات سے انتہائی متنفر تھے اور صحابہ کرام کی شان میں گستاخی و بے ادبی اور تنقیص کرنے والوں کو خارج از دین قرار دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ جس مقدس اور برگزید جماعت کی شان میں خود اللہ تعالیٰ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کہہ دے تو ایسی جماعت کی تنقیص وتکفیر کرنا یقیناً نص قطعی کا انکار ہے۔ (انشائے عقائدِ ذوقیؔ: ص:۱۲۔ مترجم سید حمید اشرف: ناشر دار التصنیف: مطبوعہ ۱۹۶۹)

حضرت ذوقیؔ کے اندر حد درجہ استغنا اور توکل تھا۔ امراء اور اغنیاء سے تا دمِ زیست مستغنی اور بے پروا رہے۔ نواب محمد علی خان والا جاہ کے صاحب زادوں نواب عمدۃ الامراء غلام حسین خان اور نواب امیر الامراء حافظ محمد منوّر خان کو آپ سے بڑی محبت والفت اور عقیدت تھی۔ آپ ہی کے حکم سے انھوں نے تنجاؤر کے راجہ پر حملہ کیا اور فتح سے ہمکنار ہوئے۔

حضرت ذوقیؔ نے اس حملہ کی اجازت اس لئے دی تھی کہ خواب میں آپ کو قلعۂ تنجاوُر کی کنجیاں حوالے کی گئی تھیں۔

اس خوشی میں نواب محمد علی والا جاہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جاگیر کا پروانہ پیش کیا تو آپ نے اس کو چراغ پر رکھ دیا۔ نواب محمد علی والا جاہ نے انتہائی حیرت کا اظہار کیا تو فرمایا: ''اس میں حیرت وتعجب کی کیا بات ہے! پروانہ تھا شمع کی نذر ہوگیا۔'' اس واقعہ کی تفصیل مولانا شاہ عبدالحی بنگلوری نے بھی پیش کی ہے۔

اور نواب جو تھا والا جاہ	صاحب تخت و ملک و فوج و سپاہ
لا کیا نذر اس کے اے دانا	ایک جاگیر کا ہے پروانہ
اس کو وہ شمع پر جلایا ہے	اور سخن یہ زبان پر لایا ہے
ہووے پروانہ شمع پر سوزاں	ہو انواب دیکھ یہ حیراں

(مثنوی مطلع النور: ص: ۱۳۰)

ایک طرف حضرتِ ذوقی کے استغناء کا یہ عالم تھا اور دوسری طرف داد دہش اور جود وسخا کا یہ عالم تھا کہ آپ کے لنگر خانہ سے کوئی سائل محروم اور خالی ہاتھ نہیں گیا۔ آپ کے لنگر خانہ سے روزانہ ایک سو بیس سیر چاول فقیروں اور حاجت مندوں میں تقسیم ہوا کرتے تھے اور آپ نے جو روپیہ پیسہ سخاوت کیا ہے وہ دو لاکھ سے زائد بتلایا گیا ہے۔ جیسا ضمیمۂ جواہر السلوک'' کے مصنف نے صراحت کی ہے۔

''در جود و کرم بے ہمتا سائل را محروم نمی نمود زیادہ از دو لک روپیہ بہ سائلاں عنایت فرمودہ و ہر روز در لنگر خود یک صد و بست سیر برنج بہ مستحقان تقسیم می نمود۔'' (ضمیمۂ جواہر السلوک: ص: ۲۶۴)

حضرت ذوقیؔ مرتبۂ ولایت پر فائز تھے۔ آپ سے بے شمار کرامات اور خرق عادت امور کا ظہور ہوا ہے آپ نے وفات سے چند دن قبل پیش گوئی فرمادی تھی کہ آج سے تیرہ دن کے بعد اس علاقہ کے قطب کی وفات ہوگی اور اس کے تین دن بعد قلعہ ویلور پر گولہ باری ہوگی۔ چنانچہ ۱۳، رجب المرجب ۱۱۹۴ھ کو حضرت ذوقی کا وصال ہوا اور اس کے تین دن کے بعد نواب حیدر علی والی میسور نے ویلور کے قلعہ پر حملہ کردیا۔ جب قلعہ پر گولہ باری ہونے لگی تو اس وقت لوگوں پر یہ راز منکشف ہوا کہ قطب سے مراد

حضرت ذوقؔی کی ذاتِ گرامی تھی۔ مولانا عبدالحی بنگلوری فرماتے ہیں:

ہے روایت کہ اپنے پیشِ وصال — دفعتاً ایک دن وہ صاحب حال
حاضروں سے کہا ہے اے لوگو — بات ایک بولتا ہوں یاد رکھو
قطب اس ملک کا بحکمِ خدا — تیرھویں دن اٹھے گا از دنیا
تین دن اس کے بعد غیر قصور — چلی گولی بہ قلعۂ ویلور
جانو، ماہِ رجب کے وہ اکرم — کیا رحلت یقیں از یں عالم
بعد سہ دن بہادر آیا ہے — گولی قلعے اوپر چلایا ہے
سمجھے لوگوں نے تب بغیر گماں — کہ بلاشک وہی تھا قطبِ زماں

(مثنوی مطلع النور: ص: ۱۳)

حضرت ذوقؔی کا عقد حضرت سکینہ بی بی بنتِ حضرت عبدالعلی بیجاپوری سے ہوا۔ جن کے بطن سے اکلوتے صاحب زادے حضرت سید ابوالحسن محویؔ ویلوری کی ولادت ہوئی۔ حضرت ذوقؔی چوالیس ۴۴ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اور اپنے والد ماجد حضرت قربؔی کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ مولوی امین بیجاپوری نے درجِ ذیل قطعۂ تاریخِ وفات کہی ہے۔ جو درگاہِ شریف کے باہر دیوار پر کندہ ہے۔

سرافراد محی الدین ذوقؔی — کہ فیض اوست برابدال واوتاد
چوں واصل شد بحق سال وصالش — امیںؔ گفتا ''غاب قطب الامجاد'' ۹۴ھ۔۱۱

حضرت ذوقؔی کی وفات کا بڑا گہرا اثر اور رنج آپ کے ہم درس، مصاحب و رفیق حضرت باقر آگاہ کے دل پر ہوا۔ انہوں نے بہت زوردار خونچکاں اور پُر درد مرثیہ لکھا۔ جس کے چند شعر یہاں نقل کئے جا رہے ہیں جن کے مطالعہ سے حضرت ذوقؔی کے مقام و مرتبہ، عظمت و فضیلت اور وصف و کمال کی نشان دہی ہوتی ہے۔

ذوقؔی کہ از تر اوش فیض زبان او — گلزار نظم و نثر بہ نشو و نما رسید
افراخت چوں قصائد خود را باوج عرش — خاقانی و ظہیر بہ تحت الثریٰ رسید
چون نغمہ سنج شد بغزل طوطیانِ ہند — گفتند ایں نوائے غریب از کجا رسید

درقطعہ و رباعی و ترجیع بندوفرد فکرش بمنتہائے خیال رارسید

وامانده ام بدر ددل خودزمن مپرس اے داغِ ہجرتش کہ بجانم چہارسید

تاریخ رحلتش چوں طلب کرداز سروش گوہم دم حکیم نظامی ندارسید ۱۱۹۴ھ

(خانوادۂ اقطابِ ویلور، ص:۴۱: مولف مولوی محمد زکریا ادیب خاور، رائچوٹی)

حضرت ذوقیؔ کی ذاتِ گرامی سے مختلف علوم وفنون پر مشتمل اور مختلف اصناف شاعری پر حاوی ایک ضخیم کتب خانہ وجود میں آ گیا۔ جس کی نظیر علم وادب کی تاریخ میں خال خال ہی مل سکتی ہے۔ آپ نے تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، تصوف، فرائض، فلسفہ، منطق، عروض، بیان، معانی اور لغت وغیرہ میں کئی ایک کتابیں تصنیف کیں اور شاعری میں کثیر الحجم قصائد، غزلیات، مثنویاں اور دو دادین یادگار چھوڑیں۔ اور اس کے علاوہ بے شمار افراد کی تعلیم وتربیت فرمائی جس کی برکت سے اہلِ علم کا ایک کاروان تیار ہوا۔ بقول مولانا یوسف کوکن عمری:

''حضرت ذوقیؔ علم وادب اور طالبانِ علم کے لئے مرکز بن گئے تھے۔ اور مختلف علاقوں کے طلباء آپ کے نزدیک استفادہ کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ اور آپ ان کے لئے خورد ونوش کا انتظام کرتے تھے۔ (سالنامہ اللطیف:۱۴۰۴:۵۹صفحہ)

حضرت ذوقیؔ نے اپنی فارسی تصنیف ''انشائے لطف الٰہی'' میں اپنے بعض تلامذہ کے نام درج کئے ہیں، ان میں سے چند کے نام یہاں درج کئے جا رہے ہیں، جو علم وفضل میں نامور ہوئے۔

۱۔محمد تقی دلوی ۲۔غضنفر علی جہروی ۳۔زین العابدین حروی ۴۔علی اصغر دوانی ۵۔میر باقر ۶۔محمد تقی دلوی ۷۔محمد ضیاالدین ۸۔محمد مظہر علی ۹۔حسن علی ۱۰۔ محمد سعید چودھری ۱۱۔محمد مخدوم مہکری ۱۲۔غلام احمد میلاپوری ۱۳۔عظیم الدین توندری ۱۴۔بڑے صاحب چیدہ ۱۵۔محمد غوث ۱۶۔عبدالقادر ۱۷۔حسن علی چیدہ ۱۸۔نورالدین ۱۹۔ابن محمد اویس۔ ۲۰ میر حسن ۲۱۔محمد سلیم

حضرت ذوقیؔ نے طلباء کی درسی ضروریات وحاجات کی جانب بھی توجہ کی اور نصابی کتابوں کی تصنیف کی اور بعض دقیق کتابوں کی شرح فرمائی۔ جس سے آپ کے طلباء کو خاطر خواہ فوائد حاصل ہوئے۔ چنانچہ انشاء وبلاغت سے متعلق طلباء کے لئے ایک رسالہ ''مختصر المناظر'' تحریر کیا جو ایک سو صفحات پر مشتمل

ہے اور عروض میں ۸۵ صفحات پر مشتمل ایک کتاب 'رسالہ علم عروض'' تحریر فرمایا ہے۔ جو بہت ہی مفید بحثوں پر حاوی ہے۔ حضرت ذوقیؔ نے جب محسوس کیا کہ بعض طلبا استعداد اور قابلیت نہ ہونے کی وجہ سے قرآن کے معانی و مطالب اور تشریحات کما حقہ سمجھ نہیں پا رہے ہیں۔ لیکن ان کے اندر فن تفسیر کے مطالعہ کا ذوق وشوق ہے، تو آپ نے ان کے لئے تفسیر سے متعلق ضروری و مفید تشریحات لکھنے کا سلسلہ شروع فرمایا تا کہ طلباء درس کے علاوہ خارجی اوقات میں اسی تحریر سے استفادہ کر سکیں۔ آپ کی لکھی ہوئی یہ تفسیر ہنوز قلمی ہے۔ اور الٓمّٓ سے شروع ہوکر سورۃ الاعراف کی آیت وجاوزنا ببنی اسرائیل البحر پر ختم ہوی ہے۔ اس کے بعد کی سورتوں کی تفسیر کا سراغ نہیں لگ سکا۔ اور یہ نسخہ خود مفسر علیہ الرحمہ کے ہاتھوں سے لکھا ہوا ہے۔ آپ نے اپنی اس تفسیر کا نام ''تفسیر لطیفی'' رکھا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

۱۔ تفسیر لطیفی : ''فقیر ضعیف غلام محی الدین سید عبداللطیف چون بعضے از عزہ بخوانداں تفسیر شوق تمام داشتند و بہ سبب قلت استعداد از ادراک مطالب مطولات اشتغال نمی توانستند، فقیر برائے ایشان تفسیر موجز تالیف نمودہ ''تفسیر لطیفی'' مسمیٰ گردد۔''

۲۔ لطائفِ لطیفی : یہ کتاب ۱۱۸۷ھ میں محمد نظام الدین کی ایماء پر لکھی ہے۔ جس کا موضوع عقائد اور تصوف ہے جیسا کہ فرماتے ہیں:

''ایں لطیفہ چند است کہ فقیر ضعیف غلام محی الدین سید عبداللطیف از دریائے حقیقت بیرون آوردہ ودر سلک تقریر وسمط تحریر کشیدہ بہ ''لطائفِ لطیفی'' مسمّٰی گردانید۔

۳۔ انشائے عقائد : حضرت ذوقیؔ نے رقعات اور مکتوبات کی شکل میں چار پانچ کتابیں تصنیف کی ہیں اور یہ کتابیں علم و ادب و اخلاق و عقائد اور تہذیب و معاشرت سے متعلق ہیں۔ انشائے عقائد اکاون ۵۱ رقعات کا مجموعہ ہے۔ جو آپ نے اپنے احباب اور متعلقین کے نام تحریر کیا ہے۔ اس مجموعہ کے خطوط و مکتوبات میں عقائد کی اصلاح کی گئی ہے اور صحیح عقائد کی تشریح کی گئی ہے۔ مخطوطہ کے اختتام پر سن تدوین وترتیب ۱۱۸۶ھ درج ہے۔ کتاب کے موضوع کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

''چون املا ایں انشاء محض برائے تصحیح عقائد بود، مسمّیٰ بہ انشاء عقائد نمود۔'' اس کتاب کا اردو ترجمہ مولانا سید حمید اشرف استاذ، دار العلوم نے کیا ہے۔ جس کا ایک حصہ دار التصنیف والاشاعت سے ۱۹۶۹ء

میں شائع کیا گیا ہے۔

٤۔انشائے لطف اللھی : حضرت ذوقیؔ نے یہ کتاب اپنے شاگرد رشید مولوی سید لطف اللہ کی درخواست پر تحریر کی ہے۔ اس کا ایک نسخہ ہے اور ڈیمی سائز میں ۲۶۶ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ آخری صفحہ پر سن تصنیف ۱۲۸۵ھ درج ہے۔ ''در سن ہزار دو صد و پنجاہ و ہشت با تمام رسید'' اور یہ نسخہ مصنف کے ہاتھوں سے تحریر کیا گیا ہے۔ اس میں ایک سو پچیس رقعات اور مکتوبات ہیں۔ اور یہ کتاب مختلف و متعدد موضوعات مثلاً عقائد، فقہ، فیضِ روحانی، نجی حالات، لغت، شعر، سعد و نحس، سیرت، سوانح اور تاریخ وغیرہ پر محیط اور حاوی ہے۔ اس کتاب کے بعض منتخب مباحث کا اردو ترجمہ راقم الحروف کے قلم سے ''گہر ہائے صدف'' کے نام سے ۱۹۹۹ء میں شائع ہو چکا ہے۔

غلط ہے

٥۔ انشائے قادری : یہ کتاب عبدالقادر مہکری کی درخواست پر لکھی گئی ہے۔ جس میں مختلف دینی مسائل و احکام سے بحث کی گئی ہے۔ آخری صفحہ پر سالِ تصنیف ۱۱۸۲ھ درج ہے۔

٦۔ انشائے باقری : یہ ان خطوط کا مجموعہ ہے جو حضرت ذوقیؔ نے اپنے ہم درس مصاحب اور رفیق حضرت باقرؔ آگاہ کے نام تحریر کیا ہے اور بعض خطوط دیگر رفقا کے نام کے بھی ملتے ہیں۔

٧۔ رکن رکین فی ترجمہ حصن حصین : علامہ جزری کی عربی تصنیف حصن حصین کا فارسی ترجمہ ہے جسے حضرت ذوقیؔ نے صرف حضرت تین دن کی قلیل ترین مدّت میں مکمل کیا ہے۔ اس کتاب میں ایک مبسوط مقدمہ آٹھ ابواب اور فصول ہیں۔ ترجمہ سے متعلق حضرت ذوقیؔ کا یہ بیان آغاز ہی میں موجود ہے۔

''چوں بسیارے از اخوان تعلیم حصن حصین شوق تمام داشتند، و در یافتِ مطالب آن بسبب عدم استعداد عربی متعسر می انگاشتند، فقیر عبارت آن بفارسی ترجمہ نمود۔''

بعض احباب و رفقاء کو عربی زبان پر کامل قدرت نہ ہونے کی وجہ سے ''حصن حصین'' کا مطالعہ دشوار تھا۔ لیکن ان کے اندر مذکورہ کتاب کے مطالعہ کا بڑا شوق تھا۔ جس کو دیکھتے ہوئے فقیر نے اس کتاب کا فارسی میں ترجمہ کر دیا۔''

٨۔ قصائد ذوقی : حضرت ذوقیؔ کی یہ ضخیم اور شاہ کار منظوم تصنیف تمام اصناف شاعری کو

گھیری ہوی ہے۔چنانچہ فرماتے ہیں:

''دراین مجموعہ ہمہ اقسام شعراز قصیدہ وغزل وتشبیب وترجیع بند وتسمیط وقطعہ ومثنوی ورباعی فرداست۔''

حضرت ذوقیؔ ایک فطری شاعر تھے۔آپ کی شاعری، وفور گوئی، قادرالکلامی، زودنویسی اور بدیہہ گوئی میں اپنی مثال آپ ہے۔اورآپ کی یہ تمام تر صلاحیتیں اور قابلیتیں منجانب اللہ ودیعت کردہ تھیں۔ذٰلک فضل اللہ یوءتیہ من یشآء۔مولانا یوسف کوکن عمری لکھتے ہیں:

''حضرت ذوقیؔ بیک وقت زبردست عالم وفاضل، عارفِ کامل اور بے مثل شاعراور نثر نگار تھے۔زودنویسی اور بدیہہ گوئی میں ان کا کوئی نظیر نہیں تھا۔نظم بھی اس تیزی سے لکھتے تھے جتنی نثر کی تھی۔دونوں میں آورد نہ تھی۔ایک نشست میں سات سو سے زیادہ اشعار نظم کردیتے تھے۔ان گونا گوں خصوصیات میں ان کا کوئی بڑے سے بڑا اہم عصر بھی ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔شاعری کی ہر صنف پر طبع آزمائی کی ہے جس سے ان کی قادرالکلامی پوری طرح ظاہر ہوتی ہے۔

(حضرت ذوقیؔ: مصنف مولوی یوسف کوکن عمری: سالنامۂ اللطیف: ص:۱۰۱۔۱۰۲: مطبوعہ ۱۹۸۰ء)

ڈاکٹر سید وحید اشرف کچھوچھوی، سابق صدر شعبۂ عربی، فارسی، اردو، دانش گاہ مدراس چینئی فرماتے ہیں:

''حضرت ذوقیؔ وفور گوئی کے اعتبار سے فارسی ادب کی پوری تاریخ میں ممتاز ترین شعراء کی صف میں آتے ہیں۔اوراسی لئے حضرت ذوقیؔ کی شاعری کا مطالعہ ایک فارسی ادب کے طالب علم کے لئے اتنا ہی ضروری ہے جتنا نظامیؔ، خسروؔ، فیضیؔ کے کلام کا۔حضرت ذوقیؔ کی وفور گوئی، قادرالکلامی اور مختلف علوم وفنون میں درک جس کا اظہار ان کی شاعری میں ہوتا ہے۔قدماء کی یاد دلاتے ہیں۔انھوں نے شعر گوئی میں ان تمام شرائط کی پابندی کی ہے۔جس کا ذکر نظامی عروضی نے اپنی کتاب ''چہار مقالہ'' میں کیا ہے۔جس کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ شاعری میں قدم رکھنے کے لئے قدماء کے دس ہزار اشعار زبانی یاد ہونا چاہئے۔نظامی گنجوی کا شرف نامہ تو حضرت ذوقیؔ کے نوکِ زبان تھا۔''

(حضرت ذوقیؔ کی فارسی شاعری: ڈاکٹر سید وحید اشرف: سالنامہ اللطیف: ص:۳۵،۳۷: مطبوعہ ۱۹۸۰ء)

قصائدِ ذوقیؔ کا یہ ضخیم اور مبسوط مجموعہ ماہِ صفر ۱۱۸۷ھ میں تیار ہوا ہے اور انتہائی حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ حضرت ذوقیؔ نے صرف ایک ماہ کی مدت میں اس کی تصنیف وتسوید اور تدوین وترتیب کا کام مکمل کیا ہے۔ تاریخ تدوین ان دوابیات سے برآمد ہوتی ہے۔

عقل ودانش پسند زیبا دوست بسکہ از ملاحتش ذوقیؔ
بادل خوش بگفت وغایتِ شوق ہمہ زیبا قصائد ذوقیؔ

۹۔ معجز مصطفےؐ: حضرت ذوقیؔ کا ایک مایہ ناز شاہ کار زمانہ "معجز مصطفےؐ" ہے جو دوسرے الفاظ میں آپ کا شاہنامہ اسلام ہے۔ یہ طویل ترین مثنوی رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی مکمل سیرت پر مشتمل ہے۔ اس طرح کی مثنوی لکھنے کا خیال مرزا غالبؔ کو بھی دامن گیر رہا اور انھوں نے یہ کام بھی شروع کر دیا اور مثنوی کا نام بھی "ابرِ گہر بار" تجویز کیا تھا۔ لیکن مرزا تمہید سے آگے نہیں بڑھ سکے اور یہ مثنوی ادھوری اور نا تمام رہ گئی اور مرزا غالبؔ سفرِ آخرت پر روانہ ہو گئے۔

حضرت ذوقیؔ کی یہ شاہ کار مثنوی سات ہزار دوسو اشعار پر پھیلی ہے۔ جس میں ایک وقیع مقدمہ، انیس مقالے (ابواب) اور ایک خاتمہ ہے۔ اور یہ مثنوی لکھنے کے وقت حضرت ذوقیؔ کی عمر تیس سال تھی۔ اور اسے آپ نے صرف دیڑھ ماہ کی مدت میں مکمل کیا ہے۔ چنانچہ حضرت ذوقیؔ لکھتے ہیں:۔

متمم شد این نامۂ رنجکاہ بتائید حق دریک و نیم ماہ
درآن وقت کاین نامہ رخ برکشود فزوں ترز سی سال عمرم نبود
ہمہ بیتش اے مرد نیکو صفات زآلاف ہفت است ودواز مآت
تمامی پذیرفت بازیب وزین زہجرت بفا و بقاف وبہ غین ۱۱۸۰ھ

اس مثنوی کے مخطوطات کتب خانہ مدرسہ محمدی مدراس اور کتب خانہ نواب سالار جنگ حیدر آباد اور کتب خانہ مدرسۂ لطیفیہ، ویلور میں موجود ہیں۔ یہ ضخیم مثنوی ۱۱۸۱ھ اور ۱۲۷۰ھ میں مطبع شرفیہ مدراس سے شائع ہوی ہے۔ مولانا حاجی محمود مہاجر حسرتؔ نے ۱۱۴۷ھ میں اس کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ جو" ریاض السّیر" کے نام سے ۱۲۷۹ھ میں مدراس سے شائع ہو چکا ہے۔

فارسی شاعری میں بہت سے شعراء نے خمسہ (پانچ مثنویاں) لکھا ہے۔ حضرتِ ذوقیؔ نے بھی اپنا خمسہ لکھا۔ "ہمدران ایام فقیر چہارِ کتب خمسہ تصنیف کردہ۔" لیکن انھوں نے موضوع وہ اختیار نہیں کیا جو

دوسرے شعراء نے اختیار کیا ہے۔ بلکہ آپ نے ان مثنویات میں رسول کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور اولیاء اللہ کی سیرت وسوانح کو موضوع بنایا ہے۔ حضرت ذوقیؔ کا خمسہ اسلوبِ بیان، تسلسل وروانی، سلاست وشستگی شیفتگی وشگفتگی، دل آویزی اور آمد کا مظہر ہے۔ فنِ مثنوی میں علامہ باقر آگاہ نے حضرت ذوقیؔ کو نظامیؔ کا ہم پلہ قرار دیا ہے اور مولانا شاہ عبدالحی بنگلوری نے ثانی جامیؔ قرار دیا ہے۔ مولانا عبدالحیؒ فرماتے ہیں:

اور فکرِ سخن میں اے دم ساز — وقت میں اپنے سب سے تھا ممتاز

بس کہ اس فن میں وہ گرامی تھا — ثانی جامیؔ و نظامیؔ تھا

مثنوی ایسی لکھا وہ ہمام — سمجھئے گویا ہے گنجوی کا کلام!

معجزۂ مصطفےٰ لکھا ہے جو — بس تتبع ہے گنجوی کی او (مثنوی:ص:۱۱)

۱۰: ھدیۃ الاخبار: حضرت ذوقیؔ نے یہ مثنوی نظامی گنجوی کی تصنیف ''مخزن الاسرار'' کے نہج پر لکھی ہے۔ جس میں صوفیانہ نقطۂ نظر سے سیرت بیان کی ہے۔ جو بہت ہی دل چسپ اور سبق آموز ہے۔

۱۱۔ چھار فصل: یہ طویل مثنوی دو ہزار نو سو اشعار پر مشتمل ہے اور یہ صرف پچیس دن میں مکمل کی گئی ہے اور اس میں خسرو ختن شاہ کیوان کا دلچسپ قصہ نظم کیا گیا ہے اور یہ مثنوی حضرت نظامی کی مثنوی 'ہفت پیکر'' کا جواب ہے۔ اس کا سالِ تصنیف ۱۱۷۲ھ ہے۔ اور یہ مثنوی محمد علی کی ایماء پر تحریر کی گئی ہے۔ یہ جیسا کہ درجِ ذیل اشعار سے واضح ہے:

جلوہ گر نور طبع منجلیش — نام نامی محمد علی اش

بہ کہ برنہج قصۂ بہرام — کہ نظامیش دادہ است نظام

خود بنایش بچار فصل انداز — نامِ او نیز چار فصل بساز

ہفت پیکر اگرچہ سرباشد — چار فصل تو طرفہ ترباشد

مثنوی کے اختتام پر تاریخ تصنیف اور اشعار کی تعداد اور ترتیب کی مدت ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

چوں ترتیب این کشیدم رنج — روزہا صرف گشت بست و پنج

سالِ تاریخ اوز وے شمار — صد و ہفتاد و دو بود بہ ہزار

ہمہ ابیات او زروئے شمار	دو ہزار است وبیش از نہ صُد

۱۲۔ عشق نامہ : دو ہزار شعر پر مشتمل یہ مثنوی صرف بائیس دن کے اندر لکھی گئی ہے۔ جس میں چندر بدن اور مہیار کا قصہ نظم کیا گیا ہے۔ چندر بدن مہیار کی داستان کو اکثر شعراء نے اپنی مثنویات کا موضوع بنایا ہے۔ اور حضرت ذوقیؔ کی پیروی میں جنوب کے مختلف شعراء نے بھی فارسی اور اردو میں طبع آزمائی کی۔ آپ کے ہم درس، رفیق اور مصاحب حضرت باقر آگاہ نے بھی ''ندرتِ عشق'' کے نام سے ایک بہترین مثنوی لکھی ہے، جوان کی اردو مثنویات ''خمسہ اوجِ آگہی'' کے اندر شامل ہے۔

حضرت ذوقیؔ نے حمد و نعت، معراج نبویؐ، منقبتِ غوث پاک اور حضرت قربیؔ کی مدح سرائی کے بعد اصل داستان شروع کی ہے۔ اس مثنوی کی تعریف میں خود مثنوی نگار کا یہ بیان ملاحظہ کیجئے:

سمر قند این کتاب وقند بیت است	چوں بشماری دو الف و چند بیت است

چوں در تزئین این پیکر نشستم	بعشرین و دوروزش نقش، بستم

۱۳۔ چمن محبت : یہ مثنوی ۱۲۵۴۵ اشعار پر مشتمل ہے۔ اور یہ صرف ایک ماہ میں لکھی گئی اور اس میں مشہور عشقیہ داستان عینیہ وریا نظم کی ہے۔ فرماتے ہیں:

گفتا سخنت بود مہیا	احوال عینیہ گوئی وریا

چوں دررہ جگر آورد کام	در ماہی نامہ یافت اتمام

۱٤۔ نجیب نامہ: یہ مثنوی محمد نجیب خان شہید کی سوانح عمری اور ان کے خاندان کے حالات پر مشتمل ہے۔ نجیب خان نے گڈھ آمبور (شمالی آرکاٹ) کی جنگ میں نواب انورالدین خان کے ساتھ ۱۱۶۲ھ میں شہادت پائی یہ مثنوی شہیدِ مرحوم کے صاحب زادے محمد سعید کی درخواست پر ۱۱۸۵ھ میں لکھی گئی۔

حضرت ذوقیؔ نے یہ شاہ کار تاریخ ساز مثنوی صرف سات دن کے اندر مکمل کی ہے اور اس کے اشعار دیڑھ ہزار ہیں۔ اس تصنیف کے وقت مثنوی نگار کی عمر پینتیس سال تھی۔ چنانچہ درج ذیل اشعار سے یہ معلومات حاصل ہو رہی ہیں:

ہمہ بیت او گر بگیری شمار	سراسر بود پانصد و یک ہزار

عجب بیں کہ این بدر عالم فروز　　تمامی پذیرفت در ہفتہ روز

درآن دم کہ ایں ماہِ نورخ نمود　　ہمہ عمر من پنج وسی سالہ بود

حضرت ذوقیؔ نے اس مثنوی میں حمد ونعت، مناجات اور منقبت شیخ عبدالقادر اور مدح قربیؔ کے بعد سببِ تالیف بیان کیا ہے اس کے بعد تعلّی کے شعر کہے ہیں۔ تعلّی کوئی نقص یا معیوب چیز نہیں۔ یہ شاعر کا جائز حق ہے۔ اس سے حضرت ذوقیؔ کی زاہدانہ وصوفیانہ شخصیت مجروح نہیں ہوسکتی۔ تعلّی کے اشعار میں یہ چند شعر بہت ہی دل چسپ ہیں:

من آنم کہ از طبع　گوھر فشان　　نمایم بدر یاز　گوھر فشان

از نوکِ قلم گوہر　افشان کنم　　جہاں پرز لعل بدخشاں کنم

منم　تاجدار　جہان سخن　　منم خردِ　آگہان　سخن

بخاک　درم　سود　چشمان ہند　　چو گشتم　ملقب بہ حسّان ہند

۱۵۔ دُرِّ بے بہا: یہ مثنوی نواب محمد علی والا جاہ اور ان کے دو صاحب زادوں نواب عمدۃ الامراء اور نواب امیر الامراء کی جنگِ تنجاوُر میں بہادری و کامرانی اور فیروز مندی اور فتح مندی کے احوال و کوائف پر مشتمل ہے۔ یہ مثنوی چار سو شعر پر پھیلی ہوئی ہے اور صرف دو دن کی مدت میں لکھی گئی ہے اور اس کا نام دُرِّ بے بہا خود حضرت ذوقیؔ کا تجویز کردہ ہے۔ جیسا کہ ان اشعار سے واضح ہے۔

دو　روز　این عجالہٗ نادر　　شد از یں　مصدر ہنر صادر

چون کشیدم　بسلک اتمامش　　ساختم دُرِّ بے بہا، نامش

بیتہائش قریب چار صد است　　لطفہائش زیادہ از عدد است

سالِ تنظیم او　خرد بصواب　　زد رقم　بادسر خوش و بآب

بقول پروفیسر کوکن عمری: ''نجیب نامہ اور دُرِّ بے بہا، جنوبی ہند کے سیاسی حالات اور یہاں کی تہذیبی وثقافتی اقدار کا گنجِ گراں مایہ ہے۔''

(عربک اینڈ پرشین ان کرناٹک: ص:۱۵۹: پروفیسر یوسف کوکن عمری: مطبوعہ:۱۹۷۴ء: مدراس)

۱۶۔ علیما: سعدی کی کتاب ''کریما'' کے نہج پر لکھی گئی ہے۔ حضرت ذوقیؔ نے اس کتاب میں شریعت، عقائد اور اخلاق سے متعلق مؤثر اور دل نشیں بحث کی ہے۔ جہل کی مذمت کرتے ہوئے علم کے حصول کی ترغیب و تحریص دلائی ہے یہ کتاب ۱۱۸۸ھ میں لکھی گئی ہے اور درج ذیل موضوعات پر پھیلی ہوئی ہے۔

۱۔ تبعیت عقل مجرد از نقل مذموم است و خلاف محبت می شود

۲۔ عقائدِ سنّیہ سنیہ ۳۔ تفضیل خلفائے راشدین وصحابہ

۳۔ اثبات کفر روافض ۴۔ تخصیص حضرت معاویہؓ

۶۔ وقاحت دین رافضیہ ۷۔ عقائدِ سنیہ

۱۷۔ مفتاح النجاح: خفیف الوزن اور لطیف المعنی قصائد کا گنجِ گراں مایہ ہے۔ جو احمد عبداللہ پیر، محمد مخدوم مہکری اور سید لطف اللہ کی درخواست پر لکھا گیا ہے۔ حضرت ذوقیؔ نے ان قصائد میں رسول کریم ﷺ سے لے کر اپنے والد ماجد حضرت قربیؔ تک اپنے سلسلہ اور شجرہ کے مشائخ کے فضائل و مناقب اور اوصاف و کمالات کو نظم کیا ہے اور اس رنگا رنگ اور حسین و جمیل گلدستہ کو اپنے معتقد نواب امیر الامراء ابنِ نواب محمد علی والا جاہ کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا ہے۔ سن تصنیف ۱۱۷۸ھ درج ہے۔

۱۸۔ احسن الاسلوب: یہ ایک مسلسل و مربوط نانوے اشعار پر مشتمل نظم ہے جس میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی مدح و منقبت ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

این قصیدہ کاندر و احوال شہ کردم بیان چند بیت آمد بصورت در معنی دفتر است

عبدِ قادر پیرِ ما در دین و دنیا سرور است پائے او ز پایۂ عالی سران را بر سر است

۱۹۔ انشائے عقائد جواھر: نظم اور نثر پر مشتمل مکتوبات کا مجموعہ ہے۔ جو مختلف اشخاص نواب عمدۃ الامراء نواب امیر الامراء محمد اسلم خان، منور علی خان اور خواجہ رحمت اللہ وغیرہ کے نام تحریر کئے گئے۔ خود مکتوب نگار نے اپنی زندگی میں ۱۱، صفر ۱۱۸۵ھ کو ایک پر از معلومات مقدمہ کے ساتھ مرتب کیا ہے۔

۲۰۔ تحریر عقائد: اس قلمی رسالہ میں حضرت ذوقیؔ نے اہل سنت و جماعت کے عقائد کی تشریح کی ہے۔ سن تصنیف ۲۳، ذی الحجہ ۱۱۸۸ھ مرقوم ہے۔

۲۱۔چہل حدیث : خلفائے راشدین اور آل نبویؐ کی فضیلت پر مشتمل چالیس احادیث کا مجموعہ ہے۔رسالہ کے اختتام پر سنِ تصنیف ۱۸، ذی الحجہ ۱۱۸۸ھ درج ہے اور حضرت ذوقیؔ کے دستِ مبارک سے نقل شدہ ہے۔رسالہ کے شروع میں فرماتے ہیں:

''این چہل حدیث است در مناقب خلفائے راشدین و آل نبوی ﷺ کہ فقیر ضعیف غلام محی الدین سید عبداللطیف آن را تالیف نمودہ و بفارسی ترجمہ کردہ تا مبتدیاں رافائدہ تمام ازاں حاصل شود۔''

راقم الحروف نے اس رسالہ کا اردو میں ترجمہ کیا ہے جو سالنامۂ اللطیف ۱۹۹۲ء میں شائع ہو چکا ہے۔

۲۲۔رسالۂ علم عروض : فن عروض پر ایک مختصر و جامع اور مفید رسالہ ہے جسے حضرت ذوقیؔ نے صرف پانچ دن میں مکمل کیا ہے۔رسالہ پر درج کردہ تاریخ ۴ محرم الحرام ۱۱۸۹ھ ہے۔لکھتے ہیں:

این نامہ کز و سلک من یافت نظام　　　بحریست پراز جواہر حسن کلام

ماہی است فروزندہ از نقصان دور　　　این طرفہ کہ در پنج روز گر دید تمام

۲۳۔مختصر المناظر: علم بیان و معانی اور انشاء و بلاغت سے متعلق ایک سو صفحات پر مشتمل ایک بہترین رسالہ ہے اور انداز بیان اس قدر سہل و سادہ اور اس قدر دل نشین ہے کہ درس نظامیہ کے نصاب میں شامل کئے جانے کے لائق ہے۔تاریخ تصنیف ۵، محرم ۱۱۸۹ھ درج ہے اور یہ رسالہ درج ذیل عنوانات میں منقسم ہے:

۱۔ مقدمۃ فی ماھیۃ الانشاء　۲۔الفصل الاول فی ماھیۃ العلم و موضوعہ و غایتہٖ　۳۔الفصل الثانی فی مفھوم الکلام و تقسیمہ　۴۔الفصل الثالث فی بیان البلاغۃ ۔اس رسالہ کا ایک ہی نسخہ ہے جو مفید عام کتب خانہ اہل اسلام، والا جاہ روڈ، مدراس میں موجود ہے۔

۲۴۔تادیب الخلان : یہ ایک مختصر سی مثنوی ہے جس میں شریعت مطہرہ کی پابندی اور عقائد کی اصلاح و درستگی پر زور دیا گیا ہے۔رسالہ کے اختتام پر مولوی نظام الدین احمد صادق سے متعلق چند شعر درج ہیں۔ایک شعر یہ ہے:

این نامہ نغز شد مسود　　　از بہر نظام الدین احمد

۲۵۔الطالع من طالع العینیۃ اللامع بلوامع الغیریۃ : حضرات صوفیاء

کے مشہور و معروف مسئلہ عینیت اور غیریت پر بحث کی گئی ہے۔ رسالہ کے آخر میں حضور اکرم ﷺ کی شان میں نعت اور سلسلۂ قادریہ کے شیوخ کے مناقب لکھے گئے ہیں۔

۲۶۔ تصحیح الصلوۃ: حضرت ذوقیؔ نے یہ رسالہ محمد مخدوم مہکری کی درخواست پر لکھا ہے اور اس میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں۔ بابِ اول میں طہارت کے مسائل اور باب دوم میں نماز کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔ ۱۲۰۶ھ میں لکھا گیا ہے ایک قلمی نسخہ کتب خانۂ مدرسہ محمدی، دیوان صاحب باغ مدراس میں موجود ہے۔

۲۷۔ دلائل امامت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ: یہ کتاب ۲۴، ذی الحجہ ۱۱۸۸ھ میں لکھی گئی ہے اور اس میں ان فاسد عقائد اور خیالات کی تردید کی گئی ہے جو حضرت علی کی خلافت سے متعلق امت کے ایک طبقے میں آج بھی پھیلے ہوئے ہیں۔

۲۸۔ عجالۂ نافعہ: ماثورات کا ایمان افروز مجموعہ ہے۔

۲۹۔ الدرر: حضرت ذوقیؔ کے خطبات جمعہ کا مجموعہ ہے اور یہ عربی زبان میں ہے۔ اس کی تاریخ تدوین ۲۸، ذی قعدہ ۱۱۸۸ھ ہے۔

۳۰۔ تصفیة الاذهان فی ردالروافض: ۳۱: نواقص الروافض

۳۲۔ سلالۃ العقائد: مذکورہ تینوں کتابوں میں شیعہ عقائد کا رد کیا گیا ہے۔ حضرت ذوقیؔ کے عہد میں جنوبی ہند کے اندر رفض و شیعیت کا سیلاب امنڈ اپڑا تھا۔ اس عظیم فتنہ کی سرکوبی کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت ذوقی کو شرح صدر کی نعمت اور عزیمت عطا فرمائی۔ جس کے نتیجہ میں یہ تصنیفات منصۂ شہود پر جلوہ نما ہوئیں۔

۳۳۔ باب النجات: اہل سنت و جماعت کے عقائد پر مشتمل ایک مختصر رسالہ ہے۔ حضرت ذوقیؔ نے عربی و فارسی کے علاوہ اردو (دکھنی زبان) میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ قائم رکھا۔ اردو زبان میں آپ کی دو مثنویاں اور ایک قصیدہ دستیاب ہوا ہے ممکن ہے کہ آئندہ اور بھی اردو کلام دستیاب ہو جائے۔ دکھنی زبان میں تصنیف و تالیف سے آپ کا منشاء اور مقصد عوام کی اصلاح اور تعلیم ہے۔ جیسا کہ دیگر صوفیائے کرام نے بھی اسی مقصد اور اسی غرض سے اردو زبان کو گلے سے لگایا۔ تا کہ عوام کی زبان میں دین

کی تعلیمات کو عام کر سکے۔ یہ وہ دور تھا جس میں فارسی زبان کا طوطی بول رہا تھا۔ اہلِ علم اور اصحاب قلم اپنی علمی تحقیقات اور نگارشات کو عربی اور فارسی زبان ہی میں پیش کرنے کے عادی تھے اور یہ نو خیز نویلی خانگی و بازاری اور عوامی زبان چنداں قابلِ التفات اور لائقِ اعتناء نہ تھی۔ ایسی فضا میں اہلِ دل حضرات صوفیاء جو صاحبِ کمال و ہنر اور ذی علم و فضل تھے، نے دعوت و تبلیغ اور تعلیم و تزکیہ کے لئے اردو زبان کو اختیار کیا۔ ان ہی حضرات کی نظر عنایت اور نگاہِ التفات کی برکت تھی کہ اردو زبان سنوری، نکھری اور ایک حسین روپ پائی ۔ بے شک صوفیاء کا مقصد اردو ادب اور اصنافِ سخن کی ترویج و ترقی نہ تھا۔ لیکن ان حضرات کے نثری اور شعری سرمایہ کی بدولت ہی اردو زبان و ادب کو نشو و نما، عروج و ترقی اور قبولیت خاصہ کی نعمت نصیب ہوئی۔ جس کے احسان سے اردو کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتی۔ حضرت ذوقیؔ کا اردو کلام، زبان کے ابتدائی نمونوں اور شہ پاروں میں ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ بقول ڈاکٹر افضل الدین اقبال، صدر شعبۂ اردو عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد:

"حضرت ذوقیؔ کا جو بھی اردو کلام دستیاب ہوا ہے اس سے آپ کی قادر الکلامی، مضمون آفرینی، جدتِ طبع اور تخیل کی بلندی آشکار ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ کلام میں سلاست اور روانی بہت نمایاں ہے۔ آپ قدیم اردو کے ایک خوش گو اور قادر الکلام شاعر تھے۔ آپ کی مختصر سی شعری تخلیقات دکنی زبان و ادب کا گراں مایہ سرمایہ ہیں۔"

(حضرت ذوقیؔ: حیات اور خدمات: ڈاکٹر افضل اقبال: سالنامۂ اللطیف: ص: ۱۹۵۔۱۹۷: مطبوعہ ۱۴۰۴ھ)

۳۴۔ عقائد ذوقی : اردو زبان میں آپ کی بہترین علمی و مذہبی اور افادی تصنیف عقائد ذوقی ہے۔ اس کے نام ہی سے موضوع ظاہر ہے۔ حضرت ذوقیؔ نے عقائد سے متعلق قرآن و حدیث اور علم کلام کی روشنی میں مفصل بحث کی ہے اور اہل سنت کے عقائد کو جو مذہبِ ماتر دیہ کے موافق ہیں نظم کیا ہے ۔ یہ مثنوی ایک سو نو شعر پر مشتمل ہے۔ اس کی تکمیل کی تاریخ ۱۰، صفر ۱۱۹۰ھ مطابق ۱۷۷۶ء شب یکشنبہ درج ہے۔ استاذ محترم افضل العلماء مولوی ابو المکارم سید شاہ مصطفےٰ حسین بخاری لطیفی کڈپوی نے حل لغات اور ترجمۂ متن کے ساتھ سالنامۂ اللطیف ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۹۷۳ء میں شائع کیا ہے۔

حضرت ذوقیؔ کی دوسری دکھنی تصنیف "غوث نامہ" ہے۔ حضرت ذوقیؔ کو غوثِ پاک علیہ الرحمہ

سے بڑی محبت و الفت اور عقیدت تھی جس کا اظہار انھوں نے اپنی فارسی شاعری میں متعدد مقامات پر کیا ہے اور حضرت غوثِ پاک سے روحانی استفادہ کا ذکر اور اعتراف اپنی کتاب ''انشائے لطف الٰہی'' میں مختلف جگہوں پر کیا ہے اور کئی ایک واقعات نقل فرمایا۔ حضرت غوث پاک کے ساتھ حضرت ذوقیؔ کی والہانہ وعاشقانہ اور فداکارانہ عقیدت کا یہ عالم ہے کہ آپ نے اپنی کتابوں کے آغاز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے نیچے ''یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیاً للہ لکھا ہے۔

۳۵۔ غوث نامہ : غوث نامہ میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی سیرت وسوانح کا تذکرہ ہے۔ یہ مثنوی ۴۰۸ چار سو آٹھ اشعار پھیلی ہوئی ہے اور صرف دو دن کے اندر لکھی گئی ہے۔

(حضرت ذوقیؔ حیات اور خدمات: ڈاکٹر افضل اقبال: سالنامہ اللطیف: ص:۱۹۶: مطبوعہ ۱۴۰۴ھ)

حضرت ذوقیؔ کی اردو میں تیسری تخلیق ایک قصیدہ ہے جو ترسٹھ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں آپ نے اپنے والد ماجد حضرت قربیؔ کے فضائل ومناقب اور محامد بیان کیا ہے اور یہ مکمل قصیدہ ماہ نامہ ''سب رس'' حیدرآباد کے شمارہ ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا ہے۔

دیوان قربیؔ کے مرتب پروفیسر فضل اللہ نے حضرت ذوقیؔ کے ایک دکنی قصیدہ کا ذکر کیا ہے۔ حضرت قربی کی ایک غزل جس کا مطلع اور مقطع یہ ہے: اس کے متعلق پروفیسر موصوف نے حاشیہ میں نوٹ لکھا ہے:

جب جھب سون باغ میں اوسرو سمن برآیا خدمت میں اس کے برپا ہوئے صنوبر آیا

تجھ گوش کے صدف میں اس کاچ جائے کرنے قربیؔ کے بحر دل سوں غلطان ہو گوہر آیا

اس غزل کی زمین میں حضرت قربیؔ کے فرزند اور شاگرد ذوقیؔ نے اپنے پیر و مرشد قربیؔ کی شان میں ایک دکنی قصیدہ قلم برداشتہ لکھا ہے۔ (دیوان قربیؔ: ص:۳۸: مرتب پروفیسر سید فضل اللہ: مطبوعہ: ۱۹۶۴ء)

پروفیسر موصوف نے دکنی قصیدہ کی صرف اطلاع پر اکتفا کیا ہے۔ اگر اس کو نقل بھی کر دیتے تو ان کی یہ تحقیق واطلاع اہلِ علم کے لئے مفید ثابت ہوتی۔ ان کے علاوہ کسی تذکرہ نگار نے حضرت ذوقی کے اس دکنی قصیدہ کی اطلاع نہیں دی ہے۔ غالباً قلمی محفوظات کے ذخیرہ میں یہ قصیدہ پروفیسر موصوف کی نظر سے گزرا ہے اس لئے انھوں نے اس قصیدہ کی صراحت کردی ہے۔

حضرت ذوقیؔ کے اردو کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو:

حقائق الاشیاء ثابتۃ — اشیاء کی حقیقتیں ثابت ہیں
ہے ثابت حقیقت ہر اک چیز کی — یہی بات ہے اہلِ تمیز کی ۱
او۲ نزدیک ارباب عقل وسداد — نہیں وہم ہور ۳ تابع اعتقاد
ہے مائی۴ سو مائی اگن ۵ سو اگن — بھی انسان سو انسان ہور جن سو جن
نہ جیون۶ تس۷ کو سمجھے۸ او دوں۹ دوں دسے۱۰ — سخن فلسفی کا سند نیں ۱۱ کیسے ۱۲
والعالم حادث قابل للفناء — عالم نو پیدا فنا ہونے والا ہے
بھی ہے عالم ہے حادث نہ تھا سو ہوا — قدیم ۱۳ اسی کو کہنا نہیں ہے روا
سجھنا گنہ کو سبک ۱۴ ہور حلال — سجھ اصل ۱۵ ہر کفر ہور ضلال
اہانت کرے جن ۱۶ شریعت کی آ — دیا مسخری ہے اور کافر سدا
نہیں یاس وامن استی ہر گز روا — ہے ایمان مابین ۱۷ خوف ورجا
یقین کر کو سمجھ کہ رب انام — عذاب اس کا ہے سخت، رحمت ہے عام
ان ہی توں ذوقیؔ کو ایمان دے — پس ذات کا ہے اس کو عرفان دے

(مثنوی عقائد ذوقی)

۱۔فقہائے کرام، ۲۔وہ، ۳۔اور، ۴۔مٹی، ۵۔آگ، ۶۔جیسا، ۷۔اس کو، ۸۔وہ، ۹۔اسی طرح، ۱۰۔نظر آئے، ۱۱۔انہیں، ۱۲۔کسی کے لئے، ۱۳۔ازلی، ۱۴۔معمولی، ہلکا، ۱۵۔جڑ، ۱۶۔جو، ۱۷۔درمیان،

اوبے ۱۸ بدل ہے دائم ابرار پر سر آمد — اوقطب ہے زمیں کا، اوغوث ہے زمن کا
اسرار معرفت کے جو فہم سوں ۱۹ ہیں باہر! — یا تھے اوالحق میں یا ہیں ابوالحسن میں
ذوقیؔ تو کیا کرے گا تعریف اس ولی کی — کرتے ہیں خسرواں جس کی تعریف چوکداں ۲۰ میں

۱۸۔وہ، ۱۹۔سے، ۲۰۔چاروں طرف سے

پس کرا تا ا کدنین ۲ رہے توصیف میں اوشہ کے — طاقت تری زباں میں قدرت تیرے سخن میں
ہر گز تو نا سکے گا کرنے کوں وصف اس کا — حسان ۳ اگرچہ تو ہے، اس کشور دکن میں!
جب لگ ۴ ہوے گگن ۵ ہور جب لگ ہے چاند سورج — ہے نام تس ۶ کا باقی خوبی سوں ۷ تر بھون میں

(غوث نامہ)

۱۔اب ۲۔نہیں ۳۔دربارِ نبوی کے شاعر ابنِ ثابت ۴۔تلک، تک ۵۔آسمان ۶۔جس ۷۔سے

۳۶۔نظم تذکرۃ الاولیاء	چار ہزار اشعار پر مشتمل ہے
۳۷۔تذکرۃ اولیائے سلاسل	دو ہزار اشعار پر مشتمل ہے
۳۸۔تعداد الشہود	تین ہزار اشعار پر مشتمل ہے
۳۹۔نظم معارج النبوۃ	چھ ہزار اشعار پر مشتمل ہے
۴۰۔زین اللغات	انتخاب فرہنگ جہانگیری

تین ہزار اشعار پر مشتمل ہے

۴۱۔غرائب اللغات	الفاظ لغت اور تفسیر لغت دونوں غیر منقوط
۴۲۔جواہرستان در وصف تیغ نگارستان	چار ہزار اشعار پر مشتمل ہے
۴۳۔جامع العجائب	
۴۴۔دُرِ ثمین	دو ہزار ایک سو اشعار پر مشتمل ہے
۴۵۔مجموعہ رُباعیات	دو ہزار رباعیات پر مشتمل ہے
۴۶۔دیوان قدیم	سات ہزار رابیات پر مشتمل ہے
۴۷۔اکبر، اوسط، اصغر	
۴۸۔اصطلاحات الشعراء	
۴۹۔مفتاح الاسرار	
۵۰۔رسالۂ استغناء	

حضرت ذوقیؔ کی تصنیفات کی تعداد تذکرہ نویسوں نے مختلف بتلائی ہے۔آپ کے اولیں سوانح نگار حضرت واعظ بنگلوری (مثنوی مطلع النور:ص:۱۳) نے ساٹھ، حضرت مولوی زکریا ادیب خاور رائچوٹی (خانوادۂ اقطاب ویلور:ص:۳۶،۳۷) نے پچاس، حضرت مولوی محمد طیب الدین اشرفی (انوار اقطاب ویلور:ص: ۵۰)اور مولانا سید محمد قادری (ضمیمۂ جواہر السلوک:ص:۲۶۳) نے ساٹھ سے متجاوز بتلائی ہے۔مولانا سید محمد

قادری مولوی محمد زکریا ادیب خادر اور پروفیسر یوسف کوکن عمری نے بعض کتابوں کا تعارف پیش کیا ہے۔ مولوی محمد طبیب الدین نے صرف کتابوں کے نام ہی گنوائے ہیں۔ ڈاکٹر سید عثمان قادری نے بھی اپنے مقالہ (اقطاب ویلور اوران کے خلفاء کی ادبی، علمی و دینی خدمات مقالہ برائے پی ایچ ڈی غیر مطبوعہ۔ ص۔ ۶۴) میں حضرت ذوقی کی دیڑھ سو تصانیف کی نشان دہی کی ہے۔

حضرت ذوقیؔ اپنے عہد کے ممتاز عالم و فاضل، عارف وصوفی، مصلح و مبلّغ، مصنف و مؤلف اور شاعر و ادیب تھے۔ آپ کی محیر العقول تصنیفات علم و ادب کا ایک عظیم ترین گنجِ گراں بہا ہے۔ آپ کے ہم عصر اہل علم و قلم حضرات مثلاً حضرت باقر آگاہ مدراسی ۱۲۲۰ھ، حضرت عبد العلی بحر العلوم لکھنوی ۱۳۳۵ھ، حضرت خواجہ رحمت اللہ نلوری ۱۱۹۷ھ اور حضرت مولانا سید محمد قادری ۱۱۸۴ھ حضرت شاہ نور اللہ کڑپوی ۱۲۱۴ھ وغیرہ کی علمی و ادبی و دینی خدمات بھی اپنی جگہ مفید اور مسلّم ہیں۔ حضرت ذوقیؔ کا زمانہ علم و ادب کی تاریخ کا ایک زرّین زمانہ تھا۔

ا۔ اب نہیں، ۲۔ ۳، حضرت حسان ثابتؓ، صحابیٔ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ عربی کے بلند پایہ دربار رسالت کے عظیم شاعر تھے۔ اور آپ کو یہ شرف تھا کہ حضورؐ نے آپ کے لئے ایک منبر تیار کیا تھا جس پر کھڑے ہو کر اشعار پڑھتے تھے۔ ۴۔ تلک۔ آسمان ۵۔ جس، ۶۔ سے

☆☆☆

حضرت سید شاہ ابوالحسن ثانی قادری محوؔی ویلوری

اس خانوادہ کی چوتھی صاحب جذب و استغراق شخصیت حضرت مولانا سید شاہ ابوالحسن ثانی قادری محوؔی ویلوری قدس سرہٗ ہے۔ آپ حضرت ذوقؔی کے صاحب زادے ہیں۔ آپ کی ولادت ۲۷، شعبان المعظم ۱۱۸۶ھ مطابق ۱۷۷۲ء روز دوشنبہ بوقت عصر ہوی۔ (ضمیمۂ جواہر السلوک: ص:۲۶۶)

حضرت محوؔی کی ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی۔ جب آپ کی عمر آٹھ سال ہوئی تو والد کا انتقال ہوگیا۔ والدہ حضرت بی بی سکینہ بنت حضرت عبدالعلی محمد خداوند خان غوری عرف میاں صاحب ابنِ محمد شہاب الدین میراں خان غوری، آپ کو مدراس لے گئیں۔ جہاں آپ نے مختلف اساتذۂ روزگار سے تفسیر، حدیث، فقہ، علمِ کلام، علمِ طب، منطق، فلسفہ اور دیگر مروجہ اسلامی علوم وفنون کی تحصیل اور تکمیل کی اور اس کے بعد اپنی والدۂ ماجدہ کے ساتھ ویلور واپس تشریف لائے اور اپنے رشتہ کے دادا محترم حضرت مولانا سید شاہ محمد میر تقی قادری سے تصوف وسلوک کی تعلیم حاصل کی اور بیعت وخلافت سے مشرف ہوئے

(سالنامہ "اللطیف": سلور جوبلی ص: نمبر: ۱۷: مطبوعہ ۱۴۰۴ھ)

حضرت محوؔی نے قربِ جسمانی کے علاوہ قربِ قلبی سے بھی اکتسابِ فیض کیا اور کم عمری وکم سنی میں علومِ ظاہری و باطنی کی تکمیل اور نسبتِ ظاہری اور نسبتِ باطنی دونوں سے مستفیض اور بہرہ ور ہوئے۔

حضرت قطبؒ ویلور اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں:

"ابی و شیخی حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری نیز اویسی بودند از روح پر فتوح حضرت سید عبدالقادر جیلیؒ اخذ فیض کردہ اند" (مکتوباتِ لطیفی: قلمی مخطوطہ)

''میرے والد اور شیخ حضرت ابوالحسن محوؔی بھی اویسی تھے۔ انھوں نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی روحِ پرفتوح سے فیض پایا ہے۔''

(اُویسی وہ سالکِ طریقت ہے جس کی تعلیم وتربیت اور تکمیل ارواحِ مقدسہ سے توجہاتِ باطنی کے ذریعہ ہوئی ہو: راقم)

حضرت عبدالحی بنگلوری فرماتے ہیں کہ حضرت محوؔی کو شیخ عبدالقادر جیلانی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بذریعہ خواب فیضِ روحانی پہنچا۔

تربیت پر تھی اس کی اے گیانی ۔۔۔ پارہا تھا وہ فیضِ روحانی

روحِ پاک اور غوث اعظم کی ۔۔۔ اور حضرت علی اکرم کی

اور یہ علم و کمال روز بہ روز ۔۔۔ دیا مولیٰ ترقی فیروز

(مثنوی مطلع النور: ص:۱۵)

حضرت محوؔی پندرہ سال کی عمر میں آستانہ کے سجادہ نشین اور حضرت ذوقؔی مرحوم کے جانشین ہوئے اور تعلیم وتزکیہ کے کام میں ہمہ تن مشغول ہو گئے بقول شاہ عبدالحی بنگلوری:

پنج دہ سالہ ہوا ہے جب وہ بجا ۔۔۔ اپنے والد کا جانشین ہوا

(مثنوی مطلع النور: ص:۱۵)

حضرت محوؔی کی عمر جب بیس سال ہوی تو اس وقت آپ کے اندر جذب وسکر اور محو واستغراق کی کیفیت پیدا ہو گئی اور آپ سے عجیب وغریب حالات اور کرامات کا صدور رہا۔ بقول صاحب مطلع النور:

ہوی اس کی سن بیس سال کی جب ۔۔۔ اس کو پہنچا ہے اک جذبۂ رب

حالتیں بس عجیب اور فاخر ۔۔۔ اس سے ہونے لگی ہیں تب ظاہر

(مثنوی مطلع النور: ص:۱۶)

صاحب ضمیمہ جواھر السلوک فرماتے ہیں:

''در شہور ہزار ودو صد و شش اور اجذبہ رسید وحالات عجیب ازوے ہوید اگر دید و در آخر عمر در جماعت ملامتیہ مجذوب ومسلک شد ومصداق الملامتی ھوالذی لایظہر خیرا ولا یضمر شراً گردید و در رعایت معنی اخلاص واخفاء طاعات وکتم خیرات از نظر خلق مبالغہ واجب می دانست۔''

(حضرت محوی۔حیات اور خدمات: ڈاکٹر افضل اقبال: سالنامہ اللطیف: ص:۱۶۷: مطبوعہ ۱۳۹۹ھ)

۱۲۰۶ ہجری میں حضرت محوی پر جذب کی کیفیت طاری ہوی اور آپ سے عجیب و غریب حالات کاظہور ہونے لگا اور آپ عمر کے آخر دور میں گروہ ملامتیہ میں شامل ہو گئے۔ ملامتیہ وہ فرقہ ہے جو خیر و نیکی کو ظاہر نہیں کرتا اور کمزوری اور عیب کو مخفی بھی نہیں رکھتا۔ اسی طرح آپ بھی اپنی اپنی نیکیوں کو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھنے میں حد درجہ کوشاں رہنے لگے۔

بیس سال کی عمر میں حضرت محوی کا نکاح، حضرت مولانا سید علی قادری کی صاحب زادی حضرت بی بی امۃ المجید سے ہوا۔ جن کے بطن سے دو صاحب زادے اور تین صاحب زادیاں تولد ہوئیں۔ حضرت قطب ویلور آپ کے بڑے صاحب زادے ہیں۔ اور دوسرے صاحب زادے حضرت مولانا سید عبدالعلی ہیں۔ وہ بھی بڑے عالم اور صاحبِ ولایت بزرگ تھے۔

(حضرت محوی: حیات اور خدمات: ڈاکٹر افضل اقبال: سالنامہ اللطیف: ص:۱۶۷: مطبوعہ: ۱۳۹۹ھ)

حضرت محوی اخلاقیات میں بلند درجہ پر فائز تھے۔ آپ انتہائی غیور و خوددار، زاہد و عابد اور متوکل و قناعت پسند بزرگ تھے۔ لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آنا تو آپ کی فطرتِ ثانیہ تھی۔ آپ کی بخشش وعطا کا یہ عالم تھا کہ کبھی کوئی سائل آپ کی بارگاہ سے خالی ہاتھ نہیں لوٹا۔ آپ کی سخاوت سے اغنیاء و امراء کو بھی حیرت ہوا کرتی تھی۔ بقولِ شاہ عبدالحی بنگلوری:

کہ بیاں اس کے ہو توکل کا	اور قناعت کا اور تبذل کا
اور سخاوت میں اس کی شان، علیٰ	ایسی بخشا تھا لطف سے مولیٰ
کہ امیروں کو تھی پشمانی	اغنیا کو کمالِ حیرانی

(مثنوی مطلع النور: ص:۱۷)

ضمیمۂ جواہر السلوک کے مولف لکھتے ہیں "بردر امراء نمی رفت، مرجع عالم و حاتمِ وقت بود ہفت صد اسپ کہ قیمتش کم از پنجاہ روپیہ و زائد از ہزار نبود زیادہ از یک لک نقد بسائلان داد" (ضمیمۂ جواہر السلوک: ص:۲۶۵) آپ کبھی کسی ضرورت سے امراء و اغنیاء کے در پر تشریف نہیں لے گئے۔ جود و سخا میں حاتم وقت اور مرجع عالم تھے آپ کی بخشش وعطا اور داد و دہش میں سات سو گھوڑے اور ایک لاکھ روپیہ شامل ہیں۔

حضرت محوی کا انتقال ستاون ۵۷ سال کی عمر میں ۲۶، جمادی الآخر ۱۲۴۳ھ مطابق ۱۸۲۷ء روز دوشنبہ بوقتِ صبح صادق ویلور میں ہوا اور آپ اپنے جد امجد حضرت قربؔی کے پہلو میں مدفون ہیں۔ آپ کی وفات کے دو سال بعد ۱۲۴۵ھ میں آپ کے صاحب زادے حضرت قطب ویلور نے مزارات پر درگاہ شریف تعمیر کروائی جس کی دیوار پر نصب شدہ ایک سنگین کتبہ سے معمار کا نام اور تعمیر کا سال معلوم ہوتا ہے:

بنائے روضہ ابن ابوالحسن کرد! | بدان آئین کہ رضوان دارش دوست

بفکر سال بودم گفت ہاتف | کہ محی الدین ثانی بانی اواست

۱۲۔۔۔ھ۔۔۔۴۵۔۔۔

درگاہ شریف کی دیوار پر یہ قطعۂ تاریخ کندہ ہے جس سے حضرت محوؔی کے سن وفات کی صراحت ہوتی ہے۔

شد از طاق رخصت روان ابوالحسن | پئے سیر در روضۂ جاوداں

در آمد بمغرب سرِ آفتاب | چہ گویم سنش غابِ قطب الزماں

۱۲۴۳ھ

حضرت محوی نے تعلیم و تدریس، تزکیہ و تطہیر اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ بڑی عظیم اور مفید خدمات انجام دی ہے۔ مولانا عبدالحی بنگلوری نے ایک شعر میں آپ کی تعمیر مسجد و مدرسہ اور خانقاہ کا ذکر کیا ہے۔

مسجد و خانقاہ رباطِ کلاں | مدرسہ وہ بنایا عالی شان

(مثنوی مطلع النور: ص: ۱۷)

حضرت محوؔی کے قلم سے بہت سی کتابیں منصہ شہود پر جلوہ کناں ہوئیں اور ان کا موضوع تصوف ہے۔ راقم الحروف کے علم اور تحقیق میں جو کتابیں سامنے آئیں اس کے مطابق فارسی میں آپ کی دو کتابیں ہیں۔ ایک رسالہ ''شرح حقیقتِ محمدی'' ہے جس میں آپ نے مقامِ محمدی اور حقیقتِ محمدی سے متعلق مدلل بحث کی ہے۔ آپ کی یہ تصنیف ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ دوسری تصنیف ''مسئلہ بیعت غائب و حاضر'' ہے۔ اس میں آپ نے سوال و جواب کے پیرائے میں درج ذیل عنوانات پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۔ مرشد کی تعریف | ۲۔ مرید کا معنی و مفہوم

۳۔ مرشد غائب سے بیعت
۴۔ مرشد غائب سے خلافت کا حصول
۵۔ سن بلوغ سے پہلے کی بیعت کا حکم
۶۔ فسخ بیعت
۷۔ طریقت میں ارتداد
۸۔ ولایت کسبی اور عطائی
۹۔ اولیاءاللہ کی اقسام
۱۰۔ روح کی زندگی
۱۱۔ روح کے تصرفات۔ وغیرہ

ایک مقام پر روح سے متعلق فرماتے ہیں:

''بہ تحقیق ثابت شدہ است بآیات و احادیث کہ روح باقی است و اوراعلم وشعور بزائران و احوال ایشان ثابت است، اولیائے کرام را کرامات وتصرفات درا کوان حاصل است ومتصرف حقیقی نیست مگر خداعز شانہٗ ہمہ قدرت اوست وتصرف در ہر دو حالت (حیات وممات) مگر حق جل جلالہٗ را''

(رسالۂ بیعت غائب وحاضر:ص:۳۰:مصنف حضرت محویؔ:ناشر دارالتصنیف ویلور:۱۹۶۴ء)

آیات واحادیث سے ثابت ہے کہ روح غیر فانی ہے اور اس کو زیارت کرنے والوں اوران کے احوال کا علم ثابت ہے۔ دنیا میں اولیاءاللہ کو کرامات اور تصرفات کی قوت منجانب اللہ حاصل ہے اور یہ حضرات متصرف حقیقی نہیں ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی متصرف حقیقی ہے اولیاءاللہ کی زندگی اور موت ہر دو حالتوں میں تصرف کا حق اور قوت صرف اللہ ہی کی ذات کو ہے۔ ان حضرات کرام کو اللہ تعالی کی جانب سے یہ قوت حاصل ہوتی ہے۔

حضرت محویؔ نے دکنی زبان میں متعدد کتابیں لکھی ہیں اور ان کا موضوع تصوف ہے۔ آپ کے یہ تمام رسائل قلمی ہیں اور کتب خانۂ دارالعلوم لطیفیہ ویلور اور کتب خانۂ مدرسۂ محوی، دیوان صاحب باغ مدراس اور کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں موجود ہیں۔

۱۔ رسالۂ تفصیل المراتب فی اطوار المراتب: حضرت محوی نے یہ رسالہ عورتوں اور کم لکھے پڑھے لوگوں کی خاطر لکھا ہے۔ جیسا کہ رقمطراز ہیں:

''فقیر حقیر سید ابوالحسن قادری یہ رسالہ بیچ بیان مراقبہ کے لکھتا ہے تا اسی لوگ اور عورتوں کوں کام آوے اور وہ اس میں ذوق پا کر اس فقیر کو دعائے خیر سیں یاد کریں اور اس کا نام رکھا ''تفصیل المراتب فی اطوار المراتب''۔

یہ رسالہ حسب ذیل "الحوار" پر مشتمل ہے:

ا۔اسم اللہ (باطن) (۲) اسم اللہ (ظاہر) (۳) اللہ تعالیٰ اس مراقب کو جس چیز کی اطلاع کرتا ہے۔اس کا وہ مراقب رہتا ہے۔(۴) معیت بلا حصول واتحاد (۵) مراقبہ اسم اعظم (صفت عظمت الہیہ) (۶) مراقبہ عجز انسانی (۷) حیثیت اسم ظاہری

دوسرے الحوار، اسم اللہ ظاہر کے چار مراتب ہیں۔(۱) فنا فی العمل (توحید افعالی) (۲) فنا فی الصفات (توحید صفاتی) (۳) فنا فی الذات (توحید ذاتی) (۴) فنائے مطلق (توحیدِ مطلق)

۲۔ رسالہ ذکر وجود و مراتبِ وجود: اس رسالہ میں صوفیاء کے معروف مسئلہ اندراج (کل شئی فی کل شئی) کی شرح کی گئی ہے۔تاریخ تصنیف ۱۲۴۳ھ مطابق ۱۸۲۷ء درج ہے۔

۳۔ رسالۂ ذکر: اس رسالہ میں حمد و نعت کے بعد ذکر، مراتب ذکر، شرائطِ ذکر اور درجِ ذیل چھ اقسام ذکر کی تفصیل موجود ہے۔ا۔ذکرِ لسانی ۲۔ذکرِ قلبی ۳۔ذکرِ روحی ۴۔ذکرِ سرّی ۵۔ذکرِ ذکر اللہ ۶۔ذکرِ بقاء اس کا ایک نسخہ اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد میں موجود ہے۔

٤۔ رسالۂ نفسِ رحمانی: حضرت محویؔ نے یہ رسالہ اپنے ایک مرید خاص شیخ جمال الدین لنگری کی درخواست پر لکھا ہے چنانچہ فرماتے ہیں: ایک روز مجلس خاص میں کب تک باتاں ہور کب تک حکایتاں زباں سوں باہر آیاں۔ کہنے مریدانِ خاص با اخلاص خصوصاً شیخ جمال الدین لنگری جو مرید خاص با اخلاص تھے انو نے عرض کیے ہمنا عربی ہور فارسی کی عبارت بوجنا محال ہے۔اگر دکنی میں ہوگا تو ہمنا ہور پیر بھائیاں کو فائدہ تمام حاصل ہوگا۔"

۳۸ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ کتب خانۂ مدرسۂ لطیفیہ ویلور اور کتب خانۂ آصفیہ اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد میں موجود ہے۔اس میں مراتب عروج و نزول کی شرح اور آخر میں دعا کی اہمیت و فضیلت بیان کی گئی ہے۔

۵۔ رسالۂ معرفت: اس رسالہ میں من عرف نفسہ فقد عرف ربہٗ (جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہنچانا) کی تشریح کی گئی ہے۔اختتام پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تشریح ایک انوکھے انداز میں بیان کی گئی ہے۔ملاحظہ ہو:

شریعت میں کلمۂ توحید کا معنی = نیں ہے معبود بحق مگر اللہ تعالیٰ

طریقت میں کلمہ توحید کا معنی = نہیں ہے مقصود ہماری عبادت میں مگر اللہ تعالی

حقیقت میں کلمہ توحید کا معنی = نیں ہے مشہود مگر اللہ تعالی یعنی ہمنا جو چیز دستی ہے وہ سب تجلیات اللہ تعالی کی ہے

معرفت میں کلمہ توحید کا معنی = نیں ہے موجود مگر اللہ تعالی یعنی جو جہاں میں موجود ہے سو سب ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔

۶۔ **رسالۂ عالم ارواح**: اس رسالہ میں عالم ارواح کی تفصیل کے ساتھ عالم غیب، عالم امر، عالم علوی اور عالم ملکوت کی تشریحات بیان کی گئی ہیں۔

۷۔ **رسالۂ عالم مثال**: اس رسالہ میں اجمالاً سلوک پر روشنی ڈالتے ہوئے ناسوت و ملکوت، جبروت ولاہوت کی تشریحات بیان کی گئی ہیں۔

۸۔ **رسالۂ اسمائے ربوب الٰهی**: اس میں اسمائے صفاتی کی شرح بیان کی گئی ہے اور یہ حضرت محویؔ کی زندگی کا آخری رسالہ ہے۔

حاصلِ کلام! دکنی زبان میں حضرت محویؔ کے یہ کل آٹھ رسالے ہیں اگر یہ زیورِ طباعت سے آراستہ ہو جائیں تو علمِ تصوف کی عظیم خدمت ہوگی اور دکنی زبان وادب کے قدیم و نادر اثاثہ کی صیانت و حفاظت ہو جائے گی۔ آپ کی نثر نگاری سے متعلق ڈاکٹر افضل اقبالؔ رقم طراز ہیں:

''حضرت محویؔ نے بہت سی کتابیں اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ آپ نے تصوف کے مسائل بیان کرنے کے لئے نظم پر نثر کو ترجیح دی۔ آپ نے اپنے رسالوں میں متصوفانہ مضامین کو آسان اور عام فہم انداز میں بڑی عمدگی سے بیان کیا ہے۔ عام لوگوں کے لئے چونکہ عربی اور فارسی کا سمجھنا مشکل تھا اس لئے آپ نے تصوف کے نکات اردو (دکنی) زبان میں بیان کیا ہے۔ حضرت محویؔ کی زبان پر قدامت کا اثر نمایاں ہے۔ آپ نے کئی متروک الفاظ جو آپ کے ہم عصر نثر نگار ترک کر چکے تھے استعمال کیا ہے: مثلاً سیں۔ کتک، ہور، سوں ہمنا، دستی وغیرہ۔ حضرت محویؔ کی تصانیف قدیم اردو ادب کا گراں قدر سرمایہ ہے۔ ان کی اشاعت سے قدیم اردو نثر کے ذخیرے میں گراں قدر اضافہ ہوگا۔''

(حضرت محویؔ: حیات اور اردو خدمات: ڈاکٹر افضل اقبال: سالنامہ اللطیف: ۱۳۹۹: ص: ۱۲۸)

حضرت محوؔی کا عہد ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ سلطان ٹیپو کی شہادت کے بعد سارے ملک پر بتدریج انگریزوں کا اقتدار مستحکم ہوتے چلا گیا۔ سامراجیت کے غلبہ کی وجہ سے مسلمانانِ ہند گوناگوں سیاسی، معاشی اور مذہبی مسائل سے دوچار ہوگئے۔ حضرت محوؔی کے ہم عصر علماء میں حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی ذاتِ گرامی ممتاز اور معروف ہے۔ جنہوں نے انگریزوں کے خلاف مسلح جہاد کا اعلان کر دیا۔ جس کی وجہ سے شمال میں انگریزوں کے خلاف نفرت و عداوت کے شعلے بھڑک اٹھے۔

حضرت محوؔی کا یہ تذکرہ مولانا واعظ بنگلوری کے ان اشعار پر ختم کیا جارہا ہے جس سے حضرت محوؔی کی شخصیت کے متعدد پہلو نمایاں ہوتے ہیں:

اخترِ اوجِ عزت و اجلال — گوہرِ بحرِ علم و فضل و کمال
رہنمائے مسلکِ تکویں — مسند آرائے درجۂ تمکین!
رازدانِ رہِ عروج و نزول — عارجِ نردبانِ قرب و وصول
صاحبِ کشف و جذبۂ عرفان — شرفِ عارفین و قطبِ زمان
ذوالفضائل کریم ابنِ کریم — صاحبِ جود و بحرِ فیضِ عمیم
گنجِ سرمایۂ خدادانی — جس کو کہتے ہیں بوالحسن ثانی

(مثنوی مطلع النور: ص:۱۴)

اس خانوادہ کی پانچویں شہرہ آفاق، عہد آفریں، عبقری، علمی، دینی اور ادبی شخصیت مجددِ جنوب حضرت قطب ویلور ہے

آپ حضرت محوؔی کے صاحب زادے ہیں۔ حضرت قطبِ ویلور کے خاندان کی علمی و دینی اور ادبی خدمات کے اس باب کی تکمیل کے بعد حضرت قطب ویلور کی حیات و خدمات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جائے گا جو اس تحقیقی مقالہ کا کلیدی اور مرکزی موضوع ہے

❀❀❀

حضرت مولانا رکن الدین شاہ محمد قادری ویلوری

اس خاندان کی روشن خیال و زمانہ شناس اور متحرک و فعال چھٹی شخصیت شمس العلماء حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ محمد قادری ہے۔ آپ حضرت قطب ویلور کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت نبی کریم ﷺ کی بشارت اور مختلف بزرگانِ کرام کے مراقبات و مبشرات اور پیشین گوئیوں کے مطابق ۲۲، شوال المکرم ۱۲۶۹ھ کو ویلور میں ہوی۔ حضرت قطب ویلور اپنے مکتوب میں رقمطراز ہیں:

''جدی وشیخی حضرت عبداللطیف المعروف بہ محی الدین ذوقیؔ پیش از ھشتا دوشش سال درمراقبات شود از پسر یکہ موصوف بہ علو مرتبت وعمر دراز بود و مسمیٰ بہ سید محمد باشد بشارت دادند، وجدی وشیخی محمد رکن الدین حضرت سید شاہ ابوالحسن قربیؔ برآن مراقبہ تہنیت نوشتہ اند قدس اللہ روحھما وافاض علینا فتوحھما۔ ایضاً فقیر بشارت ہائے دیگر دارد کہ ترجمان آن وقت مساعدت وکاغذ کفایت نمی کند۔''

(مکتوبات لطیفی: فارسی قلمی مخطوطہ)

میرے جد محترم اور شیخ مکرم حضرت سید شاہ عبداللطیف ذوقیؔ نے چھیاسی ۸۶ سال پہلے اپنے مراقبات کے ذریعہ ایک ایسے فرزند کی خوشخبری سنادی جس کا نام سید محمد ہوگا اور وہ اعلیٰ مراتب اور بلند درجات اور طویل عمر کا مالک ہوگا اور یہ پیشین گوئی سن کر میرے جدِ محترم سید ابوالحسن قربی نے ایک عمدہ تہنیت نامہ لکھا ہے۔ اس کے علاوہ فقیر دیگر بشارتوں سے بھی سرفراز ہوا ہے۔ لیکن اس وقت یہ ساری باتیں نقل کرنے میں وقت کی قلت اور دامنِ مکتوب کی کوتاہی مانع ہے۔ (مکتوبات لطیفی: فارسی قلمی مخطوطہ)

حضرت قطب ویلور اپنے پہلے سفر حج ۱۲۶۵ھ کے موقعہ پر مکہ مکرمہ میں اقامت گزیں تھے اس موقع پر بھی آپ کو خواب کے ذریعہ حضرت رکن الدین کی ولادت کی بشارت دی گئی۔ جیسا کہ مولف خانوادۂ اقطاب ویلور کا بیان ہے:

''قیام حرمین کے دوران آپ نے خواب دیکھا کہ کعبۃ اللہ میں ایک چھوٹا سا پودا نکلا ہے اور

دیکھتے ہی دیکھتے ایک سایہ دار درخت ہوگیا اور اس کا سایہ سارے کعبہ پر محیط ہوگیا۔ جب صبح ہوئی تو سب سے پہلے حضرت مولانا مولوی شاہ اسحٰق مہاجر مکی علیہ الرحمہ سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ آپ نے شاہ صاحب سے اپنے خواب کا تذکرہ کیا تو شاہ صاحب سن کر بہت محظوظ ہوئے اور فرمایا کہ آپ کو ایک فرزندِ صالح پیدا ہوگا اور اس سے اور اس کی اولاد سے ایک عالم قیامت تک مستفیض ہوگا۔

(خانوادۂ اقطابِ ویلور، ص:۵۴: دارالتصنیف ولاشاعت دارالعلوم لطیفیہ: ویلور)

حضرت رکن الدین نے اپنے والد ماجد اور حضرت مولانا مولوی شاہ محمد حنیف قادری سے درسِ نظامیہ کے نصاب کی تکمیل کی اور اپنے والد ماجد کے زیرِ نظر سلوک کی منزلیں طے کیں۔ عمر کی انیسویں بہار میں والد ماجد کے ہمراہ حجِ بیت العتیق کے لئے روانہ ہوئے اور مدینہ منورہ میں ۷، محرم الحرام ۱۲۸۹ھ کو والد ماجد حضرت قطب ویلور نے اپنی وفات سے چار دن قبل آپ کو بیعت وخلافت اور ایک سو اکانوے سلاسل میں اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔ مولانا مولوی عبدالعزیز جو اس سفر میں حضرت قطب ویلور کے ہمراہ تھے، انھوں نے سفر نامہ حضرت قطب ویلور لکھا ہے۔

''حضرت نے راقم السطور سے فرمایا: خلافت نامہ تیار کرو۔ حسبِ ارشاد خلافت نامہ کا مسودہ تیار کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے من اولہ الی اٰخرہ ملاحظہ کیا اور فرمایا: اس کا مبیضہ لکھو۔ پھر آپ نے ملاحظہ فرمایا اور اس قرطاس مبیضہ پر اپنے دستِ مبارک سے دستخط کی اور اس کے بعد صاحب زادے کو جھبہ پہنایا اور ان کے سر پر دستار باندھی اور دعا فرمائی۔''

(سفر نامہ حضرت قطب ویلور: مصنف مولوی عبدالعزیز: خلیفہ حضرت قطب ویلور: قلمی مخطوطہ)

حضرت واعظ بنگلوری نے بھی اپنی مثنوی میں حضرت رکن الدین کی بیعت وخلافت، اعطائے خلافت کی تاریخ اور حضرت قطب ویلور کی نصیحتوں اور وصیتوں اور حضرت رکن الدین کی سیرت وشخصیت پر روشنی ڈالی ہے۔ ملاحظہ ہو:

اور خلافت کا خرقۂ والا	عن بہ عن جو کہ اس کو پہنچا تھا
خلف الصدق کو وہ اپنے دیا	وہ محرم کی ساتویں تھی بجا
اور وصایا کیا ہے چند اوسے	کئی باتوں سے بہرہ مند کیا

اے پسر جادۂ شریعت پر رہ سدا مستقیم شام وسحر
بے کسوں کی سدا اعانت کر اور مساکین پر شفقت کر
بھوکوں، ننگوں کو دے لباس وطعام بہرِ خوشنودیٔ خدائے انام
اہل حاجت جب آوے کرنہ قصور کیجیے حاجت روائی تا مقدور

(مثنوی مطلع النور: ص: ۴۰)

شکر للہ بعد شیخ زمن! خلف الصدق اس کا ہے بجہاں
اس سے رخشاں ہے نورِ عقلِ سلیم ہے بہت زیرک وفطین وفہیم
اس سے ظاہر وہی فتوت ہے اور وہی عفت ومروت ہے
اور وہی انکسار وحلم ووقار اور وہی صبر وسکون وقرار
وہی اطعام و میزبانی ہے وہی فضلاء کی قدردانی ہے
اور وہی شغل علم ہے بدوام وہی اکثر مطالعہ ہے بدوام
خلق آبائی ایسے ہی اکثر اس سے اس عمر میں ہیں دیکھ اظہر
ایں مراتب کہ دیدۂ جزوی است کار کلی ہنوز در قدر است

(تکملہ مثنوی مطلع النور: ص: ۳، ۴: مطبوعہ ۱۲۹۰ھ مطبع واقع معسکر: بنگلور)

حضرت رکن الدین اپنے والد ماجد کی وفات حسرت آیات کا غم وصدمہ لئے ہوئے مدینۂ منورہ سے ویلور واپس تشریف لائے تو خاندانی روایات کے مطابق ۳، جمادی الآخر روز پنجشنبہ ۱۲۸۹ھ کو آپ کی رسم سجادگی نہایت تزک واحتشام کے ساتھ ادا کی گئی۔ اس عظیم الشان تاریخ ساز اجلاس میں علماء وفضلا، صوفیا واتقیاء، روساء وعمائدین، شعراء وادباء اور عوام لناس کی کثیر تعداد شریک رہی۔ اس موقعہ پر بعض اہل قلم نے اپنے دلی جذبات وخواہشات اور قلبی احساسات کو نظم ونثر کے پیرائے میں پیش کیا۔ مولانا شاہ عبدالحی بنگلوری نے ان الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کی:

اس سے سجادۂ مشیخت کو صدر ارشاد اور ہدایت کو
ہو سزاوار اس کو یہ مکنت یہ فقیری کی عزت وحرمت

یہ مشیخت کی مسندِ اطہر | یہ طریقت کی خلعتِ انور
ان کے والد کی جانشینی رب | کرے ساز وار اس کو رب
اس کو یہ مرتبہ مبارکباد | بہ محمدؐ و الہ الامجاد

(مثنوی: ص:۴۲)

حضرت واعظ کے صاحب زادۂ والاشان حضرت مولانا مولوی شاہ عبدالقادر علی صوفی بھی شریک اجلاس تھے۔ انھوں نے بھی اپنے جذبات کا اظہار ایک طویل تہنیت نامہ کے ذریعہ کیا جس کے بعض ابیات ملاحظہ ہو:

الحمد لحضرت الجلالۂ | والنعت لخاتم الرسالہ
صاحب زادہ گرامی گوہر | جس سے کرے فخر ہے سیادت
سید شہ رکن دین محمد | چومے جس کے قدم سعادت
مسند ہوئی رشک چرخ اطلس | دی پردۂ چشم کو ندامت
ہیں حاشیہ بوس جس کے تارے | چشمِ بلبل کی کیا ہے حاجت
ہاتف نے غایت عجب سے | بولا زہے مسندِ خلافت ۱۲۸۹ھ
علم و عرفاں کی مُغنغَن! | اجداد سے آئی ہے وراثت
سرِّ لابیہ جو خبر ہے | ہے اسی ہی کے حال کی بشارت
مسند آرا ہوا ہے جب وہ | باعزّت و شوکت وجاہت
منہ سے نکلا ہے اک جہاں کے | زیبا با مسند خلافت ۱۲۸۹ھ

حضرت رکن الدین کے دور میں ہندوستانی مسلمانوں کی سیاسی وقومی، علمی و دینی اور معاشی و اقتصادی زندگی میں ایک زبردست انقلاب کے آثار نمایاں ہوگئے۔ سامراجی تسلّط اور برطانوی اقتدار کی وجہ سے ہندوستان کی مسلم ریاستیں نیم مردہ ہوگئیں۔ مغربی علوم وفنون کے ارتقاء اور مغربی تہذیب وتمدن کے یلغار اور عیسائیت کی نشر واشاعت اور انگریزی زبان کے غلبہ کی وجہ سے اور انگریزی سرکاری زبان بن جانے کے باعث مسلمانوں کے لئے متعدد اور مختلف سنگین مسائل کھڑے ہوگئے ان حالات میں بعض

ذی فہم اور صاحبِ بصیرت حضرات میدانِ عمل میں تشریف لائے اور انھوں نے مسلمانوں کے علمی و دینی اور مذہبی و ملّی تشخص و شعار کو باقی و برقرار رکھنے کی جدوجہد شروع کردی اور مسلمانوں کی نئی نسل کو دینی تعلیم سے آراستگی کے ساتھ جدید علوم سے آراستہ کرنے کی مہم شروع کردی۔ ان میں سرفہرست سرسید احمد خان کا اسمِ گرامی ہے۔ ان حضرات علماء کے جوش و جذبہ، جدوجہد سعی و عمل اور اخلاص وللّہیت کی اثر آفرینی اور فیض رسانی تھی کہ جنوب میں دارالعلوم لطیفیہ ویلور کی تشکیل جدید ہوئی اور جامعہ نظامیہ حیدرآباد دکن منصۂ شہود پر جلوہ فگن ہوا۔ اور شمال میں دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء لکھنؤ اور مدرسۃ العلوم (علی گڑھ یونیورسٹی) معرضِ وجود میں آئے۔ جن کے اثرات و برکات اور فیوضات کی وجہ سے آج بھی ہندوستانی مسلمان دینی تعلیم اور جدید تعلیم سے وابستہ ہیں۔

دارالعلوم لطیفیہ کی خشتِ اولین ۱۱۴۰ھ اور ۱۱۵۰ھ کے درمیانی عرصہ میں حضرت رکن الدین کے جدّ اعلیٰ حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری بیجاپوری کے ہاتھوں رکھی گئی اور آپ کے بعد یہ درس گاہ تاریخ کے مختلف دور میں مختلف مرحلوں سے گزرتی رہی۔ ۱۱۷۹ھ میں حضرت قربؔی نے قلعۂ ویلور کے شمالی حصہ میں خانقاہ تعمیر کی اور اسی میں علوم اسلامیہ اور فارسی و عربی زبان اور ادب کی تعلیم و تدریس کا آغاز کیا۔ جس سے بے شمار اشخاص مستفیض ہوئے۔ پروفیسر یوسف کوکن عمری اپنی کتاب ''حضرت قربؔی'' میں لکھتے ہیں:

''حضرت قربؔی کا روزانہ کا مشغلہ درس و تدریس، وعظ و نصیحت اور بیعت کے ذریعہ لوگوں کو راہِ راست پر چلانا ہوتا تھا۔ وہ طلبا کو فارسی کی درسی کتابیں پڑھاتے تھے۔ ویلور اور اس کے اطراف میں جتنے بھی فارسی کے فاضل ہوئے ہیں وہ سب حضرت قربؔی ہی کے شاگرد تھے یا ان کے شاگردوں کے شاگرد تھے'' (حضرت قربؔی: ص: ۲۷: پروفیسر کوکن عمری۔ سابق ریڈر شعبۂ عربی، فارسی، اردو: دانش گاہ مدراس مطبوعہ ۱۹۶۰ھ)

حضرت قربؔی کے عہد سے لے کر حضرت قطب ویلور کے عہد تک جو ایک سو سال کا زمانہ ہے اس پوری صدی میں مدرسہ کے وجود اور درس و تدریس اور اس کی تعمیر سے متعلق تو تصریحات اور ارشادات ملتے ہیں۔ لیکن کسی تذکرہ نگار کے ہاں مدرسہ کے نام سے متعلق کوئی صراحت نہیں ملتی راقم الحروف کو اس تحقیقی کام کے دوران ایک مختصر رسالہ ''محاکمہ'' ہاتھ لگا۔ جس کے مطالعہ سے ایک مستور حقیقت کا انکشاف ہوا اور وہ یہ ہے کہ رسالۂ مذکورہ میں ایک مقام پر کسی متنازعہ مسئلہ کی صلح و صفائی کے ضمن میں یہ شرط درج ہے

کہ "مکانِ قطب ویلور کے مدرسہ کا نام مدرسۂ سادات نہیں ہونا چاہئے۔" محاکمہ کی مذکورہ عبارت سے دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت رکن الدین کے عہد میں اس مدرسہ کی نشاۃ ثانیہ کے موقعہ پر درس گاہ کا نام مدرسۂ سادات برقرار رکھنے کو ناپسند کیا گیا تھا۔ اور دوسری بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ حضرت رکن الدین کے دور سے قبل یہ درس گاہ مدرسۂ سادات کے نام سے قائم تھی۔ لیکن پھر بھی اس مقام پر یہ تشنگی اور خلش باقی رہ جاتی ہے کہ اگر اس درس گاہ کا نام مدرسۂ سادات تھا تو پھر محاکمہ کے علاوہ کسی دوسری کتاب میں کہیں ذکر کیوں نہیں ہے اور کسی بھی تذکرہ نگار نے اس نام سے متعلق کسی قسم کی صراحت کیوں نہیں کی؟ بہر کیف یہ تاریخی اور خانقاہی درس گاہ مدرسۂ سادات کے نام سے موسوم اور معروف رہی ہو یا نہ رہی ہو۔ ۱۳۰۲ھ میں حضرت رکن الدین نے اس کی جدید تشکیل کی۔ چنانچہ آپ نے طلبا کی مستقل سکونت کے لئے وسیع و عریض عمارت بنائی اور اس میں درس و تدریس کے لئے ایک کشادہ ہال تعمیر کیا اور اس عمارت کے پہلو میں قدیم مسجد کی نئی تعمیر کی۔ محراب کے اوپر ایک کتبہ نصب ہے جس میں مسجد کی تاریخ اور اس کے بانی کا نام ہے۔

رکن دین مقتدائے اہل زمن   مسجدے چوں حرم بنا کردہ

بہر اعلام عابدان ہاتف   بانگ قد قامت الصلوۃ زدہ ۱۲۹۱ھ

حضرت رکن الدین نے زمانہ اور وقت کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے تعلیمی میدان میں بڑی مفید اور عظیم اصلاحات کیں اور مدرسہ میں مختلف علوم و فنون اور انگریزی تعلیم کا انتظام کیا اور درس نظامیہ کے نصاب کو جاری کیا اور شمال و جنوب کے لائق و فائق علماء و فضلا اور ماہرین فنون کو درس کے لئے منتخب کیا اور جب طلبا کی پہلی جماعت فارغ ہوئی تو آپ نے ایک عظیم الشان جلسہ بنائے عمارت مدرسۂ لطیفیہ و تقسیم اسناد بتاریخ ۱۹، شعبان المعظم ۱۳۱۱ھ روز دوشنبہ منعقد کیا۔ جس میں علماء و فضلا، مشائخ و صوفیا، امرا اور روساء اور عوام کی بھاری اکثریت شریک رہی۔

اس تاریخ ساز اجلاس کے موقعہ پر حضرت مولانا رکن الدین کے علاوہ حضرت مولانا سید محمد فخر الدین فخری، حضرت مولانا سید شاہ درویش پیر قادری میسوری، حضرت مولانا ابوالفضل سید شاہ محمد نظام الدین نقوی قادری فخری، حضرت مولانا منشی غلام محمود مہاجر مدراسی، حضرت مولانا مولوی شاہ محمد ولی اللہ قادری شاہنوری، حضرت مولانا محی الدین چیدہ حسینی وغیرہ کے فکر انگیز اور پر مغز خطابات ہوئے اور طلبائے

فارغین کی صلاحیت سے بھر پور تقاریر ہوئیں۔ اس جلسہ کی روئیداد اور دار العلوم لطیفیہ کی تعلیمی رپورٹ اور مستقبل کے تعمیراتی منصوبوں سے متعلق ایک مفصل رپورٹ ''روئیداد جلسہ 'دستار بندی و جلسہ 'بنائے عمارت مدرسہ 'لطیفیہ'' کے نام سے شائع کی گئی ہے اور یہ روئیداد ڈیمی سائز کے ۱۱۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور یہ راقم کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

اس مقام پر حضرت رکن الدین کے ولولہ انگیز اور فکر خیز خطاب پر ایک طائرانہ نظر ڈالنا فائدہ سے خالی نہیں۔ اس موقعہ پر آپکے دو خطابات ہوئے۔ خطابِ عام صفحہ ۲۲ سے لے کر صفحہ ۵۸ اور خطاب خاص صفحہ ۱۱۱ سے لے کر ۱۱۸ پر پھیلا ہوا ہے۔ آپ کی پر زور تقریر آپ کی زمانہ شناسی اور لطیف جذبات، پاکیزہ احساسات، روشن خیالات اور تعمیراتی اقدامات کی آئینہ دار ہے۔

''ارباب مجلس! کیا ہماری طبیعتوں میں یہ جوش اسلام نہیں ہے کہ افلاس اور بے علمی کی مہلک بیماری کی مریض قوم کو صحیح وتندرست بنائیں اور کیا ہم کو اپنے مسلمانوں کی افسوسناک حالت پر توجہ و نظر نہیں ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت کی خبر گیری ہر وقت کرتے رہیں اور کیا ہمارے میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ اسلام کے بجھتے ہوئے چراغ کو روشن اور منور کریں۔۔۔ اس مقام میں مدرسہ کی عمارت کی نہایت ضرورت ہے۔ ہر چند کہ اس مکان میں متعدد مقامات پر متعدد کوٹھیاں ہیں مگر ایک مقام دوسرے مقام سے دور رہنے کی وجہ سے ناظم اور مہتمم کو اہتمامات اور انتظامات میں نہایت دشواری ہوتی ہے۔ طالب علموں کا ایک ہی مقام پر رہنے اور پڑھنے سے ان کے اندر علم کا شوق بڑھتا ہے۔۔۔۔۔ طلبا کو طریقہ تعلیم میں جہاں تک ہوسکے یہ بات مد نظر رکھنا چاہئے کہ ایک مدت معینہ میں ان کو تمام علوم سے فارغ کرادیں۔۔۔۔۔۔۔ اور جن طلبا کا خیال علم دین کے علاوہ انگریزی پڑھنے کا ہے، ان کے لئے بھی ایک صیغہ انگریزی اس مدرسہ سے متعلق کیا جائے اور ان کے طریقہ تعلیم کا ڈھنگ اس طرح ہو کہ ایک مدت معینہ میں دینی تعلیم کی تحصیل ہوجائے اور انگریزی میں بھی اس درجہ تک پہنچائیں کہ جہاں سے اور ترقی کرنے کے لئے ان کی عمر مکتفی ہو۔ اس طریقہ تعلیم سے ہر خیال کے لوگ نفع اٹھائیں گے۔ طلبا کے لئے ایک دار الفنون قائم کریں تا کہ ہمارے بھائیوں کی اولاد رزقِ حلال کا ذریعہ پیدا کرلیں اور علم و ہنر سے بہرہ ور ہو جاویں۔ اسی دار الفنون میں ایک مطبع بھی رہے علم سکھلانے میں حاضرین کو فیض پہنچتا ہے۔ لیکن کتابوں کے طبع کرانے میں علم کا

فیض نزدیک ودور اور حاضر وغائب سب کو بآسانی پہنچے گا۔

مدرسہ میں ایک حکیم بھی ایسا رکھنا چاہئے جس کو یونانی اور انگریزی طبابت سے بھی واقفیت ہو اور وہ طبیب جن طلبا کو فن طب کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے ان کو اس علم کی تعلیم دیا کرے تاکہ وہ لڑکے اس شریف علم کے بدولت عزت کے ساتھ اپنا قوت (روزی) بھی پیدا کر لیں اور خلائق کو بھی نفع پہنچائیں۔

مدرسہ میں ایک کتب خانہ بھی رہنا ضروری ہے جس میں ہر قسم کے کتب موجود ہوں تاکہ طلبا کو بروقت کتب اور شروحات کے دیکھنے میں دشواری نہ ہو۔

تعلیم انگریزی درجہ کفر تک پہنچاتی ہے! یہ ہرگز نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ بھی ایک زبان ہے۔ متعدد زبانوں کا سیکھنا اور اس میں کمال پیدا کرنا، کمالاتِ انسانی میں شمار کیا جاتا ہے، تو ہمارے ملکی بود و باش کے لحاظ سے اور معاشی امورات کے سرانجام دینے اور اظہار حوائج ومطالب کی غرض سے اور ہمارے دینِ حق پر حملوں کے دفاع کی نیت سے انگریزی تعلیم بری نہیں۔۔۔۔۔ علم کیا ہے؟ انسان کا موروثی متاع ہے ۔علم نہیں تو میراث نہیں۔ علم نہیں تو دولت نہیں۔ علم نہیں تو دنیا نہیں۔ علم نہیں تو آخرت بھی نہیں۔ علم وہ ہے کہ انسان کو حضیض سے اوج پر لاتا ہے۔

اربابِ مجلس!

میں امید رکھتا ہوں کہ حسنِ مصرف اور کمالِ استحقاق، حصولِ ثمرات اور حسناتِ بے نہایت پر نظر کر کے فقیر کے ان اظہارات کو مستحسن ومقبول کریں گے اور ہر طرح سے تائید و کمک پر مستعد ہوویں گے۔"

(روئیداد جلسہ دستار بندی و جلسہ بنائے عمارت مدرسہ لطیفیہ: واقع مکان حضرت قطب ویلور: ۱۹، شعبان ۱۳۱۱ھ روز دوشنبہ)

اس اجلاس سے جنوبی ہند کی مایہ ناز اور زمانہ شناس علمی شخصیت حضرت مولانا سید محمد فخر الدین فخری نے بھی خطاب کیا۔ جس کا ایک اقتباس یہاں نقل کیا جا رہا ہے۔ جس سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔ صاحب موصوف کا یہ خطاب موجودہ حالات میں بھی ایک پیام فکر اور دعوت عمل ہے۔

"میں آپ بزرگوں کی خدمات میں کوئی نئی بات عرض کرنے والا نہیں ہوں۔ بلکہ جو کچھ شمس العلماء مولوی سید شاہ محمد رکن الدین صاحب نے ابھی ارشاد فرمایا ہے اس کی تائید میں کچھ عرض کروں گا۔

معزز حضرات! جس طرح دینی علم کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح دنیوی علم کا جاننا بھی

لازمی ہے۔ دنیوی علوم وفنون کے حاصل کرنے میں ہمیں زمانے کی رفتار اور ضرورتوں پر بھی نظر رکھنا چاہئے علوم وفنون کو زمانے سے لازمی نسبت اور خصوصیت ہے۔ آج کل ہم کو اور ہماری اولاد کو دینی علم کے علاوہ دنیوی علم کا جاننا اشد ضروریات سے ہے جس کا زمانہ میں رواج ہے اور جس کو جاننے بغیر انسان کے دینی اور دنیوی فرائض پورے ادا نہیں ہو سکتے۔

اگلے زمانے میں جن قواعد واصول پر جو علوم پڑھائے جاتے تھے اب وہ اصول وقواعد ناکارہ اور غیر مفید ہو چکے ہیں اب ان کے قواعد واصول دوسرے ڈھنگ سے مرتب ہو چکے ہیں۔ جس طرح دنیوی علم کے فروغ کو زمانے کے ڈھنگ، رواج اور قواعد واصول کے برابر جاننا اور حاصل کرنا لازم ہے اسی طرح فنون کا سیکھنا اور سکھانا بھی لازم ہے۔

اس زمانے میں انگریزی تعلیم بقدر ضرورت واجب ہے۔ فی زمانا بغیر انگریزی جانے کے دنیا کے کاروبار نہیں چلتے۔ جب تک یہ طلبا انگریزی نہیں جانیں گے دنیا کے سامنے اسلام پیش نہیں کر سکتے۔ پھر وہ بھاری کام نشر اسلام کا ہاتھ نہ آئے گا۔ جس کے طفیل میں ہمیں خیرامت کا تمغہ ملا ہے۔

آپ بزرگوں کو یہ ترغیب دیتا ہوں کہ جس طرح ہمارے طلبا مشرقی علوم میں کامل مہارت حاصل کر کے تحصیل کی سند لیتے ہیں۔ ایسے ہی مغربی علوم میں انھیں اعلیٰ درجہ کی سند دلائی جائے اور موجودہ زمانہ میں اسلام کو ایسے ہی طالب علموں کی ضرورت ہے جو مشرقی اور مغربی علوم میں کامل نصیبہ حاصل کئے ہوں۔

تعلیم سے بہت لوگ غلطی کر کے فقط مردوں کی تعلیم مراد لیتے ہیں۔ یہ ان کی سراسر غلطی ہے۔ علم معاد اور علم معیشیت کی ذمہ داری میں مرد اور عورت دونوں برابری کا حق رکھتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ مرد علم کے زیور سے آراستہ ہوں اور عورت محروم رہے۔ ہم اسلامی تاریخ سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ اگلے زمانہ میں عورتیں بھی تعلیم یافتہ تھیں۔

حضرات! میں اپنی تقریر ختم کرنے کے پہلے ایک مختصر نصیحت ان سند یافتہ طلباء کو کرنا چاہتا ہوں۔ اے گلستانِ علم وفضل کے نونہالو!

اپنی فضیلیت کے جامہ کو آپس کے اختلاف کے کشمکش میں تار تار اور برباد نہ ہونے دیں جزوی اختلاف میں ہرگز نہ پھنسیں۔ سب مسلمانوں کو ایک ہی نظر سے دیکھیں۔ آپ کی دعوت الی الحق خواہ تحریری

ہو یا تقریری، حکمت اور موعظت کے حدود سے باہر نہ ہو۔ آپ کی سعی ہمیشہ مسلمانوں میں اتفاق قائم کرنے میں مبذول رہے۔ آپ کی ہمت ہمیشہ اسی میں صرف ہو کہ اسلام اور اسلامیوں کی ترقی ہو۔

یا رب تو ہمیں علم دے، جاہ و فر دے　　تہذیب دے، اخلاق دے، مال و زر دے

(روئیداد جلسۂ دستار بندی و جلسۂ بنائے عمارت مدرسہ لطیفیہ: ص: ۲۹ :مطبوعہ بابت ۱۳۱۱ھ۔۱۹، شعبان)

جنوبی ہند میں حضرت قطب ویلور کے بعد حضرت رکن الدین پہلے عالم ہیں جنھوں نے مسلمانوں کے حق میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم اور سائنسی علم کو ضروری سمجھا اور زندگی میں انگریزی زبان کی ضرورت و اہمیت اور اسلام کی تبلیغ میں انگریزی زبان کی ضرورت و حاجت اور نئے علوم و فنون کی ضرورت و افادیت کو محسوس کیا اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے ایک عظیم علمی و فنی دانش گاہ کا خاکہ اور نقشہ پیش کیا۔ اگر اس وقت جنوب کا جمود ٹوٹ گیا ہوا تو ایک صدی قبل ہی سرزمین جنوب پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی جیسی علمی و سائنسی دانش گاہ معرض وجود میں آ گئی ہوتی اور یہاں کے مسلمان عصری اور سائنسی تعلیم کے میدان میں سابقین اولین کا مقام حاصل کر لیتے۔

حضرت رکن الدین وسیع النظر، وسیع الخیال اور وسیع المشرب عالمِ دین تھے۔ آپ کے اندر گروہی محبت، جماعتی حقارت، مسلکی عصبیت اور اختلافی مسائل میں شدت نہ تھی۔ آپ مذہباً حنفی اور مشرباً قادری اور مزاجاً اعتدال پسند تھے اور تمام مکاتیب فکر کے لوگوں کے ساتھ عزت و احترام، حسنِ اخلاق وحسنِ سلوک اور رواداری و سیر چشمی سے پیش آتے تھے۔ اسی لئے آپ کے روابط و تعلقات میں بڑی وسعت تھی۔ آپ کے زمانہ میں دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء لکھنؤ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جیسی تحریکیں اور درس گاہیں وجود میں آئیں تو ان کے بارے میں بعض اہلِ علم افراط و تفریط اور تشدد و تعصب کا شکار ہو گئے، لیکن حضرت رکن الدین نے اس باب میں اپنا تعمیری مزاج و کردار اور اعتدال و توازن کو برقرار رکھا۔ اس دیار و امصار میں ندوۃ العلماء کی تحریک غلط فہمیوں اور شکوک و شبہات کی شکار تھی ایسے ماحول میں حضرت رکن الدین نے ندوۃ العلماء کی تائید اور حمایت کی۔ جس کی وجہ سے خواص و عوام ندوہ کی جانب مائل اور متوجہ ہوئے۔ حضرت رکن الدین نے ندوۃ العلماء کے دسویں اجلاس منعقدہ مدراس ۳، ۴، ۵ جنوری ۱۹۰۴ء میں اپنے صاحب زادے حضرت مولانا مولوی سید شاہ عبداللطیف قادری مکی کو اپنا قائم مقام بنا کر درجِ

ذیل مکتوب کے ساتھ بھیجا۔ ذمہ دارانِ اجلاس نے یہ مکتوب حاضرین جلسہ کے سامنے پڑھ کرسنایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد الحمد والصلوۃ وتبلیغ السّلام والتحیات ،مشہودخدمت گرامی درجت ہوکہ ابھی فقیر نمازمغرب سے فارغ ہوا۔آپ کا تار آیا۔فقیر کے شریکِ مجلس مبارک ندوہ ہونے پرتھا۔ مگر ماحاشا فقیر عذر وحیلہ نہیں کرتا ہےاور نہ میں اس مبارک مجلس میں جوسراسر رحمت اوراسلام کی عزت اورخوبیوں کا خزانہ ہے،شریک ہونے سے پہلو تہی کرتا ہوں اور نہ اندیشہ لومۃ لائم کرتا ہوں۔ بلکہ اس مبارک مجلس کواسلام اور اسلامیوں کے لئے فخر جانتاہوں اور میرے لئے اس کی خدمت گزاری باعثِ سعادت اوراسلام واسلامیوں کی ترقی کی دیرینہ آرزو کو پورا کرنے اور ہونے کی توقع بتلا رہی ہے۔ اور بار بار آپ کے طلب کورد کرنے پر نہایت شرم آتی ہے اگر آپ میری حالتِ موجودہ ملاحظہ فرماتے پھر فقیر کی شرکت کا خیال نہ فرماتے۔اگرچہ صدمے کے سبب مزاج میں یکسوئی نہیں۔جس میں دلی ودماغی طاقت گھٹتی تاہم بارے ایک روز کے لئے شریک ہوتا۔مگر کمر اور عضلات کا درد ہمیشہ بےقرار رکھتا ہے۔سفر کا مانع قوی ہے۔نہ گاڑی میں بیٹھ سکتا ہوں اور نہ ریل میں۔فقیر کی ہمشیرہ کا ایک ہی لڑکا ہے۔وہ قریب ایک سال سے دق کے شکوہ سے علیل ہے۔اب نہایت نزاکت کا وقت ہے۔کبھی ان سے ایک دن کے لئے جدا نہیں ہوسکتا۔آج دوپہر کی ریل سے اس مجلس کی برکت حاصل کرنے اور فقیر کے عوض اس مبارک مجلس میں بحیثیت رکنیت شامل رہنے کے لئے نورچشم سید عبداللطیف قادری اور مولوی سید حیدر ولی اللہ قادری عرف داداپیر صاحب کوروانہ کیاہوں۔آپ سے اور تمام بزرگوں سے مشرف ہوں گے۔اگر فقیر کا سفرممکن ہوتا ضرور مدراس تک پہنچتا اور یہ باشوکت وپرشکوہ جلسہ کودیکھتا۔

اہلِ ندوہ کے مقاصد کودیکھا تو اکثر باتیں اور ارادے جو جناب ابی وشیخی قدس سرّہٗ (حضرت قطب ویلور) کے تھے،یادآرہے ہیں۔اورآپ کے عزم وہمت کو یاد دلا رہے ہیں۔آپ خاطرِ شریف پر بار نہ لائیے۔اور میرے سچے عذرات کوجو سرموفرق نہیں قبول فرمائیے۔اور ایک سطر بھی بیٹھ کر نہیں لکھ سکتا۔ جو کچھ لکھ رہا ہوں لیٹے ہوئے لکھ رہاہوں۔آپ یہ خیال شریف فرماویں کہ پھر ایسا مجمع ایسی قربت میں کہاں

دیکھنے میں آتا۔ اور تمام ہندوستان کے نامی گرامی علماء ومشائخین کے دیدار جو نعمتِ عظمیٰ ہے کہاں میسر آتی۔ اگر اس کو بھی قطع کردوں جو اس مجلس مدراس کے بانیین میرے دوست واحباب ہیں ان کی خاطر شکنی اور دل آزاری میرے سے کیوں کر ہوسکتی۔ ضرور ادخال السرور فی قلوب المؤمنین یوازی من عمل الثقلین پر عمل کرتا۔ ہرگز لا اور عذر پیش نہ کرتا اور نہ لاتا۔ آپ کے قدیم عنایات سے مجھے یقین کلی ہے کہ میرے بلا فرق سچے عذرات کو بخوشی قبول فرمادیں گے اور فقیر کو ممنون عنایات بے غایات کریں گے۔

اس کے ساتھ یہ بے قراری بھی لگی ہے کہ یہاں دوروز سے بارش بکثرت ہے اور سنتا ہوں کہ وہاں بہت زور سے ایک ہفتہ سے ہے۔ یہ مجلس کیوں کر ہوگی فقیر کارساز حقیقی کی درگاہ میں دست بدعا ہے کہ اس کا آغاز وانجام دونوں بخیریت عمدگی کے ساتھ کرے۔ بحرمة النبی و آله الطاهرین . زیادہ . الله معکم اینما کنتم ویبقی شوکة الاسلام ببقائکم"

(اجلاس دہم: ندوۃ العلماء: منعقدہ: ۳، ۴، ۵، جنوری ۱۹۰۴ء بمقام مدراس: ۴۷، ۵، ۷: مطبوعہ اسلامی پریس شاہ جہان پور)

حضرت رکن الدین کو ۱۸۹۸ء میں آپ کی خدماتِ عالیہ کی بنا پر وائسرائے ہند اور گورنر جنرل آف انڈیا کی طرف سے ایک بہترین قیمتی تحفہ اور "شمس العلماء" کا خطاب دیا گیا۔

(خانوادۂ قطاب ویلور: ص: ۶۹ مولوی محمد زکریا ادیب خاور مطبوعہ: انجمن دائرۃ المعارف: دار العلوم لطیفیہ ویلور:)

حضرت رکن الدین کے دور میں دار العلوم لطیفیہ میں شمال وجنوب کے باکمال اساتذۂ کرام جو درس وتدریس کی خدمت انجام دیتے رہے، وہ حضرات کرام یہ ہیں:

حضرت مولانا مولوی فقیہہ محمد محی الدین قادری عرف دبلے محی الدین۔ آپ حضرت قطب ویلور کے ممتاز خلفا میں سے ہیں۔ آپ کے درس کا سلسلہ حضرت قطب ویلور کے عہد سے لے کر دار العلوم کی تشکیل نو کے بعد بھی ۱۳۱۶ھ تک جاری رہا۔ (اللطیف: ص: ۴۳: ۱۳۸۸ھ)

۱۔ حضرت مولانا مولوی محمد نینا صاحب کایل پٹنم

۲۔ حضرت مولانا مولوی سید شاہ علیم اللہ بختیاری۔ رایچوٹی (آندھرا پردیش) آپ دار العلوم لطیفیہ کے فارغ التحصیل تھے۔ علمی استعداد بہت بلند تھی ۔طالب علمی کے زمانہ میں طلبا کو درس دیتے تھے۔ مدرسہ سے فارغ ہونے کے بعد استاد بنائے گئے اور ایک مدت تک درس دیتے رہے۔ اس کے بعد

حیدرآباد تشریف لے گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ آپ کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ آپ کے شاگردوں میں معروف تلمیذ رشید مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، بانی جماعت اسلامی، پاکستان بھی ہیں۔ مولانا مودودی نے آپ سے اسلامیات اور عربی زبان و ادب کی تعلیم حاصل کی۔ یہ بات آپ کے صاجزادے حضرت مولانا مولوی سید شاہ صبغۃ اللہ بختیاری نے راقم الحروف سے کہی۔ حضرت صبغۃ اللہ بختیاری سے راقم الحروف کے تعلقات اور مراسم اس وقت قائم ہوئے جب کہ موصوف مدرسۂ باقیات الصالحات ویلور میں درس و تدریس کی خدمت انجام دے رہے تھے۔ مولانا بختیاری صاحب مولانا مودودی کے رفیق خاص اور ان کی تحریک کے زبردست حامی اور داعی تھے۔ بقول حضرت بختیاری مولانا مودودی کی تصوف اور صوفیا سے مخالفت اور اہلِ سنت و جماعت کے بعض مسلمہ عقائد سے اختلاف وانحراف کی وجہ سے مجھے مولانا مودودی سے علاحدہ اور کنارہ کش ہونا پڑا۔

حضرت بختیاری مدرسۂ باقیات کی مدرسی سے سبکدوش ہونے کے بعد اپنے آبائی شہر رایچوٹی تشریف لے گئے اور وہاں تزکیہ و احسان اور سلوک و تصوف کی تعلیم میں مصروفِ عمل رہے۔ اور ۱۹۹۳ء میں دنیا سے چل بسے۔ اور رایچوٹی کی زمین میں آسودۂ خاک ہیں۔

۴۔ حضرت مولانا مولوی سید شاہ فضل اللہ قادری: آپ حضرت قطب ویلور کے ہمشیر زادے اور خلیفۂ خاص ہیں۔ آپ اپنے وقت کے متبحر عالم اور عارف کامل تھے۔ کئی سال تک دارالعلوم الطیفیہ کے منصب نظامت پر متمکن رہے۔ آپ کا وصال ۱۳۱۱ھ میں ہوا۔

۵۔ حضرت مولانا مولوی سید شاہ حیدر ولی اللہ قادری

آپ حضرت سید فضل اللہ قادری کے صاحب زادے ہیں۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد دارالعلوم لطیفیہ کے ناظم مقرر ہوے۔ نصف صدی تک دارالعلوم کے عہدۂ نظارت پر قائم رہے۔ ۱۳۶۴ھ میں پیرانہ سالی اور عدم صحت کے باعث منصب نظامت سے علاحدہ ہوے۔

شمالی ہند کے علماء و فضلاء میں سے درج ذیل حضرات دارالعلوم لطیفیہ میں عرصۂ دراز تک درس دیتے رہے:

۱۔ حضرت مولانا مولوی محمد تقی لکھنوی ۲۔ حضرت مولانا مولوی افہام اللہ لکھنوی

۳۔حضرت مولانا مولوی احمد حسن کانپوری ۴۔حضرت مولانا مولوی حافظ سید عبدالجمیل پشاوری

حضرت رکن الدین کے دورِ سرپرستی میں جو طلباء مدرسۂ لطیفیہ سے فارغ ہوئے ان میں سے بعض اپنے وقت کے صاحب قلم اور صاحب تحقیق عالم بن کر ابھرے اور بعض فارغین نے لطیفیہ ہی میں درس وتدریس کی خدمت انجام دی۔ان میں مولانا مولوی ابوالسعادات احمد کویا شالیاتی ملیباری بھی ہیں۔ جنھوں نے لطیفیہ میں تعلیم حاصل کی اور حضرت رکن الدین کے ہاتھوں پر بیعت وخلافت اور اجازت حاصل کی۔آپ عربی زبان کے بہترین ادیب وشاعر تھے۔آپ کو تفسیر،فقہ،حدیث،ھئیت،توقیت، معانی،عروض میں کامل دستگاہ حاصل تھی۔

آپ کے دور میں ملیبار کے کسی عالم نے ایک فتویٰ صادر فرمایا کہ ملیبار کی مسجدوں کا رخ صحیح سمت میں نہیں ہے۔اس سے ایک انتشار وخلفشار اور بے چینی کی فضا پیدا ہوگئی۔ایسے وقت میں حضرت شالیاتی نے عربی زبان میں ایک مدلل کتاب ''تحویل قبلہ'' کے نام سے تحریر کی اور کیرلا کی مساجد کے رخ کو صحیح سمت قبلہ بتلایا۔جس سے یہ فتنہ سرد پڑا۔مذکورہ کتاب ۱۳۳۰ھ میں مدراس سے شائع ہوی۔

(سالنامۂ اللطیف:ص:۴۳:مطبوعہ:۱۳۸۸ھ)

۲۔حضرت مولانا مولوی الحاج حافظ قاری سید قاسم صاحب: آپ ایک جید عالم و فاضل اور عربی و فارسی اور اردو کے بہترین ادیب تھے۔مدرسۂ لطیفیہ میں صرف دوسال مدرس رہے اس کے بعد گورنمنٹ مسلم ہائی اسکول، ویلور میں اردو کے استاد مقرر ہوئے۔پھر آپ کا تقرر اوریس کالج میں بحیثیت اردو لکچرار ہوا۔آپ کو شعر وسخن سے بھی بڑی دلچسپی تھی۔بہت عمدہ شعر لکھتے تھے۔

۳۔حضرت مولانا مولوی الحاج محی الدین حسین چیدہ: آپ ایک عرصۂ دراز تک دارالعلوم لطیفیہ میں درس دیتے رہے۔حضرت رکن الدین کی رحلت کے بعد صدر مدرس ہوئے۔آپ ایک تجربہ کار حکیم بھی تھے۔آپ کا مطب شہر ویلور میں کافی معروف تھا۔بے شمار مریضوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔آپ صاحب قلم بھی تھے۔''سفرنامۂ حرمین'' اور ''طب روحانی'' آپ کی یادگار تصانیف ہیں۔۱۳۳۶ھ میں دار فانی سے کوچ کر گئے۔ (سالنامۂ اللطیف:ص:۴۵ مطبوعہ:۱۳۸۸ھ)

حضرت رکن الدین کی ذات گرامی سے ہزاروں افراد بیعت سے مشرف ہوئے۔آپ صاحبِ

کشف وکرامات بزرگ تھے۔ بقول مصنف ''انوار اقطاب ویلور''

'' آپ کے والد کی وفات کے بعد حضرت خضر علیہ السلام آپ کی خدمت میں آ پہنچے اور قرآنی آیات کی تلاوت فرما کر تعزیت پیش کی۔''

(انوار اقطاب ویلور: ص:۱۱۷)

حضرت رکن الدین کا عقدِ سعید آپ کے پھوپھی زاد بھائی حضرت مولانا مولوی سید شاہ فضل اللہ قادری کی صاحب زادی سے ہوا۔ جن کے بطن سے مولانا سید شاہ عبداللطیف ملی اور سید شاہ غوث پیر قادری اور چھ صاحب زادیاں تولد ہوئیں۔

۲۰، رمضان المبارک ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۷ء کو آپ کا وصال ہوا اور اپنے دادا حضرت محوی کے بغل میں محوِ خواب ہیں۔

✿✿✿

حضرت مولانا مولوی سید شاہ عبداللطیف قادری المعروف حضرت مکی ویلوری

اس خانوادے کے ساتویں صاحب زہد بزرگ حضرت مولانا مولوی سید شاہ عبداللطیف قادری المعروف حضرت مکی قدس سرہٗ ہیں۔ حضرت رکن الدین کے بڑے صاحب زادے ہیں۔ آپ کی پیدائش ۲۶، ربیع الاول ۱۲۹۸ھ روز دوشنبہ بوقت سہ پہر ویلور میں ہوی۔ آپ کی تعلیم اپنی آبائی درس گاہ، دارالعلوم لطیفیہ ہی میں ہوی۔ والد ماجد سے سلوک کی تعلیم پائی۔ اور ایک سو اکانوے سلاسل میں بیعت وخلافت اور اجازت کی نعمت پائی۔ ۱۳۲۵ھ میں حضرت رکن الدین کی وفات ہوی تو آپ خانقاہ کے گدی نشین اور دارالعلوم لطیفیہ کے سرپرست ہوئے۔ آپ کے دور میں دارالعلوم لطیفیہ ترقی کی شاہ راہ پر گامزن رہا۔ بے شمار طالبانِ علوم نبوت نے اکتسابِ علم کیا۔ ان میں سے بعض حضرات کو علمی دنیا میں کافی شہرت حاصل ہوئی جن میں سے بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔ مولانا مولوی ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری

۲۔ مولانا مولوی سید شاہ شہاب الدین قادری۔ ترچناپلی

۳۔ مولانا مولوی حکیم قاضی غلام غوث شریف، ویلوری

۴۔ مولانا مولوی مدیکار محمد قاسم۔ آمبوری

۵۔ مولانا مولوی مفتی عبدالباسط۔ محمود بندری

۶۔ مولانا مولوی محمد اکرم بھٹکلی

۷۔مولانا مولوی محمد کویا، ملیباری

حضرت عبداللطیف کی مخلصانہ بےلوث علمی و دینی خدمات کو دیکھتے ہوئے نظام حیدرآباد دکن نے دارالعلوم لطیفیہ کے مصارف واخراجات کے لئے ایک خطیر رقم پیش کی لیکن آپ نے شکریہ کے واپس لوٹایا اور فرمایا کہ ہمارے دارالعلوم کو اس کی چنداں ضرورت نہیں۔(خانوادۂ اقطاب ویلور:ص:۷۳)

حضرت عبداللطیف انتہائی خلیق اور کریم النفس تھے۔آپ کے اخلاق وعادات سے ہر کوئی شخص متاثر تھا۔اور بےشمار افراد آپ کی ملاقات کے لئے خدمات میں حاضر ہوتے تھے۔ان میں انگریز حکومت کے افسران بھی شامل تھے۔ایک مرتبہ لارڈ ولنگٹن نے اپنی اہلیہ کے ساتھ ۱۹۲۰ء میں آپ کی خدمت میں حاضری دی۔اس موقعہ پر خانقاہ میں ایک جمِ غفیر آپہنچا۔ویلور میونسپالٹی کے چیرمن جناب سر محمد حبیب اللہ نے سرکاری انتظامات کئے تھے۔

حضرت عبداللطیف کی شخصیت وسیرت سے متعلق مؤلف ''انوارِ اقطاب ویلور'' کا بیان ملاحظہ ہو:

''سانولا رنگ، کشادہ پیشانی، گھنی داڑھی، چہرہ پُر گوشت و بارعب، سینہ عریض، جسم لحیم، قد متوسط آواز وزن دار پُر وقار، نہایت سنجیدہ، متین اور حلیم الطبع تھے۔وضع داری کا پاس بہت زیادہ تھا۔تازیست آباء واجداد کے نقشِ قدم پر چلتے رہے۔طبیعت میں خلق سے بےنیازی بہت زیادہ تھی۔خدمتِ خلق کا جذبہ تھا۔جو بھی سائل آیا اس کا سوال پورا کیا۔آپ کا دسترخوان ہمیشہ کشادہ رہا۔دوست اور دشمن سبھی سے شاداں وفرحان ملتے تھے۔''(انوار اقطاب ویلور:ص:۱۲۱:مولفہ مولوی محمد طیب الدین اشرفی)

حضرت عبداللطیف مذہبی وتعلیمی مسائل اور ملی وقومی معاملات میں اپنے والد حضرت رکن الدین کے نقشِ قدم پر تھے۔آپ نے ندوۃ العلماء کے اجلاس (منعقدہ مدراس ۱۴،۱۵،۱۶ شوال ۱۳۲۱ھ) میں شرکت کی اور بحیثیت میر مجلس، اجلاس ندوۃ العلماء سے خطاب فرمایا۔آپ کی یہ تقریر روئداد اجلاس دہم، ندوۃ العلماء مدراس، میں شائع ہوئی ہے۔

(روئیداد اجلاسِ دہم ندوۃ العلماء:۳،۴،۵،جنوری ۱۹۰۴ء بمقام مدراس:مطبوعہ اسلامی پریس:شاہ جہاں پور)

حضرت سید شاہ ابوالحسن علی حسنی ندوی مرحوم،۲،اگست ۱۹۷۰ء کو دارالعلوم لطیفیہ تشریف لائے تھے۔اس وقت حضرت عبداللطیف کے چوتھے اور آخری صاحب زادے حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین

سید شاہ محمد طاہر قادری، دارالعلوم لطیفیہ کے منصب نظامت پر فائز تھے۔اس وقت یہ راقم الحروف مولوی عالم کے زمرۂ رابعہ کا طالب علم تھا۔مولانا علی میاں کے اعزاز میں ایک عالی شان اجلاس منعقد کیا گیا۔اور مولانا علی میاں کی خدمت میں پیش کردہ سپاس نامہ اورآپ کی فکر انگیز تقریر دارالعلوم کے سالنامہ اللطیف ۱۹۷۰ء میں شائع کی گئی ہے۔مولانا علی میاں نے لکھنؤ پہنچنے کے بعد ایک مکتوب ناظم دارالعلوم لطیفیہ کے نام ارسال فرمایا جس میں حضرت عبداللطیف اورآپ کے بزرگوں کی علمی اور دینی خدمت اور ندوہ کے ساتھ تائید واتفاق اور تعاون کا بایں الفاظ اعتراف کیا ہے۔

''میں ویلور کی حاضری کو حاصلِ سفر سمجھتا ہوں۔مجھے اس وقت جو انشراح وانبساط حاصل ہوا، اس کا سبب معلوم نہ تھا۔لیکن وہاں سے واپس آکر میں نے آپ کے عنایت فرمائے ہوئے رسائل پر نظر ڈالی اور لکھنؤ پہنچ کر اپنے والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحیؒ صاحب سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنو کی مشہور عربی تصنیف ''نزھۃ الخواطر'' کی چھٹی اور ساتویں جلد دیکھنے کا موقعہ ملا۔اس میں سید شاہ ابوالحسن قادری قربیؔ علیہ الرحمہ اور سید شاہ عبداللطیف قطب ویلور کے حالات دیکھے تو اس تعلق قلبی اور انجذاب باطنی کا سبب معلوم ہوا۔پھر ندوۃ العلماء کے اجلاسِ مدراس ۱۹۰۴ء اور اجلاس مدراس ۱۹۱۷ء کی رودادیں دیکھیں تو مزید تصدیق ہوی۔کیوں کہ پہلے اجلاس میں مولانا رکن الدین سید شاہ محمد قادری صاحب نے جو اس وقت سجادہ نشین تھے۔ندوہ کی پوری نصرت وحمایت فرمائی۔خود علالت کی وجہ سے تشریف نہ لاسکے تو صاحب زادۂ والا شان مولانا سید شاہ عبداللطیف کو قائم مقام بنا کر بھیجا اور انھوں نے ایک جلسہ کی صدارت فرمائی۔یہ وہ زمانہ تھا کہ ندوہ کی حمایت کرنا بھی مدراس میں وہابیت کا مترادف سمجھا جاتا تھا۔یہی وہ گونا گوں تعلقات تھے جو میرے لئے کشش کا باعث ہوے اور پورے دورہ میں کہیں بھی میرا جی ایسا نہیں لگا جیسا حضرت مکان میں۔''

حضرت عبداللطیف ۱۳۳۸ھ میں سوئے حرم چل پڑے۔ایک شب خواب میں اپنے والد ماجد حضرت رکن الدین اور اپنے دادا محترم حضرت قطب ویلور کو دیکھا، یہ دونوں حضرات آپ کو ارضِ حرم آنے کے لئے کہہ رہے ہیں۔جیسے ہی آپ ان کی ملاقات کے لئے آگے بڑھے تو حضرت قطب ویلور نے فرمایا۔ حرم میں ملاقات ہوگی۔اس خواب کا ذکر اپنی والدہ ماجدہ سے کیا تو وہ تعبیر سمجھ گئیں اور اسی وقت ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔حضرت عبداللطیف چہارشنبہ ۳۰،شوال ۱۳۳۸ھ، ویلور سے روانہ ہوئے۔

آپ کے ہمراہ بڑے صاحب زادے مولانا مولوی ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری اور مولانا مولوی مفتی عبدالباسط اور چند حضرات تھے۔ فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد آپ اُمّ القریٰ میں تھے۔ ۱۹، ذی الحجہ کو جنت الماویٰ تشریف لے گئے۔ جہاں ایک جگہ ٹھر کر بہت دیر تک دعا میں مشغول تھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ وہاں سے واپس ہوتے ہی مولانا مفتی عبدالباسط کو طلب فرمایا اور اپنے ہم سفر فرزند کی جانشینی اور آستانہ کی سجادہ نشینی کے لئے خلافت نامہ تحریر کرنے کا حکم دیا۔ اور جوارِ حرم میں صاحب زادۂ والا شان حضرت مولانا مولوی ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری کو بیعت و خلافت سے نوازا۔ اور اسی روز ۱۹، ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ کو سفر آخرت پر روانہ ہوگئے۔ دوسرے روز ۲۰، ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ کو آپ کی تجہیز و تکفین عمل میں آئی اور ایک لاکھ زائرین حرم نے آپ کی نمازِ جنازہ ادا کی اور آپ جنت الماویٰ میں اسی جگہ مدفون ہوئے جہاں آپ ایک روز قبل محوِ دعا تھے۔

حضرت عبداللطیف کے سفر حج کے متعلق آپ کے ایک مرید خاص نے مؤثر انداز میں روشنی ڈالی ہے

اک شب میں دیکھا خواب کہ محبوب ذوالمنن — مشغولِ طوف کعبہ ہے چھوٹا ہے یہ وطن

جاری زباں پہ جد کہ ہے الفت سے یہ سخن — جن بن میں تو رہے وہ بنے غیرت چمن

کہتے ہیں خواب میں انہیں جدِ بزرگوار — اے افتخارِ جد و پدر! میں ترے نثار

فرقت میں تیرے، دل کو نہیں آتا ہے قرار — سرعت سے اب کرو سفر کعبہ اختیار

یہ بات سن کے چونکے جونہی پیرِ نامدار — قبلہ کی سمت جھک گئے سجدے کو ایک بار

کی عرض سر کو خاک پہ رکھ کر بہ انکسار — مولا تیری فقیر نوازی کے میں نثار

یہ کہہ کے سر اٹھایا تھا سجدے سے شاد شاد — وہ شوق وصل تھا کہ نہ تھی کچھ کسی کی یاد

فارغ ہوئے نماز سے جب قبلۂ انام — آئے مصافحہ کو مریدانِ تشنہ کام

بولے یہ اپنے ساتھیوں سے وہ بصد ملال — تم کو میرے سبب سے اذیت ہوئی کمال

الفت کا میرے رکھتے ہوئے دل میں جو تم خیال — اس امر کی جزا تمہیں دے رب ذوالجلال

بندے کو امرِ حق میں تساہل روا نہیں — کیوں کر یہاں ہوں مجھے حکم خدا نہیں

جاری زبانِ پاک پہ مرشد کے یہ بیاں — گھر میں جو آئے روتے ہوئے مرشدِ زماں

پوچھا یہ ماں نے رونے کا کیا ہے، سبب یہاں — دادا کو میں نے خواب میں دیکھا ہے، اماں جان

اس دم پڑھے دعائے سفر کو شہ انام — چلا کے اٹھ کھڑی ہوئیں سیدانیاں تمام

مکہ میں ہائے اپنا یہ مرشد گزر گیا — بے کس وطن میں اپنے مریدوں کو کر گیا

چوبیس سال کی عمر میں ۱۳۲۲ھ میں حضرت عبداللطیف کا عقدِ مسعود بمقام ویلور ہوا۔ آپ کے والد نے آپ کے علاوہ آپ کے چھوٹے بھائی سید شاہ غوث صاحب قادری معروف غوث پیر صاحب اور دیگر دو بہنوں کا نکاح ایک ساتھ کرادیا۔ اس مبارک و مسعود محفل میں علماء و فضلاء اور شعراء و ادباء بڑی تعداد میں شریک تھے۔ مختلف شعراء کرام نے تہنیتی نظمیں پیش کیں جس کا ایک گلدستہ ''گل دانِ تواریخ:: کے نام سے باہتمام جناب محمد عبداللطیف ولدِ حکیم محمد حسین معروف حکیم بابا میاں بنگلوری شائع ہوا۔

(دارالعلوم لطیفیہ کا ادبی منظر نامہ: ص:۲۸۶: ڈاکٹر راہی فدائی)

آپ کا عقدِ مسعود حضرت قطب ویلور کے ہمشیر زادے حضرت سید شاہ عبدالقادر قادری کی صاحب زادی سے ہوا۔ جن کے بطن سے چار لڑکے اور دو لڑکیاں تولد ہوئیں۔

حضرت مولانا مولوی حافظ ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری ویلوری

اس خانوادہ کی آٹھویں بزرگ شخصیت حضرت مولانا مولوی حافظ ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری علیہ الرحمہ ہیں۔ جو حضرت عبداللطیف ملکی کے فرزندِ اوّل ہیں۔ آپ کی ولادت شب یکشنبہ ۴، ربیع الاول ۱۳۲۴ھ کو شہر ویلور میں ہوی۔ آپ کی تعلیم دارالعلوم لطیفیہ میں ہوئی۔ آپ کے اساتذہ کرام میں حضرت مولانا الحاج مولوی محی الدین حسین چیدہ اور مولانا مولوی حافظ سید قاسم صاحب کے نام قابل ذکر ہیں۔ جنھوں نے آپ کی تعلیمی استعداد کو مضبوط کیا۔

۱۳۳۸ھ میں اپنے والد ماجد حضرت عبداللطیف کے ساتھ حج کے لئے تشریف لے گئے۔ وہاں آپ کے والد محترم نے اپنے انتقال سے ایک دن پہلے حرم شریف میں متعدد علماء مشائخ اور زائرین حرم کے سامنے آپ کو خرقۂ خلافت پہنایا اور یہ وصیت و نصیحت فرمائی کہ شریعتِ مطہرہ پر عمل کریں۔ طریقت و حقیقت پر ثابت رہیں اور لوگوں کو دینِ حق کی طرف دعوت دیں اور اس کام میں دشمنوں کی دشمنی، حاسدوں کے حسد، عیب چینیوں کی عیب جوئی، فتنہ پردازوں کی فتنہ انگیزی کی طرف مطلق التفات نہ کریں۔ اور اپنے کام میں ہمہ تن مصروف و مشغول رہیں جیسا کہ آپ کے خلافت نامہ سے عیاں ہے۔

"اجازت سلسلۂ قادریہ وغیرہا برخوردار ابوالفتح سید عبدالقادر عطا نمود۔ واین جواہر گراں مایہ در خیر البقاع اعنی مکۃ المکرمہ بجوار حرم محترم زادہ اللہ شرفا و تعظیما۔ بدامن استدعا ایشان نہاد شرطِ اجازت استقامت بر شریعت و ثبات بر طریقت و حقیقت است۔ و بندگانِ خدا را بہ جانب حق جل مجدہٗ بکشد واز لومۃ لائم نیندیشد و بہ عداوت دشمنان و عیب چینی عیب چینیاں و حسدِ حاسدان التفات نکند و مشغول کار خود باشد۔

ارض حرم سے لوٹنے کے بعد یکم ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو آپ کی رسم سجادگی عالی شان پیانہ پر ادا کی گئی۔ جس میں مختلف سلاسل کے مشائخ، سادات، علماء، فضلا، شعراء، ادباء، روساء، خویش، اقارب اور اہالیان شہر کی خاصی تعداد شریک رہی۔ اس موقعہ پر منظوم اور منثور تہنیت نامے پڑھے گئے۔ مولانا احمد کویا شالیاتی نے عربی زبان میں اپنے تاثرات کو پیش کیا۔ اس منظوم کلام کے دو شعر ملاحظہ ہو۔

هناكم اليوم بالاقبال تبشير   يابى المكان ولوه جاء الزمان وراى

دار العلوم به باهت لطيفيه   بأن لركن الهدى والدين

حضرت ابوالفتح سجادہ نشین ہونے کے بعد پورے عزم واستقلال اور ثبات واستقامت کے ساتھ دار العلوم لطیفیہ کی ترقی اور خانقاہ کی روایات کی تکمیل میں ہمہ تن مصروف ومشغول ہوگئے۔ آپ کے دور میں جنوب اور شمال کے قابل علماء منصب درس پر فائز رہے۔ جن میں سے بعض اساتذہ کرام دار العلوم لطیفیہ ہی کے خوشہ چین تھے۔ چند مدرسین کے اسماء یہ ہیں:

۱۔ مولانا مولوی سید شاہ حیدر ولی اللہ ناظم دار العلوم لطیفیہ

۲۔ مولانا مولوی غلام نبی صاحب ساکن گیڈر پور، ضلع ہرارہ

۳۔ مولانا مولوی اسرائیل خان ساکن خاکہی، ضلع ہرادہ

۴۔ مولانا مولوی مفتی عبدالرشید خان، سابق سرپرست، جامعہ عربیہ۔ ناگپور

۵۔ مولانا مولوی غلام حیدر پشاوری

۶۔ مولانا مولوی جیلانی۔ بستی

۷۔ مولانا مولوی سید شاہ شہاب الدین قادری، ترچناپلی

۸۔ مولانا مولوی سید حسام الدین۔ گڑیاتم

۹۔ مولانا مولوی احمد کویا شالیاتی۔ کیرالہ

۱۰۔ مولانا مولوی احمد کٹی۔ کیرالہ

۱۱۔ مولانا مولوی محمد رامناڈ کالیکٹ کیرالہ

۱۲۔ مولانا مولوی رضوان الرحمٰن، سہسوانی۔ ضلع بدایون

۱۳۔ مولانا مولوی مفتی ابوالمعالی علوی ملیباری ویلوری

۱۴۔ مولانا مولوی حافظ سید عابد صاحب، ویلوری

حضرت ابوالفتح کے دست مبارک پر بہت سارے اشخاص نے بیعت کی۔ آپ نے بعض اہل علم کو خلافت سے نوازا۔ ان میں مولانا حکیم محمد غلام غوث شریف صاحب گورنمنٹ قاضی، ضلع شمالی آرکاٹ اور مولانا مولوی ابوصالح غضنفر حسین شاکر، سابق ناظم جامعہ دارالسلام عمرآباد کے نام قابل ذکر ہیں۔

حضرت ابوالفتح وسیع الخیال اور وسیع المشرب بزرگ تھے۔ ہمیشہ مثبت اور تعمیری نقطۂ نظر کو اختیار فرماتے تھے۔ مسلکِ اہلِ حدیث کی درس گاہ، جامعہ دارالسلام، عمرآباد کا قیام عمل میں آیا تو آپ نے بنفسِ نفیس اس کی افتتاحی تقریب میں شرکت فرمائی اور اپنے دستِ مبارک سے سنگِ بنیاد رکھا اور اس کی فلاح و بہبودی اور ترقی کے لئے دعا فرمائی۔ قیام جامعہ کے بعد بھی روابط قائم رکھا۔ ایک وقت ایسا بھی آ پہنچا جب کہ جامعہ کو ایک لائق و فائق استاد کی ضرورت پیش آئی تو اس موقعہ پر آپ نے اپنے مرید و خلیفہ اور دارالعلوم کے استاذ حضرت علامہ شاکر نائطی کو جامعہ میں درس دینے کے لئے بھیج دیا۔ جہاں شاکر صاحب نے درس و تدریس اور نظامت کے فرائض انجام دئے۔ مسلکی رواداری اور باہمی محبت و الفت کی ایسی نظیر موجودہ زمانہ میں دینی درسگاہوں کے اندر خال خال ہی مل سکتی ہے۔ علامہ شاکر نائطی عربی، فارسی اور اردو کے بہترین فاضل، ادیب، شاعر، افسانہ نویس اور صاحبِ طرز انشاء پرداز تھے۔ آپ کے دور کے جتنے بھی عمری فضلاء ادباء و شعراء ہیں۔ ان کا علمی و ادبی مذاق آپ ہی کا رہینِ منت ہے۔

حضرت ابوالفتح کی سیرت و شخصیت اور اخلاق و کردار سے متعلق مولانا ذکریا نے اپنی کتاب ''خانوادۂ اقطاب ویلور'' میں جو تاثرات قلم بلند کیا ہے وہ قابلِ مطالعہ اور لائقِ نقل ہے۔ اور ان کا یہ بیان شہادتِ عینی کا درجہ رکھتا ہے۔ کیونکہ ان کو حضرت ابوالفتح کی طویل صحبت اور ہم نشینی کا شرف حاصل رہا۔

''اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ (حضرت ابوالفتح) بچپن ہی سے کریمانہ اخلاق اور شریفانہ وضع قطع کے مالک تھے۔ فقراء و مساکین کے ساتھ انتہائی تعظیم و تکریم سے پیش آتے۔ بڑوں کی عزت کرتے چھوٹوں پر شفقت فرماتے۔ حد درجہ حیا پسند اور کم گو تھے۔ بہ نسبت کلام کے سکوت زیادہ فرماتے تھے۔ آپ کی ہر دلعزیزی کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ ہر مذہب کے آدمی کشاں کشاں حضرت کی زیارت اور قدم بوسی کے

لئے چلے آتے۔ صبح ہوتے ہی ہندو مسلم کا ایک عجیب سماں بندھ جاتا۔ جہاں عفوودرگذر آپ کی فطرت تھی۔ وہاں صبر و تحمل آپ کی خمیر میں داخل تھا۔ حد درجہ غیور تھے۔ کسی رئیس کی محفل میں جانا اپنی فطرت کے خلاف تصور فرماتے تھے۔ اپنے مریدین کی دعوت پر ان کے گھر تشریف لے جاتے۔ زندگی تکلف و تصنع سے عاری تھی۔ آپ کی شخصیت بڑی پُر وقار تھی۔ جمال باکمال کا یہ حال کہ مجرد دیدار ہی سے سنگ دل موم ہو جاتا۔ بڑے سے بڑا سرکش اور ظالم ہی کیوں نہ ہو، جب آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا تو سراپا عجز و نیاز و مرقع خلوص بن جاتا۔ مگر آپ کا یہ وطیرہ رہا کہ اپنی زندگی میں سخت سے سخت مخالف و معاند سے بھی ترش روئی کے ساتھ کبھی پیش نہ آئے۔ بلکہ پوری بشاشت اور انشراحِ قلب کے ساتھ ہم کلام ہوتے۔ آپ مستجاب الدعوات تھے۔ لوگ دور دور سے دعا کے لئے حاضر ہوتے۔''

(خانوادۂ اقطابِ ویلور: ص: ۸۳،۸۴)

حضرت ابوالفتح صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ آپ کی ذات گرامی سے کئی ایک کرامات صدور پذیر ہوئیں۔ اس مقام پر ایک واقعہ نقل کیا جا رہا ہے۔ جو خواص اور عوام میں کافی مشہور ہو چکا ہے۔ اس واقعہ کے راوی اور ناقل آپ کے برادرِ عزیز حضرت ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری ہیں۔

''الحاج مٹھدار غلام محی الدین احمد خان، دھرم پوری نے حضرت شاہ حمید الدین ناگوری کی بارگاہ میں یہ عریضہ پیش کیا کہ مجھے شیخ کامل دکھا دیجئے۔ اس کے بعد ایک شب موصوف نے خواب دیکھا کہ حضرت ناگوری علیہ الرحمہ آپ کو ویلور حضرت مکان اور ایک بزرگ کا حلیہ بتاتے ہوئے فرما رہے ہیں یہ مرد عارف تمہارے شیخ ہیں۔ جو میرے ہم نام اور ہم گام ہیں۔

حاجی صاحب خواب سے بیدار ہوئے۔ آپ کبھی ویلور نہیں آئے تھے۔ حضرت ناگوری کی بشارت و رہنمائی کے مطابق حضرت مکان ویلور پہنچے تو صحن مسجد میں حضرت ابوالفتح کو دیکھا تو اسی وقت خواب کے بزرگ کا حلیہ آنکھوں میں پھر گیا۔ حضرت ابوالفتح سے ملاقات کی اور اس کے بعد ان کے دامن سے وابستہ ہو گئے۔

(خانوادۂ اقطابِ ویلور: ص: ۸۳،۸۴)

اس واقعہ کو علامہ شاکر نائطی نے بھی بیان کیا ہے۔

ایک خوش بخت سے روایت ہے   کیا ہی اللہ کی عنایت ہے

تھی تلاش ان کو شیخ کامل کی | مرد عارف کی حق سے واصل کی
شاہ گنج سوائی تک پہنچے | اور ہے جا کے بارگہ میں کھڑے
عرض و معروض میں زبان کھلی | اور بڑی عاجزی سے عرض یہ کی
شیخ کامل مجھے دکھا دیجئے | پردہ آنکھوں سے اب ہٹا دیجئے
طالبِ حق کی آرزو پا کر | اور خود اپنے ساتھ لے جا کر
حلیۂ شیخ اسے بتا بھی دیا | اور حضرت مکان دکھا بھی دیا
مراہم نام ہے یہ شیخ تیرا | مراہم گام ہے یہ شیخ ترا

حضرت ابوالفتح نے تقریباً چالیس سال تک مسندِ سجادگی کو زینت بخشی۔ ۱۳۷۵ھ میں اپنے تین چھوٹے بھائیوں، حضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری، حضرت مولانا مولوی ابوصالح عمادالدین سید شاہ محمد ناصر قادری، حضرت مولانا مولوی ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری کو خلافت عطا کی۔ اس موقعہ پر علامہ شاکر نائطی اور مولانا کماؔلی ویلوری اور دیگر شعراء نے تہنیتی نظمیں پڑھیں۔

علامہ شاکر نائطی:

بوالفتح عبدقادر سرآمد سیادت | سلطان چو محی الدین است در موطن ولایت
بہنادہ گام خود را برنقش پائے آباء | او خلف صدق آمد در معنی و عبارت

کماؔلی ویلوری:

نیّر برج شرافت گوہرِ دُرج صفا | قبلہ سید شاہ عبدقادر عالی جناب
یہ مکان قطبِ ویلور اور بھی آباد ہو | کچھ اثر ڈالے زمانے کا نہ ان پر انقلاب

حضرت ابوالفتح کا نکاح ۱۳۵۳ھ میں آپ کے عم محترم حضرت سید غوث پیر قادری کی بڑی صاحب زادی کے ساتھ ہوا اور آپ کو کوئی اولاد نہیں ہوی۔ آپ کی وفات ۱۲، محرم ۱۳۷۸ھ روز چہار شنبہ بوقت صبح ۷ بجے سی ایم سی ہسپتال ویلور میں ہوی۔ جس کی اطلاع آپ نے پہلے ہی اپنے خاندان والوں کو دے دی تھی۔ آپ کے برادرِ محترم حضرت مولانا ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور آپ کو اپنے خاندانی گنبد کے اندر مغربی سمت حضرت ذوقیؔ علیہ الرحمہ کے پہلو میں سپردِ

خاک کیا گیا۔ آپ کی وفاتِ حسرت آیات پر بہت سے شعراء نے مرثیے لکھے۔ علامہ شاکر نائطی کے مرثیہ کے چند شعر ذیل میں درج ہیں:

شاہ ابوالفتح سید السادات ذات تھی جن کی پاک و نیک صفات
یعنی سلطان محی دین متین عبد قادر ولی ذی تمکین
چل بسے بارھویں محرم کو داغِ فرقت وہ دے گئے ہم کو
ایسے کیا انتقال کرتے ہیں مرنے والے بھی ساتھ مرتے ہیں
مرگ تنہا نہیں، یہ وہ غم ہے موت عالِم کی موتِ عالَم ہے
ہفت ساعت تھی اور بدھ کا دن دن نکلتے ہی جب کہ ڈوبا دن!
نکلا سورج بھی تھرتھراتا ہوا منظرِ غم میں تلملاتا ہوا
اللہ اللہ کیا وہ ہستی تھی زندگی جس کی حق پرستی تھی
موت، غم ہم کو دینے آئی تھی مغفرت ان کو لینے آئی تھی

علامہ شاکر نائطی کا لکھا ہوا قطعہ تاریخ رحلت درگاہِ شریف کی دیوار پر چسپاں ہے۔ جس سے آپ کی تاریخ وفات معلوم ہوتی ہے۔

حضرت بوالفتح سلطان محی الدین
عبدِ قادر قدوۂ اہل صفا
کرد رحلت آہ، تاریخِ وصال
گفت شاکر غالب قطب الکبریا

۱۲۷۸ھ

✿✿✿

اعلیٰ حضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری ویلوری

اس خانوادہ کے بانی و مورث اعلی حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری بیجاپوری کی نرینہ اولاد کی سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی اور اس آستانہ کے آخری سجادہ نشین اعلی حضرت ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری ہیں جو حضرت عبداللطیف مکی کے دوسرے صاحب زادے ہیں۔

آپ کی ولادت ۲۱ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ روز چہارشنبہ بوقت طلوع سحر ہوی۔ بقول مصنف "خانوادۂ اقطاب ویلور" آپ کی ولادت کے وقت آپ کے والدِ ماجد نے خواب دیکھا کہ حضرت مکان کے در و دیوار و شجر و حجر کے اوپر ابوالنصر قطب الدین سید محمد باقر لکھا ہوا ہے۔ اس سے آپ نے سمجھا کہ نومولود کا نام رکھنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ چنانچہ آپ نے یہی نام تجویز کیا (خانوادۂ اقطابِ ویلور: ص:۹۲)

حضرت ابوالنصر کی تعلیم و تربیت مدرسۂ لطیفیہ میں ہی ہوی۔ آپ نے قرآن کریم حفظ کرنا شروع کیا۔ چند ہی پارے حفظ کر سکے اور تحفیظ کا سلسلہ ادھورا رہ گیا۔ آپ نے اپنے برادر محترم حضرت ابوالفتح کے زیرِ سایہ سلوک کی تعلیم پائی اور ۱۰، ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ روز جمعہ بیعت و خلافت سے مشرف ہوئے۔ اپنے برادر محترم و شیخ مکرم کی وفات کے چالیس دن بعد تقریبِ اربعین میں بتاریخ ۲۲، صفر ۱۳۷۸ھ کو مسندِ سجادگی پر رونق نما ہوئے اور تادمِ زیست دارالعلوم لطیفیہ اور خانقاہ کی خدمت میں مصروفِ عمل رہے۔

سجادہ نشیی کی روح پرور تقریب میں بہت سارے شعراء نے اپنا اپنا کلام پیش کیا۔ حضرت میراں ابوصالح سید احمد جیلی قادری اور شیخ عبدالرحیم کامی کی نظم تبریک کے آخری شعر سے مسند نشینی کی تاریخ برآمد ہوتی ہے۔ سید احمد جیلی:

یہ مسند نشینی کی تاریخ ہے   خجستہ لقاء ہے یہ والا مکاں

جناب عبدالرحیم کاملؔ ویلوری:

سنِ تقریب ہوا اک نعرۂ جوش آوری   صد آفریں، صد مرحبا دورِ جمال باقری

اس سرور آگیں موقعہ پر حضرت زکریا ادیبؔ خاورؔ نے بھی نثر میں اپنے دلی جذبات و قلبی تاثرات کا اظہار کیا۔ آپ کا منشور تہنیت نامہ درج ذیل دو شعروں پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔

اے کہ ترے وجود سے سارے دکن کو برتری   رونق صد حیات ہے دورِ جہان باقری

میں کیا، میری بساط کیا تجھ پہ نثار جان و دل   ادنیٰ ترین غلام ہے تیرا ادیبؔ خاوری

حضرت ابوالنصر کی ذات والا صفات سے بیعت واردات کا سلسلہ دور دور تک خوب پھیلا۔ آپ نے چند مخصوص علماء کو خلافت سے نوازا اور ان کے ذریعہ جنوب کے علاقہ میں درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور وعظ و نصیحت کا کام وسیع پیمانہ پر ہو رہا ہے۔ ان میں سے بعض خلفاء کے اسماء یہ ہیں:

۱۔ مولانا مولوی سید مصطفےٰ حسین بخاری کڈپہ، چیرمین مدینہ انجنیئرنگ کالج کڈپہ، سجادہ نشین آستانۂ بخاریہ۔ کڈپہ۔

۲۔ مولانا مولوی شاہ محمد انوار اللہ سر قاضی۔ یم اے، قاضی شمالی آرکاٹ

۳۔ مولانا مولوی پی محمد ابوبکر ملیباری۔ استاد دارالعلوم لطیفیہ ویلور

۴۔ مولانا مولوی سید شاہ عبدالجبار صاحب باقوی۔ ناظر مدرسۂ ثنائیہ، کڑپہ

۵۔ مولانا مولوی شبیر احمد اکرمی۔ قاضی شہر بھٹکل

۶۔ مولانا مولوی سید برہان الدین عنطری باقوی، استاذ مرکز الثقافۃ السعیہ۔ کیرلا

۷۔ مولانا مولوی پی کے موسیٰ کُٹی باقوی۔ مدرس باقیات صالحات ویلور

۸۔ مولانا مولوی سید شاہ یوسف بغدادی۔ ناظر مدرسۂ اسلامیہ کڈپہ۔ خطیب مسجد بہادر خان کڈپہ

۹۔ سماحۃ الشیخ عبداللہ ھزیم مراقب شؤن الا سلامیۃ و الاوقاف بحرین

۱۰۔ مولوی حافظ ابوالنعمان بشیر الحق قریشی ایم، اے۔ راقم مقالہ

حضرت ابوالنصر پیکر اخلاق اور مجسم شرافت اور سراپا کرامت تھے۔ راقم الحروف نے آپ کی

سرپرستی میں ربع صدی کا زمانہ گزار دیا۔ اور اسے اس مدت میں آپ کی سیرت وشخصیت اور کردار وعمل کے گوشوں اور پہلوؤں کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ آپ کے اندر حق گوئی، بے باکی، معاملات کی صفائی، قلب کی صفائی، زبان کی صفائی، سادگی، بے نفسی، بے نیازی، قوت ارادی، قوت فیصلہ، لوگوں کے صرف محاسن کا اظہار، لوگوں کے عیوب سننے سے بھی نفرت وناپسندیدگی بدرجۂ اتم موجود تھی۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کا مشاہدہ ہراس شخص کو حاصل ہے جس نے آپ سے ملاقات اور صحبت پائی۔

حضرت ابوالنصر کی خدمت میں مختلف مکاتیب فکر کے علماء اور فضلاء اور دینی درس گاہوں کے اساتذہ اور عصری دانش گاہوں کے دانش وروں اور ملی تنظیموں کے سربراہوں کی حاضری کا سلسلہ قائم رہتا تھا۔ اور آپ ہر ایک کے ساتھ انتہائی محبت والفت اور اکرام واعزاز کے ساتھ پیش آتے تھے۔ اختلاف وفکر ونظر کی سطح سے بلند ہو کر کشادہ ذہن ووسعتِ قلبی اور اعلیٰ ظرفی سے پیش آنا یہ آپ کے مزاج ومنہاج میں داخل تھا۔

آپ بہت ہی متحرک وفعال اور محنتی تھے۔ بہ نفس نفیس اپنے باغات اور کھیتوں کو تشریف لے جاتے تھے اور اپنی نگرانی میں زراعت اور کاشت سے متعلقہ امور کو انجام دیا کرتے تھے۔ اور چھوٹے چھوٹے سے کام کو خود انجام دیتے تھے اور کسی کام کو دوسروں کے بھروسے پر چھوڑنے کے عادی نہ تھے۔ دارالعلوم اور خانقاہ کے اخراجات ومصارف کی تکمیل کے لئے مکانات اور دکانات کی تعمیر کی، جس سے مالی استحکام کی صورت پیدا ہوگئی اور آپ کی ہی مسلسل محنتوں کے باعث آج دارالعلوم ایک خود کفیل ادارہ بن گیا آپ کا سفرہ عام تھا۔ ''بریں خوان یغمیٰ چہ دشمن چہ دوست'' ہمیشہ فرماتے کہ: مہمان کی خدمت کرنا اور اس کو خوش کرنا ہمارا فرض ہے۔ مہمان پر خرچ کرنے سے ہماری آمدنی میں برکت اور اضافہ ہوتا ہے۔ آپ کا عقد مسعود اپنی حقیقی پھوپی کی صاحب زادی بنتِ حضرت سید امین الدین علی قادری، جاگیردار عرس ورنگل کے ساتھ ۵، مارچ ۱۹۴۵ء مطابق ۱۹، ربیع الاول ۱۳۶۵ھ کو ہوا۔ آپ کو کوئی اولاد نہیں ہوی۔

۱۶، نومبر ۱۹۹۴ء مطابق ۲۱ ن، جمادی الثانی ۱۴۱۵ھ بروز شنبہ، علی الصباح دنیائے فانی سے چل بسے۔ اور آپ کا مزار درگاہِ شریف میں حضرت قربیؔ اور حضرت ذوقیؔ کے درمیان میں واقع ہے۔ آپ کی وفات سے حضرت عبداللطیف بیجاپوری کی صلبی ونرینہ اولاد کی سجادگی کا دور مکمل اور منتہی ہوگیا۔

حضرت مولانا الحاج ابوصالح عمادالدین
سید شاہ محمد ناصر قادری المعروف میراں باشاہ ویلوری

حضرت ابوالنصر کے دو حقیقی چھوٹے بھائی حضرت مولانا، الحاج ابوصالح عمادالدین سید شاہ محمد ناصر قادری اور حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری ہیں جو آپ کی زندگی ہی میں انتقال کر گئے۔ اول الذکر بھائی کی ولادت ۵، ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ کو ویلور میں ہوی۔ آپ کی تعلیم و تربیت دارالعلوم لطیفیہ میں ہوی اور اپنے سب سے بڑے بھائی حضرت ابوالفتح کے ہاتھوں پر بیعت کی اور ان ہی سے خرقۂ خلافت پہنا۔ ۱۴۰۰ھ میں حجِ بیت اللہ و زیارت نبویؐ سے شرف یاب ہوئے۔ دارالعلوم لطیفیہ کے امور و معاملات میں اپنے بھائیوں کے معاون اور دستِ راست تھے۔ آپ کا عقدِ مسعود اپنے عم محترم حضرت سید شاہ غوث پیر قادری کی چھوٹی صاحب زادی سے ۲۹، ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ ہوا۔ اور آپ کو کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

آپ کی وفات ۱۹، رجب المرجب ۱۴۰۴ھ کو مدراس میں ہوئی۔ حضرت مکان کے احاطہ میں واقع قبرستان میں مدفون ہوئے۔

حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین
سید شاہ محمد طاہر قادری ویلوری

ثانی الذکر بھائی حضرت ابوالحسن کی ولادت روز چہار شنبہ ۱۵، جمادی الاول ۱۳۳۶ھ کو ویلور میں ہوی۔ آپ نے گورنمنٹ محمڈن ہائی اسکول، ویلور میں ایس ایس ایل سی تک تعلیم پائی اس کے بعد مدراس تشریف لے گئے اور محمڈن کالج مدراس سے بی اے، کا امتحان امتیازی حیثیت سے کامیاب کیا۔ پھر لا کالج مدراس میں داخل ہوئے اور قانون کی تعلیم حاصل کی۔ لیکن خانگی حالات کے باعث ڈگری حاصل نہ

کر سکے ویلور واپس آگئے اور دارالعلوم لطیفیہ کی نظامت سنبھال لی۔ ۱۳۷۵ھ میں اپنے بڑے بھائی حضرت ابوالفتح کے ہاتھوں پر بیعت اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ نے اپنے دورِ نظامت میں دارالعلوم لطیفیہ کو خوب ترقی دی۔ زمانہ کے حالات اور تقاضوں کے تحت کئی ایک اقدامات کئے۔ مولوی عالم، مولوی فاضل اور تحفیظ قرآن کے ساتھ مدراس یونیورسٹی کے امتحانات افضل العلماء (عربی) منشی فاضل (فارسی) ادیبِ فاضل (اردو) میں طلباء کو شریک کروایا۔ اور ان کے نصاب کی تعلیم کے لئے درس کا انتظام کیا۔ اور ۱۹۶۵ء میں دارالعلوم لطیفیہ کا الحاق مدراس یونیورسٹی سے کروایا۔ آپ کے اس اقدام کی وجہ سے کئی ایک فارغین، اسکول اور کالج میں ملازمت کر رہے ہیں۔

آپ نے طلباء کے اندر تقریری ذوق وشوق اور استعداد پیدا کرنے کے لئے انجمن دائرۃ المعارف قائم کیا اور اپنی سرپرستی اور اساتذہ کی نگرانی میں ہفتہ وار مشقی جلسوں کے انعقاد کا انتظام فرمایا۔ اور ہر طالب علم کو ہفتہ میں ایک مخصوص عنوان پر تقریر کرنے کا مکلف ٹھہرایا جس کی وجہ سے آپ کے عہد میں بے شمار طلباء اچھے مقرر بن کر ابھرے۔

آپ نے طلباء میں تحریری صلاحیت وقابلیت اجاگر کرنے کے لئے دارالتصنیف والاشاعت کے نام سے ایک ادارہ قائم فرمایا اور ۱۹۶۵ء میں اپنی ادارت میں ایک موقر وضخیم سالنامہ ''اللطیف'' کا اجرا کیا جو آج تک پوری آب وتاب اور پابندی کے ساتھ راقم الحروف کی ادارت میں شائع ہو رہا ہے۔ اس میں طلباء واساتذہ کے مضامین اور حضرت مکان کے بزرگوں کی کئی ایک تصانیف کی اشاعت ہو رہی ہے۔ آپ کی کوششوں کے باعث بہت سی نادر اور نایاب کتابیں اور ان کے ترجمے منظر عام پر آچکے ہیں۔ ان میں چند کتابیں یہ ہیں:

۱۔ مجموعۂ رسائل قربی　۲۔ میزان العقائد　۳۔ انشاء عقائدِ ذوقی

۴۔ بیعت غائب وحاضر　۵۔ جواہر السلوک　۶۔ خانوادۂ اقطابِ ویلور

۷۔ انوارِ اقطابِ ویلور

حضرت ابوالحسن کی شخصیت بڑی پرکشش، دل آویز اور مرنجان مرنج تھی۔ ہر شخص آپ سے ملنے کے بعد آپ کے اخلاق سے متاثر اور گرویدہ ہو جاتا تھا۔ اور آپ کی ذات کئی ایک خوبیوں اور کمالات کی

مالک تھی۔ عہد طفولیت ہی سے شریفانہ اخلاق اور کریمانہ عادات کا ظہور ہوتا رہا۔ آپ کو بی اے کی سند کے ساتھ جو اخلاقی سند عطا کی گئی ہے اس میں یہ جملہ لکھا ہوا ہے۔

''یہ وہ طالب علم ہے جس کے عمدہ اخلاق کی وجہ سے اساتذہ اس کا احترام کیا کرتے ہیں'' ۷، دسمبر ۱۹۸۶ء بروزِ اتوار آمبور کے راستے میں حرکتِ قلب بند ہو جانے کے باعث کار ہی میں انتقال ہوا۔ حضرت مکان کے قبرستان میں آسودۂ خاک ہیں۔

(خانوادۂ حضرت قطب ویلور کی مایہ ناز و تاریخ ساز شخصیت: ص:۲۸: مولوی حافظ بشیر الحق: ۱۹۸۷ء)

آپ کا عقد سعید ۴، جمادی الاول ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۱، فروری ۱۹۵۱ء کو حضرت سید شاہ میراں محی الدین، ورنگل کی دختر نیک اختر سے ہوا۔ جن کے بطن سے دو لڑکیاں ہوئیں۔ آپ کی کوئی نرینہ اولاد زندہ نہیں رہی۔ بڑی صاجزادی حضرت مولانا سید شاہ عثمان قادری عرف فصیح پاشاہ حیدرآباد دام اقبالہ سے بیاہی گئیں ہیں۔ حضرت عثمان دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم سے بھی آراستہ ہیں۔ بی کام، ایم اے، اور پی ایچ ڈی کی اسناد سے سرفراز ہیں اور اس وقت آپ آستانہ کے سجادہ نشین اور دار العلوم لطیفیہ کے ناظم ہیں۔

حضرت ابوالحسن کی چھوٹی صاحب زادی حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد شطاری دام اقبالہ، بنگلور سے منسوب ہیں۔ اور آپ اپنے ہم زلف کے دست راست اور معاون کی حیثیت سے امور سجادگی اور معاملات دار العلوم کو بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔ اور یہ دونوں جوان اور صالح حضرات باہمی مشورہ اور تعاون کے ساتھ دار العلوم اور خانقاہ کے انتظام وانصرام میں مصروفِ عمل ہیں۔ اور اب ان حضرات سے حضرت عبد اللطیف بیجاپوری کی آل کے سلسلہ کی شروعات ہو چکی ہے۔

تیسرا باب
حضرت قطب ویلور کی سیرت وسوانح

حضرت مولانا سیدشاہ محی الدین عبداللطیف قادری المعروف قطب ویلور

حضرت سید شاہ عبداللطیف بیجاپوری کے دودمانِ عالی شان کی شہرۂ آفاق علمی وعبقری اور اصلاحی ودعوتی شخصیت حضرت قطب ویلور ہے۔جن کی حیات وخدمات اوران کے علمی وروحانی فیوض و برکات اورآثارواثرات پر یہ تحقیقی مقالہ مختص اور مشتمل ہے۔

آپ کااسم گرامی سیدعبداللطیف ہےاورآپ علمی دنیامیں شاہ محی الدین اورحضرت قطب ویلور سے مشہور ہیں۔آپ کے والد ماجد کانام حضرت سیدشاہ ابوالحسن محویؔ اوروالدہ ماجدہ کانام حضرت بی بی امۃ المجید(متوفاۃ ۱۲۸۲ھ) بنت حضرت سیدشاہ علی محمد قادری ویلوری(متوفی ۱۲۲۶ھ) ہے۔حضرت قطب ویلورکی ولادتِ باسعادت بروز ہفتہ یوم البدر بوقت طلوع صبح صادق ۔۱۴، جمادی الآخری ۱۲۰۷ھ آپ کے جد مادری سیدعلی محمد قادری کے گھر محلہ سعیدآبادویلور میں ہوی۔بقول ضمیمہ جواہرالسلوک:

"ولادتِ وے درویلور بمحلۂ سعیدآباد درخانہ جد مادری وے سیدعلی محمد قادری ہنگام طلوع صبح صادق شنبہ یوم البدر جمادی الاخری ۱۲۰۷ہجری است (ضمیمۂ جواہرالسلوک:ص:۲۶۶)

زمانہ کی مروجہ عادت اورطریقہ کے مطابق آپ کی تعلیم کی شروعات چارسال کی عمرمیں ہوئی ابتدائی تعلیم والدِ ماجد کے پاس ہوئی۔آپ عہدِطفولیت ہی سے ذہین وفطین تھے۔اس عمرمیں بھی آپ کے اندرکھیل کوداورلایعنی مشاغل سے کوئی دلچسپی اوررغبت نہ تھی۔درس اورمطالعہ کےاوقات کے بعدفن کتابت آپ کامحبوب اورپسندیدہ مشغلہ تھا۔چناں چہ آٹھ سال کی عمرمیں ایک بہترین خطاط اورخوش نویس اورزود نویس کاتب بن چکے تھے۔اورتین چاردن میں کلام اللہ کاایک سیپارہ لکھ کراپنی مسجد کےموذن کےحوالے کرتے تھےاوروہ لوگوں کودے کرہدیہ حاصل کرتےاورآپ کی خدمت میں پیش کرتےتوآپ وہ رقم اپنی

والدہ کے حوالہ کردیتے۔ مولانا عبدالحیؒ بنگلوری فرماتے ہیں:

ایک سیپارہ کلام اللہ لکھتا یہ چار دن میں وہ آگاہ
اور موذن کے ہاتھ دیتا تھا لاتا وہ کر فروخت زر اس کا
اور وہ پیسوں کو شیخ نے لیتا والدہ پاس اپنے لا دیتا

(مثنوی مطلع النور: ص:۱۸)۔

حضرت قطب ویلور کی عمر جب آٹھ سال تھی تو اس وقت اپنے والد ماجد کو یہ فرماتے ہوئے سن لیا تھا کہ جمعہ کے دن دو خطبوں کے درمیانی وقت میں دعا قبول ہوتی ہے تو اسی وقت آپ نے اپنے دل میں نیت کرلی کہ اگلی جمعہ اس مستجاب وقت میں اپنے لئے علم وفہم اور فضل وکمال کی دعا مانگ لوں گا۔ چنانچہ آپ نے اگلی جمعہ دو خطبوں کے درمیان اپنے لئے علم کی دولت مانگی اور یہ دعا قبول ہوگئی۔ اس کے بعد آپ علم وفضل کے میدانوں میں آگے بڑھتے چلتے گئے۔ مولانا عبدالحیؒ رقم طراز ہیں:۔

مگر اس جمعہ میں وہ آئی ہوتب کہ کیا شیخ نے دعا وہ جب
کیا مقبول اس کو ربِّ غفور ہوا فوراً قبولیت کا ظہور

(مثنوی مطلع النور: ص:۱۸)

حضرت قطب ویلور کو دینی علوم وفنون کی تحصیل کے ساتھ فنونِ حرب وضرب کی تحصیل کے مواقع بھی من جانب اللہ حاصل ہوگئے۔ چنانچہ اس زمانہ میں ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد انگریزوں نے ان کی بیگمات، شہزادوں اور شاہی خاندان کے دیگر لوگوں کو ویلور کے قلعہ میں نظر بند رکھا۔ سلطان کے خاندان والوں کو حضرت قطب ویلور کے والد ماجد حضرت محویؔ کے خانوادے سے نیاز مندانہ اور عقیدت مندانہ تعلق تھا۔ جب خانوادۂ ٹیپو سلطان کے افراد قلعہ میں محصور ہوئے تو حضرت محویؔ کے گھر والوں سے مزید تعلق اور آمد ورفت کی صورت پیدا ہوگئی۔ حضرت محویؔ کا مکان قلعہ کی شمالی سمت ہی میں واقع ہے۔ چنانچہ سلطان ٹیپو کے صاحب زادۂ والا شان نے حضرت محویؔ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آپ اجازت مرحمت فرمائیں تو صاحب زادۂ گرامی گوہر قطب ویلور کو فنونِ حرب کی تعلیم کے لئے اتالیق بھیج دوں۔ شہزادے کی خواہش پر حضرت محویؔ نے ہاں کہہ دی۔ اس طرح حضرت قطب ویلور نے فنون حرب وضرب میں کمال حاصل

کرلیا۔چنانچہ حضرت عبدالحی بنگلوری نے اپنی مثنوی میں اس طرح ذکر کیا ہے۔

ٹیپو سلطان شہید عالی شان ملکِ میسور کا جو تھا سلطان
اس کی رحلت کے بعد لوگ اس کے بیگمات اور اس کے شہزادے
سب تھے محصور قلعۂ ویلور معتقد پدر شیخ کے مشہور
سو اسی روز ایک شہزادہ ہوا بریں امرِ خیر آمادہ
والد شیخ پاس سرعت سے بھیجا پیغام یہ عقیدت سے
کہ میں نیت کیا ہوں اے رہبر شیخ زادے کی تربیت کے اوپر
تین استاد کو میں دیوں قرار تا رہیں تربیت میں لیل ونہار
کہ معلم ہوں علم کے وہ فہیم دیوے یک خط نسخ کی تعلیم
سہ اتالیق و اسپ اور انفار اور چابک سوار بھی اے یار
ہوے حاضر مکان اقدس پر اور باندھے ہیں تربیت پہ کمر

شیخ سے مراد حضرت قطبِ ویلور کی ذاتِ گرامی ہے جو حضرت عبدالحیؒ کے مرشدِ روحانی و شیخ مربی تھے۔ (مثنوی مطلع النور:ص:۱۸)

حضرت قطب ویلور نے اپنے والد ماجد اور دیگر نابغۂ روزگار اساتذہ سے علم حاصل کیا۔اور چند سالوں کی مدت میں علم تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، اصول، فرائض، تصوف، فلسفہ، منطق، کلام، ہندسہ، ہیئت، حساب، مساحت، طبابت وغیرہ میں ملکہ پیدا کرلیا۔اورانیس سال کی عمر میں ۱۲۲۶ھ میں درسیاست سے فراغت حاصل کرلی۔اوراسی زمانہ میں کلام اللہ حفظ کرنا شروع کیا اور صرف ایک سال کی قلیل ترین مدت میں حافظِ قرآن ہوگئے۔ضمیمۂ جوہرالسلوک میں مرقوم ہے:

''از تعلم نزد والد خود و دیگر اساتذہ تا ۱۲۲۶ھ فراغت یافت و در سال ۱۲۲۷ھ ۱۲۲۸ھ تحفظِ قرآن مجید پرداخت۔'' (ضمیمۂ جواہرالسلوک:ص:۲۶۶)

حضرت قطب ویلور کے اساتذہ کرام میں سرفہرست ملک العلماء حضرت مولانا مولوی علاؤالدین احمد، پرنسپل مدرسۂ کلاں مدراس کا اسم گرامی ہے۔جن سے علمی استفادہ کا ذکر حضرت قطب

ویلور نے اپنے ایک مکتوب میں کیا ہے جو مولانا مولوی محمد جمال الدین احمد خلف الرشید مولانا علاؤالدین کے نام ارسال کیا ہے اور اس میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ یہ فقیر مولانا علاء الدین کے حقوق کو اپنے والد اور شیخ کے حقوق کے مقارن اور مساوی سمجھتا ہے،

''این مسکین ہماں محی الدین پارینہ است کہ بر آستانہ فیض آشیانہ مولانا ملک العلماء حضرت مولوی علاؤالدین احمد از فنون و علوم در یوزہ گری می گرد۔ و حقوق ایشاں مقارنِ حقوقِ ابی و شیخی می شناسد''

(مکتوبات لطیفی: قلمی)

مولانا علاؤالدین کے علاوہ افضل العلماء قاضی القضاۃ محمد ارتضاء علی خان بہادر بھی حضرت قطب ویلور کے اساتذۂ کرام کی صف میں شامل ہیں جن سے آپ نے علمی استفادہ کیا ہے۔ چنانچہ اپنی تصنیف رسالہ ''احیاء سنت'' سے متعلق قاضی صاحب کو لکھتے ہیں کہ یہ فقیر آپ کے ملاحظہ کے بغیر اس رسالہ کو قابلِ اشاعت نہیں سمجھتا۔ محو و اثبات اور کمی و زیادتی میں آپ پوری طرح مختار ہیں۔

'' حالا در رسالہ احیاء سنت بخدمت فرستادہ ام و بدون اصلاح شریف قابلِ ترویج نمی پند اردو در کمی و زیادت و محو و اثبات مختار اند۔''

(خانوادۂ قربی کی اردو خدمات: ص:۱۴۰: ڈاکٹر ذاکرہ ام شہلا: غیر مطبوعہ مقالہ، برائے پی ایچ ڈی، ۱۹۸۹ء)

حضرت قطب ویلور نے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد کامل یکسوئی اور انہماک کے ساتھ مختلف تفاسیر، احادیث، اسمائے رجال، سیر، تاریخ اور تصوف کا مطالعہ عمیق نظر کے ساتھ کیا اور عیسائی لٹریچر اور اہل کتاب اور اہل اسلام کے درمیان رد و تردید پر مشتمل مواد کا بڑی تحقیقی نظر سے جائزہ لیا اور عیسائیوں کی کتابوں سے تقریباً تین تناقصِ افکار اور تضادِ آراء کی نشان دہی کی تو عیسائی اہل علم حیران رہ گئے۔

(خانوادۂ قربی کی اردو خدمات: ص:۱۴۰: ڈاکٹر ذاکرہ ام شہلا: تحقیقی غیر مطبوعہ مقالہ ۱۹۸۹ء)

حضرت قطب ویلور کے مطالعہ و تحقیق کی وسعت اور تنوع نے ان کی علمی تشنگی کو اور بڑھا دیا۔ ویلور جیسے چھوٹے شہر میں اہلِ فضل و کمال کی قلت اور کمی کے باعث آپ کو پوری طرح سے علمی سیرابی حاصل نہ ہونے کا یقین ہوا تو آپ نے مدراس جانے کا عزم صمیم کر لیا اور اس وقت شہر مدراس ایک عظیم علمی مرکز اور اہلِ علم و اصحابِ کمال کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ حضرت علامہ بحر العلوم عبد العلی اور ان کے تلامذہ کی

علمی و اصلاحی سرگرمیوں سے مدراس جگمگا رہا تھا۔ حضرت قطب ویلور نے حصولِ علم کی غرض سے مدراس میں آٹھ سال قیام کیا۔ جس وقت آپ مدراس پہنچے تو اس وقت آپ کی عمر ستائیس سال تھی۔ پینتیس سال میں آپ کی فراغت ہوئی۔ بحر العلوم کے داماد حضرت مولانا علاؤالدین احمد (شارحِ فصولِ اکبری) اور مدرسۂ کلاں کے اساتذۂ کرام سے تعلیم حاصل کی۔ ۵، شعبان المعظم ۱۲۴۲ھ مطابق ۱۷۳۰ء کو آپ کی فراغت ہوئی۔ (صوفیائے کرام میں قطب ویلور کا علمی مرتبہ: یوسف کوکن عمری: سالنامۂ اللطیف: ص: ۱۳۵: ۱۳۸۹ھ)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی معرکۃ الآراء فارسی تصنیف ''تحفۂ اثناءعشریہ'' ۱۲۲۸ھ میں مدراس پہنچی تو اس کی غیر معمولی مقبولیت اور پذیرائی ہوی اور حضرت قطب ویلور کے استاذ محترم مولانا محمد سعید اسلمی نے ''الصولۃ الحیدریہ'' کے نام سے عربی میں ترجمہ کردیا۔ حضرت قطب ویلور نے قیام مدراس کے زمانہ میں تحفۂ اثناعشریہ اور اس کا عربی ترجمہ مطالعہ کیا تو آپ کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ دہلی جاکر براہِ راست مصنفِ کتاب سے استفادہ کیا جائے۔ اس سفر کی اجازت کے لئے والدین کی خدمت میں ویلور پہنچے تو والدین نے کہا: پہلے یہاں کی تعلیم مکمل کرلو، اس کے بعد مزید تعلیم کے لئے دہلی کا قصد کرو۔ چنانچہ فراغت کے بعد دہلی جانے کی سوچ ہی رہے تھے کہ اس درمیان میں ۲۲، جمادی الآخر ۱۲۴۳ھ کو والدِ ماجد حضرت محوؔی دارِ فانی سے کوچ کرگئے۔ جس کی وجہ سے آپ کو آستانہ کی سجادہ نشینی اور دارالعلوم لطیفیہ کی سرپرستی قبول کرنا پڑا اور اس طرح آپ کا یہ ارادہ پورا نہ ہوسکا

(صوفیائے کرام میں قطب ویلور کا علمی مرتبہ: یوسف کوکن عمری: اللطیف: خاص نمبر: ص: ۱۳۵)

حضرت قطبِ ویلور نے اپنے والد ماجد حضرت محوی سے خرقۂ خلافت زیب تن فرمایا اور ایک سو اکیانوے سلاسل اور چھبیس خانوادوں سے خلافتِ آبائی اور خلافتِ خلفائی کی نعمت حاصل کی اور ۱۲۴۳ھ میں مسندِ سجادگی پر رونق افروز ہوئے۔

درس و تدریس، اصلاح و تزکیہ، دعوت و تبلیغ

مسندِ سجادگی پر متمکن ہونے کے بعد حضرت قطب ویلور درس و تدریس، اصلاح و تزکیہ اور دعوت و تبلیغ میں ہمہ تن مشغول اور مصروف ہوگئے اور آپ کی ذات گرامی سے لاکھوں افراد نے علوم ظاہری اور علوم باطنی کی نعمت پائی۔ حضرت مولانا مولوی عبدالغفار حسینی قادری مسکیںؔ جن کو حضرت قطب ویلور سے بیعت و

خلافت کا شرف حاصل ہے اپنے شیخ محترم کے تدریسی، تصنیفی، تطہیری اور تبلیغی کام سے متعلق فرماتے ہیں:

''ہمارے قطب الہند بعد نصف شب بیدار ہو جاتے۔ فقیر بیت الخلاء میں پانی اور کلوخ مہیا کر دیتا تھا۔ بعد فراغت وضو کے لئے پانی تیار کر دیتا تھا۔ حضور وضو فرما کر حجرہ میں چلے جاتے اور نمازِ صبح کے لئے مسجد تشریف لاتے۔ نمازِ صبح کے بعد ذکر اور مراقبہ میں مشغول رہتے اور اشراق پڑھ کر مسجد کے باہر نکلتے تھے۔ پھر مکان میں داخل ہوتے اور مسافروں کے آرام، مریدوں کی آسائش اور طلباء کے خورد و نوش کا سامان مہیا فرما کر مدرسہ میں آتے اور تفسیر و حدیث کا درس بارہ بجے تک دیتے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد تصنیف و تالیف اور مطالعہ میں مشغول رہتے۔ اگر فتاوی ہوتے تو ان کے جواب تحریر فرماتے اور ظہر کے بعد مریدوں اور مسترشدوں کی تعلیم و تفہیم میں مصروف رہا کرتے اور ہفتہ میں دو مرتبہ مدرسہ کے اندر وعظ فرمایا کرتے تھے۔'' (حیات المسکین: بحوالۂ اللطیف ۱۴۰۴ھ سلور جوبلی نمبر: ص: ۸۱)

حضرت قطب ویلور کے ایک دوسرے خلیفہ حضرت مولانا عبدالرحیم ضیاؔ حیدر آبادی نے ان الفاظ میں حضرت قطب ویلور کے اصلاحی و تربیتی کام پر روشنی ڈالی ہے۔

''تربیتِ باطنی میں بھی آپ کا طریقہ افراط و تفریط سے مبرّا تھا۔ اشغال اور اذکار کی تعلیم میں حضرات صحابہ اور تابعین کا رنگ اور مراقبات وغیرہ کی تلقین میں صوفیائے متقدمین کا ڈھنگ تھا۔ دوسروں کے یہاں سالہا سال کی جو محنت تھی وہ آپ کے یہاں ایک لمحہ کی بات تھی۔ رنگِ دوئی کثرت بفیض صحبت، آئینۂ دل سے یوں دور ہوتا تھا۔ جیسے آفتاب سے ظلمت۔ آپ کا قال بعینہ حال تھا۔''

(مقالاتِ طریقت: ص: ۲۶۷: مولوی عبدالرحیم ضیاؔ حیدر آبادی؛ مطبوعہ: ۱۳۱۹ھ)

حضرت قطب ویلور نے اپنی ذات کو مدرسہ میں درس و تدریس اور خانقاہ میں تلقین و ارشاد کی حد تک ہی محدود اور مقید نہیں رکھا۔ بلکہ عام مسلمانوں اور عورتوں کی اصلاح و تعلیم اور وعظ و تذکیر کی جانب بھی توجہ کی اور مواعظِ حسنہ کا سلسلہ شروع کیا۔ بقول صاحب ''مقالاتِ طریقت'':

'' آپ ہر روز عصر کی نماز پڑھ کر بالا خانے پر جلوہ افروز ہوتے۔ گرد و پیش بندگانِ خدا جمع رہتے۔ پند و نصائح اور ارشاد میں مغرب تک دربارِ عام فرماتے۔ مغرب کی نماز ادا فرمانے کے بعد قرآنِ کریم کی کسی آیت کی تفسیر بیان فرماتے اور یہ سلسلہ نماز عشاء تک جاری رہتا۔ (مقالاتِ طریقت: ص: ۲۶۷)

بقولِ صاحب ''ضمیمہ جواہر السلوک'':

''ہر جمعہ در مردمان و ہر سہ شنبہ در زنان وعظامی نمود (ضمیمہ جواہر السلوک: ص: ۲۶۷)

مردوں میں ہر جمعہ اور عورتوں میں ہر سہ شنبہ (منگل) تقریر فرماتے تھے۔

حضرت قطب ویلور کے دست مبارک پر عرب وعجم میں سات لاکھ سے زائد لوگوں نے بیعت کی اور چار سو سے زائد اربابِ علم وفضل نے خرقۂ خلافت زیب تن فرمایا۔ حضرت مولانا مولوی شاہ محمد ولی اللہ قادری فرماتے ہیں:

''خاکسار شاہ محمد ولی اللہ قادری عفی عنہ کو تلمذ واردات وخلافت اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا حاجی شاہ محمد قادری سے حاصل ہوئی ہے اور والد بزرگوار کو حضرت مولانا مولوی سید شاہ محی الدین قادری معروف بہ قطب ویلور سے حاصل تھی۔ اور والد بزرگوار قطب الاقطاب قطب ویلور موصوف الصدر کی خدمت مبارک میں چودہ برس تک مصروف ومشغول استفاضہ واستفادہ رہے اور تربیت قطب الاقطاب کے طفیل سے علم ومعارف واسرار میں دستگاہِ کامل حاصل کی۔ قطب الاقطاب کے آٹھ لاکھ مرید اور چار سو خلفاء تھے۔'' (جواہر العرفان: ص: ۱)

حضرت قطب ویلور کے ایک وفات نامہ سے بھی اس تعداد کی نشاندہی ہوتی ہے۔

بے عدد ہیں مرید قطبِ زماں منحصر سات لاکھ میں ہی کہاں

(شہر آشوب یوم النشور: وفات نامۂ قطب زمان ویلور: ص: ۳، ۴: نظام المطابع، بنگلور)

حضرت قطب ویلور نے تعلیم وتدریس اور اصلاح وتزکیہ کے ساتھ ساتھ امتِ دعوت (غیر مسلم اقوام) کو اسلام کی جانب مائل اور راغب کرنے کی مہم شروع کردی۔ اور سب سے پہلے اربابِ حکومت کو اسلام کی صداقت وحقانیت اور اسی میں اخروی نجات منحصر ہونے کی بات سمجھاتے ہوئے قبولِ اسلام کی دعوت دی آپ نے سلاطین وحکام کی جانب اس لئے توجہ فرمائی کہ وہ مشرف بہ اسلام ہوجائیں تو سارے لوگ الناس علی دین ملوکھم (لوگ اپنے بادشاہوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں) کے مصداق حلقۂ بگوش اسلام ہوجائیں گے۔ آپ نے سب سے پہلے ملکۂ برطانیہ کو اسی کی زبان میں اسلام کی دعوت دی۔ مفکرِ اسلام حضرت مولانا مولوی سید شاہ ابوالحسن علی ندوی حسنی مرحوم کے والد ماجد حضرت مولانا مولوی سید

شاہ عبدالحیٔ حسنی ندوی سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنوء نے اپنی عربی تصنیف نزھۃ الخواطر میں لکھا ہے۔

''بعث رسالة فی تلک اللغة الی ملکة انکلیز ایدعوھا الی الاسلام (نزھة الخواطر: حکیم سید عبدالحیٔ لکھنوی: ص: ۳۱۷: ج: مطبع دائرۃ المعارف العثمانیه حیدر آباد دکن: ۱۹۵۹ء)

کوئن وکٹوریہ نے آپ کے دعوتِ اسلام کے مکتوب کا جواب دیا اور یہ اعتراف کیا کہ مذہب اسلام دین برحق ہے۔ لیکن وہ چند وجوہ کے باعث اسلام قبول کرنے سے قاصر ہے۔

(اللطیف: ص: ۱۳۲: ۱۳۸۹ھ)

حضرت قطب ویلور کا انگریزی زبان میں تحریر کردہ دعوت اسلام کا مکتوب جو ملکۂ انگلستان کی خدمت میں پیش ہوا تھا تلاش بسیار کے باوجود راقم الحروف کو دستیاب نہ ہوسکا۔ البتہ ملکہ، وزراء، حکام اور اہل کتاب کے نام عربی زبان میں تحریر کردہ دعوت اسلام کا مکتوب ''مقالاتِ طریقت'' میں ثبت ہے۔ حضرت قطب ویلور نے اس مکتوب میں جہاں اسلام کے عقائد کو اجاگر کیا ہے وہاں حضرت مسیح کی بشریت و آدمیت اور ان کی نبوت کا اثبات اور ان کی الوھیت کا ابطال بڑی خوبی و عمدگی اور اختصار و جامعیت کے ساتھ کیا ہے۔

ملکہ برطانیہ، وزراء اور عیسائی عوام کے نام دعوتِ اسلام کا مکتوب

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذى خلق الانسان من نطفة فجعله سميعاً بصيراً و اعطاه قلباً منيراً. ثم وهب لمن اراد فى العاجلة نعيماًو ملكاً كبيراً وربّىٰ بدنه وقلبه ولتربية بدنه صب الماء صباًوشق الارض شقاً وانبت حباً وعنباً و قصباًو زيتوناً ونخلاً و حدائق غلباً و فاكهةً واباً متاعاًلكم ولانعامكم ولتربية قلبه ارسل رسلاً هداةالى خالقه وربّه.

ايها الملك ! كان عيسىٰ رسول الله وعبدهٗ. كما كان موسىٰ و محمد رسول الله و عبده ايّدهم الله بالا يات و المعجزات لتميز الصادق عن الكاذب فى دعوىٰ الرسالات وماكانو الهاً و معبوداً.

ايها الملك! جاء عيسىٰ بايات من ربه يصوّر من الطين كهيئة الطير فينفخ فيه فطيراً باذن الله ويبرى الاكمه والابرص و يحى الموتىٰ باذن الله كما جاء موسىٰ يفلق البحر وجاء محمد يشقق القمر فقد جاؤا ابالمعجزات والنباء العظيم وقالو ان الله ربى وربكم فاعبدوه هذا صراط مستقيم .

كان عيسىٰ مخلوقاً من غيرالاب كما كان ادم من غير الاب والاُم فكيف يكون خالقاً و ربّاً.

ايها الملك! كا ن عيسىٰ عبداً مغلوباً من اليهود وان الله غالب على كل شىء فالعبدالمغلوب كيف يكون ء الهاًو معبوداً.

ایھاالملک ایوخذ العبد بذنبه لا بذنب غیرهٗ لا تزروازرة وزر اُخریٰ فکیف اخذالله عیسیٰ بذنب امّته والقاه فی جهنم واخذ بعقوبته

ایھاالملک!اخذ البرّی بذنب غیره ظلم فاحش والله عادل فکیف یکون ظالماً سبحانه و تعالےٰ عمّا یقولون

ایھا الملک! بشرّ یحییٰ بان النبی الکبیر یأتی من بعدی کما فی الباب الثالث من متّی وکان عیسیٰ نبیاً مبعوثاً الی نبی اسرائیل حاضراً بین یدیَ یحیٰی فکیف یکون نبیاًمبشراً.

ایھا الملک!ماادعیٰ احدمن الانبیاء الذین سبقوا علی نبینا محمدٌ بانقطاع النبوة فکیف خلا الزمان الیٰ هذاالامر البعید عن النبی ناصحاً امیناً.

ایھا الملک!ادعّیٰ بنیّناً بانه نبی مبعوث الی الناس کافةً و خاتم الانبیاء ولم یات نبی بعدهٗ کما ادّعاه کیف لم یکن نبیاً مبشراً خاتماً

ایھا الملک!ان الانکار من عمّال الملک بغی کذلک الانکار من انبیا ء الله کفر. وان الانکار نبی الله عیسیٰ کفر. کذلک الانکار من نبی الله محمد کفر. عصمنا الله تعالےٰ عما ینکرون.

ایھا الملک!ان البغی موجب للافات کذالک الکفر مورث للعقوبات. وانّ فی طاعة الملک وعا مله امن و راحة ولیس فی عیش المطیع ولافی سکونه ثقبة. کذالک فی الایمان باالله ونبیه امان و جنّة ولیس فی دولة الملک ولا فی ملکه ثلمةٌ.

ایھا الملک! الدولة الفانیة سم” قاتل والملک ظل زائل بحادثٍ اووارثٍ فالموت حق والبرزخ حق والبعث حق والحساب حق و علم الله بالسروالعلانیة حق والجنّة والنار حق. خف من الله تعالیٰ فانه خلقک وربّاک واعطاک ملکاً وبیده الحیوٰة والموت والبعث والحساب والعفوو العقاب وانه هو الغفورالرحیم وان بطشه شدید و عذابه الیم.

ایها الملک!لا تجعل مع الله الٰهاً اٰخر فتلقیٰ فی جهنم ملوماًمدحوراً

ایها الملک!ان اهل الکتاب لم یعبدون المخلوق و یذرون الخالق وهم یعقلون ولم یلبسون الحق بالباطل ویکتمون الحق وهم یعلمون .

ایها الملک!انی لااقول لاهل الکتاب اَلّا ان تعالو ا الی کلمة سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا الله ولا نشرک شیاءً ولا یتخذ بعضنا بعضاًارباباً من دون الله فان تولو ا فا شهدو ا باَنّا موحدون

ایها الملک!انی ادعوک الی الله تعالیٰ و توحیده اَسْلِم تَسْلَم . یوتک الله اجرک مرتین. اجر ک واجر التابعین . فان تولیت فعلیک اثمک واثم المطعین.

ایها الملک!انی لست بنبیّ ولا رسول ولکنّی لجدی محمد رسول الله وارث ولاٰخرتی حارث

ایها الملک!انی لک ناصح امین ان ارید الا الاصلاح ماا ستطعت وما توفیقی الا بالله علیه تو کلت والیه انیب.

ایها الملک!ما اسلک علیه من اجران اجری الاعلیٰ رب العالمین

من محی الدین وارث خاتم النبیین الی الملکة الو کتوریه وار کان المشورة و سائر العیسویون. هداهم الله الی سبیل الرشاد وحما هم عن کل شر و فساد.‘‘

ترجمهٔ مکتوب

تمام تعریفات اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے انسان کو نطفے سے پیدا کیا، پھر اس کے لئے اعضائے جوارح اور ایک روشن قلب عطا کیا اور دنیا میں جس شخص کو چاہا سلطنت وحکومت عطا کیا اور انسان کے قلب اور جسم کی پرورش وتربیت کا نظام قائم کیا۔ اس کے جسم کی تربیت کے لئے آسمان سے پانی برسایا اور اس کے لئے اور اس کے مویشیوں اور جانوروں کے لئے زمین سے غلّہ، انگور، سبزیاں، زیتون، کھجور، گھنے باغ، میوہ اور چارہ اگایا اور اس کی روح اور قلب کی تربیت کے لئے رسولوں کو مبعوث کیا تا کہ اس کے

رب اور اس کے خالق کی جانب راستہ دکھلا سکے۔

اے ملکہ! حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالےٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ جس طرح موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے ان کی تائید اور توثیق معجزات کے ذریعہ کی۔ تاکہ رسالت و نبوت کے دعوے میں جھوٹے اور سچے الگ الگ ہو جائیں اور جھوٹے مدعیانِ نبوت کی حقیقت کھل سکے۔ اور یہ حضرات پیغمبران معبود اور الٰہ نہیں ہیں۔

اے ملکہ! حضرت عیسیٰ اپنے رب کی جانب سے معجزات لے کر آئے تھے اور آپ مٹی سے پرندے کی مورت بناتے اور اس میں پھونکتے تو وہ پرندہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہو جاتا تھا۔ اور حضرت عیسیٰ مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دیتے تھے۔ لیکن یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی قدرت سے ہوتا تھا۔ اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذاتی فعل اور تصرف نہ تھا۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریا کو چیر دیا تھا اور حضرت محمد ﷺ نے چاند کے دو ٹکرے کر دیا تھا۔ اور یہ سارے انبیائے کرام دنیا میں معجزات اور کتابوں کے ساتھ تشریف لائے اور سب نے یہی کہا۔ بے شک اللہ تعالےٰ ہمارا اور تمہارا رب ہے لہٰذا تم سب اسی کی عبادت کرو اور یہی سیدھی راہ ہے۔

اے ملکہ! حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں۔ جس طرح حضرت آدم علیہ السلام بغیر ماں اور باپ کے پیدا ہوئے۔ پھر کیوں کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام رب اور معبود ہو سکتے ہیں؟

اے ملکہ! حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک بندۂ مغلوبِ یہود تھے اور اللہ تعالےٰ ہر چیز پر غالب ہے۔ لہٰذا ایک مغلوب انسان کیوں کر معبود اور الٰہ ہو سکتا ہے؟

اے ملکہ! آدمی اپنے جرائم اور گناہوں کی وجہ سے ماخوذ ہوتا ہے۔ دوسرے کے جرم میں گرفتار نہیں ہو سکتا۔ اور کوئی بھی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا تو پھر اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی امت کے عوض کیسے ماخوذ کیا اور ان کو دوزخ کے عذاب میں گرفتار کیا؟

اے ملکہ! کسی بے گناہ آدمی کو دوسرے شخص کے گناہ کے بدلہ میں گرفتار کرنا اور اسے سزا دینا یہ تو ایک کھلا ہوا ظلم ہے اور اللہ تعالےٰ تو عدل و انصاف والا ہے پھر بھلا وہ کیسے ظالم ہوگا۔ اللہ کی ذات ایسی باتوں سے پاک و صاف ہے۔ اور بلند و بالا ہے۔ جو کفار کہتے ہیں۔

اے ملکہ! حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اپنے بعد ایک بزرگ نبی (بزرگ نبی سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) کے مبعوث ہونے کی بشارت دی تھی، جیسا کہ انجیلِ متی کے تیسرے باب میں ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنواسرائیل کی طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام کی موجودگی میں نبی بنا کر بھیجے گئے تھے تو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے کیسے ہوسکتی ہے؟

اے ملکہ! حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے پہلے دنیا میں جتنے بھی پیغمبر مبعوث ہوئے اور کسی نے بھی خاتم النبین ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تو کس طرح زمانہ مدتِ دراز تک ناصح اور امین پیغمبر سے خالی رہے گا؟

ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ وہ یقیناً اور تحقیقاً نبی ہیں اور سارے انسانوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ لہٰذا وہی خاتم الانبیاء ہیں۔ کیوں کہ ان کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔ جیسا کہ انہوں نے دعویٰ کیا۔ لہٰذا آپؐ ہی نبی مبشر، پیغمبر موعود اور خاتم الانبیاء کیوں کر نہیں ہوں گے؟

اے ملکہ! بے شک عاملوں اور سفیروں کا انکار کرنا بادشاہ کا انکار کرنا ہے اور اس سے بغاوت کی نشانی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار بھی کفر ہے اور اسی طرح اللہ کے نبی خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا انکار بھی کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے محفوظ رکھے جو انکار کرتے ہیں۔

اے ملکہ! بے شک بغاوت آفتوں کے لئے سبب ہے، اسی طرح کفر بھی عذاب کے لئے سبب ہے۔ اور یقیناً بادشاہوں اور ان کے عاملوں کی اطاعت میں امن وسلامتی ہے اور فرماں برداروں کے چین و سکون میں کوئی خلل نہیں ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے میں امن وسلامتی اور راحت ونجات ہے اور بادشاہ کی سلطنت میں کوئی رخنہ نہیں ہے۔

اے ملکہ! مال و دولت اور حکومت وسلطنت زوال پذیر اور سمّ قاتل ہے۔ بادشاہت ڈھلنے والا ایک سایہ ہے اور حکومت کسی بھی وقت کسی بھی حادثہ کی وجہ سے ختم ہوجاتی ہے یا وارث کی وجہ سے چلی جاتی ہے۔ لہٰذا تم حکومت کی حقیقت سے آگاہ ہوجاؤ اور اس حقیقت کو یاد رکھو کہ موت یقینی ہے۔ برزخ حق ہے۔ مرنے کے بعد زندگی حق ہے۔ حساب حق ہے اور جنت و دوزخ حق ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ

تمام ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے۔

اے ملکہ! اللہ تعالےٰ سے خوف کرو۔ اسی نے تم کو پیدا کیا ہے اور اسی نے تمہاری پرورش کی ہے اور اسی نے تم کو حکومت عطا کی ہے۔ اور اسی ذات وحدہٗ لاشریک کے قبضۂ قدرت میں زندگی اور موت ہے۔ اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا اور حساب و کتاب اور عفو و درگزر اور عتاب و عقاب یہ سب اسی کے ساتھ مخصوص ہیں۔ بے شک وہی بخشنے والا ہے اور بلاشبہ اس کی گرفت بڑی سخت ہے اور یقیناً اس کا عذاب بڑا دردناک ہے۔

اے ملکہ! اللہ تعالےٰ کے ساتھ کسی مخلوق کو معبود اور مسجود نہ ٹھراؤ کیوں کہ وہ ملامت کیا ہوا اور راندہ کیا ہوا دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔

اے ملکہ! اہلِ کتاب عقل و فہم رکھتے ہوئے بھی مخلوق کی پرستش کیوں کر رہے ہیں اور خالق کو کیوں چھوڑ رہے ہیں؟ اور کیوں حق کو باطل کے ساتھ ملا رہے ہیں؟ اور حق کو چھپا رہے ہیں؟ حالاں کہ یہ سب کچھ اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہیں۔

اے ملکہ! میں اہل کتاب کی خدمت میں صرف یہی ایک بات عرض کروں گا کہ ایک ایسی حقیقت کی جانب آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے اور وہ حقیقت یہ ہے کہ ہم اللہ تعالےٰ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں اور ہم اللہ تعالےٰ کے سوا کسی کو بھی معبود نہ ٹھرائیں اور اگر تم اس روشن حقیقت سے پھر جاؤ تو گواہ رہو کہ ہم موحد ہیں۔

اے ملکہ! میں تم کو اللہ تعالےٰ اور اس کی توحید کی طرف بلا رہا ہوں۔ اگر تم اسلام قبول کرو تو سلامت رہو گی اور تم کو دوگنا اجر ملے گا۔ ایک تمہارے مسلمان ہونے کا اجر اور دوسرا تمہاری رعایا کے مسلمان ہونے کا اجر بھی تم کو ملے گا اور اگر تم نے اسلام قبول نہیں کیا تو اس کا گناہ اور تمہاری رعایا کا گناہ بھی تمہارے ہی سر رہے گا۔

اے ملکہ! بے شک میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور اس امرِ خیر میں تمہارے لئے فلاح و نجات اور اپنے لئے اجر و ثواب کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں رکھتا ہوں۔ ہدایت اللہ ہی کے طرف سے ہے۔ اور میں اس معاملہ میں اسی کی ذات پر اعتماد کرتا ہوں اور اسی کی جانب رجوع کرتا ہوں۔

اے ملکہ! میں تمہیں اسلام کی دعوت دینے میں تمہاری ذات سے کوئی امید و آرزو اور کوئی دنیاوی منفعت کی امید نہیں رکھتا ہوں۔ میری اس نیکی کا بدلہ رب العالمین پر ہے۔

اے ملکہ! میں کوئی نبی اور رسول نہیں ہوں، لیکن میں اپنے جدِّ امجد محمد رسول اللہ ﷺ کا وارث ہوں اور اس عمل کے ذریعہ میں اپنی آخرت سنوارنا چاہتا ہوں۔

دعوتِ اسلام کا یہ مکتوب محی الدین وارثِ خاتم النبیینؐ کی طرف سے ملکہ انگلستان اور اس کے وزراء و حکام اور تمام عیسائیوں کی خدمت میں پیش ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان تمام کو قبول اسلام کی ہدایت عطا فرمائے۔ اور ان کو گمراہی و فساد سے محفوظ رکھے۔ **آمین بجاہ سید المرسلین و الہ الطیبین و اصحابہ الظاھرین.**

حضرت قطب ویلور نے ملکہ انگلستان اور اس کے وزراء و حکّام اور عیسائیوں کے علاوہ ہندوستان کے راجاؤں اور یہاں کے غیر مسلم باشندوں کو بھی اسلام کی دعوت دی۔ ۱۲۸۵ھ میں ایجاد نگر، صبح کونگرد۔ کالیسترونکٹ، تروندرم، کوچین اور مالابار کے راجاؤں کی خدمت میں اپنے خلیفہ مولانا مولوی سید حفیظ الدین اور مولانا مولوی سید علی کے ذریعہ دعوتِ اسلام کا پیغام بھیجا اور اس موقعہ پر ایک مکتوب کے ذریعہ تبلیغ کی اہمیت، داعی کے انتخاب اور اس کی صفات اور مدعو کے ساتھ حسنِ خلق سے پیش آنے کے بارے میں روشنی ڈالی۔ مولانا مولوی شاہ عبداللہ قادری سے ان الفاظ میں مخاطب ہیں:

”دو قطعہ دعوت نامہ یکے براجایان، دویم بسائر مشرکان ملفوف اند۔ در جائے خالی الیٰ الامیر یا الیٰ الامیر الکبیر راجہ صاحب فلاں، موضع نوشتہ۔ نقول آن بر چھاپہ، یا بکتابت کنانیدہ بکمالِ نرمی و آشتی و عزت و احترام در بلادِ آصفیہ بواسطۂ مردان لائق دعوت نامہا روانہ فرمانید۔ وہم چنیں مشغول دعوت باطنی باشند کار این است غیر این ہمہ ہیچ (مکتوبات لطیفی: قلمی مخطوطہ)

”دعوتِ اسلام کے مکتوبات دو طرح کے ہیں۔ راجاؤں کے نام اور تمام مشرکوں کے نام، راجاؤں کے نام تحریر کردہ مکتوبات میں خالی جگہ میں مدعو راجہ کا نام اور موضع لکھیں۔ کتابت کر کے عزت و احترام کے ساتھ کسی صاحب علم اور ذی اخلاق شخص کے ذریعہ روانہ کریں اور ہمیشہ اصلاح و دعوت میں مصروف و مشغول رہیں۔ اصل کام تو یہی ہے۔ باقی سب ہیچ ہے۔“

سے چمک رہا تھا اور آپ خوشی خوشی مدینۂ منورہ سے روانہ ہوئے۔ سفر کے دوران آپ سے عرض کیا: آپ روضۂ نبویؐ پر حاضری دینے سے پہلے حد درجہ غم گین تھے۔ اس کے بعد آپ کے اندر خوشی و مسرت دیکھنے میں آئی۔ اس کی وجہ معلوم نہ ہو سکی۔ آپ نے کچھ کہنے سے گریز کیا۔ لیکن جب میں نے بہت اصرار کیا تو فرمایا: روضۂ نبویؐ پر مجھ کو غلبۂ خواب ہوا۔ دیکھا تو پیغمبرِ خداؐ تشریف لائے ہیں اور انتہائی شفقت کے ساتھ مجھ سے فرما رہے ہیں: یاولدی لاتحزن انت من ارضنا: میرے فرزند غم گین نہ ہو تم ہماری زمین سے ہو۔ یعنی تمہاری خواہش کے مطابق مدینہ کی سرزمین ہی تمہاری دائمی خواب گاہ ہوگی۔ بارگاہِ رسالت سے جب یہ بشارت ملی تو میرے دل سے حزن و ملال دور ہو گیا۔ (ملخص از مثنوی: ص: ۳۵)

حضرت قطبِ ویلور ۹، ذی الحجہ ۱۲۶۲ھ مطابق ۱۸۴۶ء کو ویلور رونق افروز ہوئے۔

سن تھا بارا سے ساٹھ پر دوم — ماہ ذوالحج کی تھی یقین نہم
ہوا بالخیر وارد ویلور — ہوا ویلور اس سے مطلع نور

(ملخص از مثنوی: ص: ۳۵)

نکاح و اولاد!

حضرت قطب ویلور کا پہلا نکاح آپ کے پھوپھا حضرت سید غوث قادری ویلوری کی دختر نیک اختر سیدہ عائشہ بی بی صاحبہ سے ہوا۔ جن کے بطن سے ایک صاحب زادی امۃ الصمد تولد ہوئی۔ حضرت قطب ویلور نے پہلے سفر حج سے واپسی کے بعد جب کہ آپ کی اہلیۂ محترمہ کا وصال ہو چکا تھا، دوسرا نکاح محترمہ عفت النساء بی بی صاحبہ سے ۱۲۶۷ھ میں کیا جن کے بطن سے سید شاہ رکن الدین محمد قادری ۱۲۶۹ھ میں پیدا ہوئے۔ (دار العلوم کا ادبی منظر نامہ: ص: ۱۹۹-۲۲۰: راہی فدائی)

حضرت قطب ویلور رسول کریم ﷺ کے حکم پر ہندوستان واپس لوٹ آئے تھے۔ لیکن حضور ﷺ کی یاد اور مدینہ کی زمین میں دفن ہونے کی تمنا آپ کو بے چین کیے رہی۔ آپ کے مکتوبات جوارِ مقدس سے واپسی کے بعد ۱۲۸۸ھ میں تحریر کیے گئے ہیں، ان میں بس یہی ایک ہی تمنا دکھائی دیتی ہے۔

''فقیر از حضرت باری امیدواری دارد تا عنقریب اور از راہ بمبئی بحجاز می رساند و مشت خاک اورا در یکے از حرمین شریفین منتشر سازد انہ قریب مجیب۔'' (مکتوبات لطیفی: قلمی مخطوطہ)

حضرت قطب ویلور کو بارگاہ نبویؐ سے ملی ہوئی بشارت ''انت من ارضنا'' سے مکمل یقین ہو چکا تھا کہ آپ کو دوبارہ شہرِ رسولؐ میں حاضری اور اس میں دفن ہونے کی سعادت حاصل ہوگی۔ چنانچہ حج بیت اللہ کے لئے روانگی کا وقت جیسے قریب آنے لگا تو آپ سے ملاقات کے لئے ہر طرف سے تلامذہ ،مریدین، متوسلین، اعزاء واقارب پہنچنے لگے اور آپ ان سے دائمی مفارقت اور وداع کے کلمات استعمال کرنے لگے۔ مولانا حسین محمود فرماتے ہیں:

''بنگلور سے ایک عزیز آپ کی ملاقات کے لئے آپہنچے اور رخصت ہونے کے وقت عرض کیا، میں پھر آپ کی خدمت میں حاضری دوں گا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: ملاقات پھر اس جہاں میں کہاں! اب تو حشر ہی میں ہوگی۔ میں قریب ہی تھا، یہ سنتے ہی میرا دل بھر آیا۔ مجھے دیکھ کر فرمانے لگے: اے محمود! کیا تمہیں وہ ارشاد یاد نہیں رہا جو مجھ کو دربارِ رسالتؐ سے ہوا ہے۔ ''انت من ارضنا''۔ تم ہماری زمین سے ہو۔'' (مثنوی مطلع النور: ص:۳۶۔ ملخص)

مولانا عبدالرحیم ضیا حیدر آبادی فرماتے ہیں:

''ایک مجلس میں حاجی مولوی سید شہاب الدین حسن باشاہ کی جانبِ متوجہ ہو کر فرمایا: معراج دو قسم کی ہے۔ روحانی اور جسمانی۔ روحانی سے مراد ان چار کا قرب حاصل ہونا۔ ا۔ قربِ نوافل ۲۔ قربِ فرائض، ۳۔ قربِ قاب قوسین ۴۔ قربِ او ادنیٰ

معراجِ جسمانی سے مراد یہ ہے کہ سالک کے جسم کی خاک مدینۂ منورہ کی خاک میں آمیختہ ہو جائے (مقالات طریقت: ص:۳۶) اللھم ارزقنا بفضلک وکرمک ونبیک صلے اللہ عیلہ والہ واصحابہ وسلم۔

حجاز مقدس کا دوسرا سفر

حضرت قطب ویلور ۴، شوال المکرّم ۱۲۸۸ھ کو دوسری مرتبہ سفر حجاز پر روانہ ہو گئے۔ اس موقعہ پر آپ کے تلامذہ، مریدین، خلفاء، اعزا، احباب، خویش واقارب، اہلیان ویلور اور گردونواح کے مسلمانوں کی بھاری اکثریت ویلور آپہنچی۔ اخص الخواص اور مخصوص حضرات اس بات سے خوب واقف تھے کہ آپ کا یہ سفر حج ہی نہیں بلکہ سفر آخرت بھی ہے۔ اس دائمی فرقت کے تصور سے ان سب کے دل مغموم، چہرے

حضرت شاہ اسحاق دہلوی مہاجر مکی سے سند حدیث

حضرت قطب ویلور مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو وہاں حضرت مولانا شاہ اسحاق دہلوی مہاجر مکی بھی سکونت پذیر تھے۔ جن سے آپ نے علمی استفادہ فرمایا۔ شاہ صاحب نے آپ کو ماہِ جمادی الاول ۱۲۶۲ھ میں تبرکاً سندِ حدیث بھی دی جس کا تذکرہ مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

" صحب الشیخ اسحق الدھلوی المھاجر بمکۃ الشریفہ وأخذ عنہ الحدی"

(نزھۃ الخواطر: ص: ۳۱۷)

مولانا عبدالرحیم ضیا حیدرآبادی فرماتے ہیں:

حضرت قطب ویلور کو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے استفادہ کی بڑی آرزو تھی۔ جس کی تکمیل شاہ صاحب کے نواسہ حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق کے ذریعہ ہوئی۔ جو شاہ عبدالعزیز کے وارثِ کمالات ظاہر و باطن تھے۔ حضرت قطب ویلور مکہ معظمہ میں تقریباً ایک سال سے زیادہ شاہ محمد اسحاق کی صحبت میں رہے اور سند سے سرفراز ہوئے۔" (مقالات طریقت: ص: ۲۸۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین والہ واصحابہ اجمعین. امابعد! فیقول العبد الضعیف الحقیر خادم علماء الافاق محمد اسحق:

ان الشیخ الجلیل صاحب الفضل المبین الشیخ محی الدین سلمہ اللہ تعالیٰ الی یوم الدین طلب منی اجازۃ بعض کتب الحدیث فاجزت لہ اجازۃ الکتب الصحاح الستۃ البخاری والمسلم و سنن ابی داؤد والجامع التر مذی والسنن النسائی وابن ماجہ القزوینی وایضاً اجزت لہ لمشکوۃ المصابیح و الحصن الحصین للجزری و حصل لی الاجازۃ والقرأۃ لھذاالکتب من الشیخ الذی فاق بین اقرانہ بالتمیز اعنی الشیخ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ وحصل لہ الاجارۃ عن والدہٗ الشیخ ولی اللہ المحدث الدھلوی العارف باللہ وحصل لہ الاجازۃ عن الشیخ ابی طاھر المدنی وھو

حصل الاجازة عن والدہٗ شیخ ابراھیم المدنی وباقی سند مذکورہ فی محلہ

(انتباہ کے نصف آخر اور عجالۃ نافعہ میں مذکور ہے)

حررہ فی المکۃ المعظمۃ فی الشھر الجمادی الاولیٰ

۱۲۶۲ الھجریۃ علی صاحبھا الف الف صلوۃ تحیۃ محمد اسحٰق ۱۲۵۸ھ

حضرت قطب ویلور مکہ المکرمہ میں تقریباً ایک سال مقیم رہنے کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ یہاں آپ کو وہ نعمت حاصل ہوگئی، جس کی تلاش ہر عاشقِ رسول کو ہوا کرتی ہے۔ آپ کے قلب میں اپنے آقا و مولیٰ کی محبت والفت اس قدر جاگزیں ہوگئی کہ دیارِ رسول کو چھوڑنا پسند نہ تھا۔ آپ نے اسی زمین سعادۃ گاہ دارین میں زیست ومُرد کا عہد استوار کرلیا۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ آپ روضۃ النبی ﷺ پر حاضر ہوئے اور اندر داخل ہونا چاہا تو دربان نے روک دیا۔ آپ سے یہ امتناع سہانہ گیا اور اسی وقت بڑی بے تابی کے ساتھ باہر ہی سے بآواز بلند سلام پیش کیا: السلام علیکم یا جدّی! حضور ﷺ نے جواب دیا: تعال یا ولدی۔ دربان اور زائرین نے آوازِ نبوی سنی تو انگشت بدنداں رہ گئے اور دربان اپنے کئے پر پشیمان ہوگئے۔ اس واقعہ کے بعد آپ ہر روز روضۂ نبوی میں داخل ہوتے تھے اور روضۂ مبارکہ کی جاروب کشی فرماتے اور قندیلوں کو صاف کیا کرتے تھے۔ اس طرح حرم نبوی کی پر کیف ایمانی و روحانی فضا میں آپ کی زندگی کی شام وسحر بسر ہو رہی تھی کہ ایک شب خواب دیکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنے حجرۂ اقدس کے باہر جلوہ نما ہیں اور آپ کی والدۂ ماجدہ بھی حاضر ہیں اور آپ کو بلا رہی ہیں۔ اور حضور ﷺ آپ سے مخاطب ہوکر فرمارہے ہیں رح یا ولدی: جاؤ اے میرے فرزند۔

نیند سے بیدار ہوئے تو رسول محترم کی جدائی کے تصور سے بے چین ہوگئے اور بادل نخواستہ ہندوستان لوٹنے کا ارادہ کرلیا۔ آپ کے خادم خاص اور سفر کے حاضر باش مولانا حسین محمود کا بیان ہے۔

حضرت قطب ویلور مدینۂ منورہ سے کوچ کرنے سے پہلے روضۂ مبارک پر تشریف لے گئے اور میں بھی آپ کے ساتھ ساتھ رہا۔ آپ اپنا سرِ مبارک دروازہ پر رکھ دیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اتنے میں آپ پر خواب کا غلبہ ہوا۔ اور بہت دیر کے بعد بیدار ہوئے اور زبان مبارک سے فرمایا: الحمدللہ!

اس وقت آپ کے چہرے پر حزن وملال کی کیفیت دکھائی نہیں دے رہی تھی اور سارا چہرہ نور

ایک دوسرے مکتوب میں مولانا مولوی میر ابراھیم رضوی کو حکم دیتے ہیں کہ ہندوستان کے مختلف صوبوں کے غیر مسلم باشندوں کو ان کی مادری زبان میں اسلام کا پیغام پہنچانے کا انتظام کرو اور دین کی دعوت کو عام کرو۔

'دو قطعہ دعوت نامہ در زبانِ انگریزی، تلنگی، اروی (ٹمل)، مرہٹی، راجپوتی وغیرہ در اخبارات نامجات مشتہر سازد'

ہندوستان کے راجاؤں کی خدمت میں دعوتِ اسلام کے جو مکتوبات روانہ کئے گئے ہیں ان کا مضمون اہلِ کتاب کے مضمون سے مختلف ہے۔ چنانچہ ان خطوط کے اندر اقوامِ ہنود میں پائے جانے والے عقائد و خیالات کی اصلاح و تردید کرتے ہوئے اسلام کی دعوت پیش کی گئی ہے۔

❁❁❁

حضرت قطب ویلور کی اسیری و رہائی

حضرت قطب ویلور کی ذات گرامی سے جب وسیع پیمانہ پر اصلاح و دعوت کا کام شروع ہوا تو بعض شر پسندوں نے ۱۲۵۵ھ میں آپ کے خلاف حکومت میں یہ شکایت درج کروائی کہ آپ مسلمانوں کو برطانوی حکومت کے خلاف جہاد پر ابھار رہے ہیں۔ اور حکّام وقت کو بھی اس لئے شبہ ہوگیا کہ آپ نے ملکۂ انگلستان اور عیسائیوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی۔ اس واقعہ سے اور آپ کے خلاف افواہوں کی وجہ سے حکام نے آپ کو قید کرنے اور آپ پر مقدمہ چلانے کا حکم صادر کردیا۔

مولانا عبدالحیؒ بنگلوری نے اپنی مثنوی مطلع النور میں اس واقعہ کو نظم کیا ہے جس کا خلاصہ یہاں پیش کیا جارہا ہے۔

"شیخ محترم سے خدا کی مخلوق مستفیض ہو رہی تھی، ابلیس سے سہانہ گیا۔ اس نے چند شر پسند کو یہ تدبیر سکھلائی کہ انگریز حکومت میں یہ شکایت درج کرادیں کہ شیخ خروج کا عزم کر رہے ہیں۔ چنانچہ چتور سے شیخ کو طلب کیا گیا۔ ان دنوں آپ نے خواب دیکھا کہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے ہیں اور آپ کے جد محترم حضرت قربی حضور اکرم ﷺ کے سامنے انتہائی ادب کے ساتھ کھڑے ہوئے ہیں۔ شیخ نے انتہائی ادب کے ساتھ دور کھڑے ہو کر حضور ﷺ کو سلام کیا تو آپؐ نے جواب دیا اور اپنا دستِ مبارک شیخ کے سینے پر رکھا اور فرمایا: لا باس لک۔ خوف زدہ نہ ہو جاؤ۔ تمہیں کچھ ضرر نہیں پہنچے گا۔

شیخ نیند سے بیدار ہوئے تو قلب کو پرسکون پایا، اور خواب کا تذکرہ کیا اور فرمایا۔ دستِ نبویؐ کی خنکی میرے دل کی گہرائیوں تک محسوس ہوئی۔ اس کے بعد آپ نے بغیر کسی مزاحمتی کارروائی کے خود کو حکام کے حوالہ کیا۔ جب آپ پالکی میں سوار ہوئے تو مسلمانوں اور ویلور کے غیر مسلم باشندوں کا جم غفیر آپہنچا۔ سارے شہر میں رنج و غم کی فضا چھا گئی۔ سب کی آنکھیں اشک بار تھیں۔ لوگ روتے ہوئے آپ کی پالکی کے ساتھ ساتھ چل پڑے۔ یہاں تک پالارندی آگئی تو شیخ نے سب کو واپس جانے کے لئے اصرار کیا۔

جب آپ چتور پہنچے تو وہاں بھی کہرام مچ گیا۔ شیخ کی خبر مدراس پہنچی تو وہاں بھی رنج وغم اور افسوس کی لہر دوڑ گئی اور تمام مساجد میں رہائی کے لئے دعائیں ہونے لگیں۔ مولوی ارتضاء علی خان کو جب یہ خبر ملی تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور دوسرے علماء ومشائخ بھی غم زدہ اور بے چین ہوگئے۔ اوران کی زبانوں پر یہی جملہ تھا "اللہ تعالیٰ انھیں دشمنوں کے شر اور فتنہ سے بچائے۔ اس دور میں اسلام کی آبرو شیخ سے قائم ہے۔"

چتور کے صدر حوالات میں ایک تنگ وتاریک کوٹھری میں شیخ کو داخل رکھا گیا۔ جیل کا معمول اس طرح تھا کہ جب کسی قیدی کو کوٹھری داخل کیا جاتا ہے تو دروازہ بند کردیتے ہیں اور اس پر قفل لگادیتے ہیں۔ اور ایک دریچہ کھلا رہتا ہے اور کوٹھری میں روشنی کا انتظام نہیں رہتا ہے۔

جیلر کا سلوک آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی رہا۔ جب آدھی رات گزر گئی تو وہ اپنے ہاتھ میں قندیل لئے ہوئے تمام کوٹھریوں سے گزرا تو کیا دیکھتا ہے شیخ کی کوٹھری میں روشنی نظر آرہی ہے۔ اس نے دریچہ سے نظر کیا تو شیخ موجود نہیں ہے۔ یہ دیکھ کر اس نے جمعدار کو بلایا اور درواز کھولا دونوں اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ شیخ سر بسجود ہے اور اسی وقت وہ روشنی بھی مفقود ہوگئی۔

دوسرے روز اس واقعہ کی اطلاع چتور کے حاکم کو ہوی جو ایک انگریز تھا۔ وہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ برٹش سرکار کے حسبِ حکم آپ کو قید کیا گیا۔ لیکن آپ کسی بات کی فکر نہ کیجئے۔ میں گورنمنٹ کو آپ کے احوال لکھ بھیجوں گا۔ یہ سن کر شیخ نے سکون واطمینان کے ساتھ فرمایا: میں خدا کی مرضی اور فیصلہ سے راضی ہوں۔ لوگوں کا شکوہ نہیں کرتا۔ مخلوق سے نہ راحت ملتی ہے اور نہ رنج پہنچتا ہے۔ مخلوق سے ظاہراً جو بھی تکلیف پہنچے اس پر رنجیدہ نہیں ہونا چاہئے۔ دوست اور دشمن یہ سب خدا کی طرف سے ہے۔ اوران دونوں کے دل اسی ذات وحدہٗ لاشریک لہٗ کے تصرف میں ہے۔

گر گزندت رسد زخلق مرنج   کہ نہ راحت رسد زخلق نہ رنج

از خدادان خلاف دشمن ودوست   کہ دلِ ہردو   درتصرف اوست

حاکم نے عرض کیا: آپ کو کن چیزوں کی ضرورت ہے۔ بتلا دیجئے فراہم کی جائیں گی۔ شیخ نے کہا: قرآن کریم اور فلاں فلاں چند کتابیں اور میرے لئے جیل کے کھانے کے بجائے فلاں خادم کے گھر سے دو وقت کا کھانا پہنچادیں۔ حاکم نے یہ ساری چیزیں مہیا کردیں اور کھانے کا انتظام باہر سے کردیا۔ اور

کوٹھری کو بھی فرش اور دیگر اشیاء سے آراستہ کیا۔ شیخ اپنا سارا وقت نماز، تلاوت قرآن اور کتب بینی میں صرف کرنے لگے اور تقریباً آپ دو ماہ حوالات میں نظر بند رہے۔ اس عرصہ میں جیلر، افسران اور قیدی شیخ کے معتقد ہو گئے اور سب شیخ کی تعلیم و تلقین سے مستفیض ہوتے رہے۔ جب مقدمہ کی کارروائی شروع ہوئی تو شیخ کو پالکی میں بٹھا کر محکمۂ عدالت میں لایا گیا۔ آپ کو دیکھنے کے لئے بے شمار مسلمانوں کا ہجوم ٹوٹ پڑا۔ ہر ایک آپ سے مصافحہ، دست بوسی و قدم بوسی کرنے لگا تو انگریز افسران یہ منظر دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے۔ شیخ جیسے ہی عدالت میں داخل ہوئے توجج کی نظر آپ پر پڑی، وہ انتہائی مرعوب اور متاثر ہوا اور آپ کے ساتھ عزت واحترام کے ساتھ پیش آیا اور آپ کو ایک کرسی پر بٹھایا مقدمہ کی کارروائی ہوئی اور وہ بدکیش جھوٹے گواہ بھی حاضر ہوئے۔ شیخ نے تمام الزامات اور اعتراضات کا جواب پورے اطمینان و سکون کے ساتھ مدلل اور موثر طریقہ سے دیا۔ بالآخر آپ کے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے آپ کو با عزت رہا کر دیا گیا اور عدالت نے آپ کو یہ اختیار دیا کہ آپ ہتکِ عزت کا دعویٰ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ لیکن آپ نے کس کے خلاف انتقامی کارروائی نہ کی اور اسی وقت اپنی جانب سے معافی کا اعلان کر دیا۔ آپ کے اس عفو و درگزر کو دیکھ کر دوست اور دشمن سبھی متاثر ہوئے'' (مثنوی مطلع النور: ص:۲۶ تا ۳۲)

مولانا عبدالرحیم ضیاؔ حیدرآبادی نے بھی اپنی کتاب ''مقالاتِ طریقت'' میں حضرت قطبِ ویلور اور وکلاء کے باہمی مباحثہ اور جرح قدح اور آپ کے بیانات وغیرہ کی تفصیل بیان کی ہے۔ ایک مقام پر رقم طراز ہیں۔

''عدلیہ نے جب حضرت قطب ویلور سے یہ پوچھا کہ کیا آپ نے جہاد کے موضوع پر تقریر کی تھی؟ تو آپ نے فرمایا: قرآنِ کریم میں کفار کے ساتھ جہاد کا حکم موجود ہے اور یہ ہمارے ایمانیات میں سے ہے اور آپ لوگ خود کو اہلِ کتاب کہتے ہو۔ کیا تمہیں اپنے کفر کا اقرار ہے؟ یہ سن کر سب انگریزوں نے سکوت اختیار کیا۔ (مقالات طریقت: ص:۲۶۶)

حضرت قطبِ ویلور کی باعزت رہائی کے بعد برطانوی حکام نے اس واقعہ کی اطلاع ملکہ انگلستان کو دی اور لکھ بھیجا کہ آپ پر عائد کردہ الزامات بے بنیاد ثابت ہوئے۔ اس پر کوئین وکٹوریہ نے حضرت قطبِ ویلور کی خدمت میں ایک مکتوب بھیجا۔ جس میں اس بات کا اعتراف کیا'' ہم نے آپ کو بے

جا ایذاء پہنچائی آپ کے ساتھ سرکاری حکام کا جو رویہ رہا وہ ان کی اپنی ذمہ داری کی بناء پر تھا ورنہ انھیں آپ کے ساتھ کوئی دشمنی اور عداوت نہیں تھی۔ ہم اس واقعہ میں آپ سے معذرت خواہ ہیں۔ ملکہ برطانیہ کا اصل خط بسیار کے باوجود مل نہ سکا۔ لیکن تمام تذکرہ نویسوں نے اس مکتوب کا ذکر کیا

حجازِ مقدس کا پہلا سفر

حضرت قطب ویلور ۲ شعبان المعظم، ۱۲۶۰ھ مطابق ۱۸۴۴ء کو حجاز تشریف لے گئے۔ آپ کے ہمراہ ایک بہت بڑا قافلہ تھا۔ آپ نے وہاں دو سال قیام کیا۔ آپ کی ذاتِ گرامی سے وہاں بہت سارے لوگوں کو علمی و روحانی فیض پہنچا۔ آپ نے طائف کا بھی سفر کیا اور وہاں چند دن قیام فرمایا۔ آپ کی عربی تصنیف "رسالہ الف مقام" اسی فردوس حجاز کی خوش گوار فضا میں جلوہ نما ہوئی۔ ارضِ مقدس سے آپ کی واپسی ۹، ذی الحجہ ۱۲۶۲ھ مطابق ۱۸۴۶ء کو ہوی جیسا کہ مولانا عبدالحیؒ کے ان اشعار سے آپ کی روانگی اور واپسی کی تاریخیں معلوم ہو رہی ہیں۔

سن تھا بارا سے ساٹھواں ہجری — اور دوسری تھی ماہِ شعبان کی
نکلا از بہر حج بیت اللہ — تھا بڑا قافلہ بھی ہمراہ
کیا چندے وہاں اقامت وہ — پس کیا سوئے ہند رجعت وہ
سن تھا بارا سے ساٹھ پر دوم — ماہ ذی الحجہ کی تھی یقین نہم

(مثنوی مطلع النور: ص: ۳۳)

حضرت قطب ویلور کی خدمت میں شریف مکہ کی حاضری!

حضرت قطب ویلور کی خدمت میں شریفِ مکہ محمد حسین کی حاضری کی تفصیل ایک فارسی بیاض سے یہاں نقل کی جا رہی ہے۔

"گویند کہ سلطانِ روم جہت ترجمہ کتاب "تحفۂ اثنا عشریہ" فارسی کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آن را در رڈ مذہب قوم شیعہ بغایت تحقیقات از اسناد و دلائل معتبرین تالیف نمودہ

اند۔ از مدتِ مدید شوق تمام داشتہ کہ اگر کسے ایں کتاب را از فارسی بہ عربی ترجمہ کند۔ من صباح ومسا بمطالعہ خود خواہم داشت۔ بایں قصد شریف مکہ زادہم اللہ تشریفاً وتکریماً اعلام نوشت کہ اگر کسے مولوی ذوی اللسانین از ہندوستان بہ مکہ آید۔ ایں کتاب اثناء عشریہ را بعربی ترجمہ کنانیدہ مع مولوی مترجم بہ پیش گاہ خلافت ما فرستد۔

چون حضرت شاہ محی الدین قادری ویلوری بہ بیت اللہ رسیدند۔ شریف مکہ از قدوم فیضِ لزوم آں حضرت خبر یافتہ بہ کمال ابتہاج ومسرتِ دلے تعظیم وتوقیر بدرجۂ اتم مرعی داشتہ استدعا ترجمۂ کتابِ ممدوح بسیار از آرزو دخواہش خود نمودہ۔ آن حضرت ملتمس او را مبذول داشتہ میانِ عظمت برآن کارِ عظیم کمر بستہ درین چندین ایام از بار ہمت ترجمہ آن فارغ البال کشتہ عزم بالجزم بمراجعت وطنِ مالوف خویش نمودند۔

اگر چہ شریف مکہ جہت رفتن آن حضرت بہ مملکت روم بسیار بجد شدہ لاکن۔ آں حضرت دست رد بر سینۂ ملتمس او نہادہ، متوجہ دیار خود گشتند۔

سلطان روم از مشاہدۂ کتاب موصوف بسیار خرم وشاد ماں گردیدہ بر چشم وروے خود مالید۔ لاکن از باعث عدم تشریف آوری آں حضرت بسیار رنجیدہ خاطر ومحزون کشتہ متاسف گردید۔

یعنی روم کے بادشاہ کو مدتِ دراز سے یہ خواہش دامنگیر تھی کہ اگر کوئی عالم دین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی تصنیف ''تحفۂ اثناء عشریہ'' کو فارسی سے عربی میں ترجمہ کردے تو اس کتاب کا مطالعہ کیا جائے۔ اس نے شریف مکہ کو اطلاع بھجوائی کہ ہندوستان سے کوئی عالمِ دین جو فارسی اور عربی پر عبور رکھنے والا مکہ مکرمہ آجائے تو آپ اس کتاب کا عربی میں ترجمہ کروایئے اور مترجم کو ترجمہ کے ساتھ ہماری حکومت میں بھیج دیں۔

حضرت قطب ویلور مکہ مکرمہ پہنچے تو شریف مکہ نے آپ کی خدمت میں حاضری دی اور آپ سے تحفۂ اثناء عشریہ کو عربی میں ترجمہ کرنے کی گزارش کی۔ آپ نے قبول فرمایا اور چند دنوں کے اندر ترجمہ کر دیا۔ شریف مکہ آپ کو ترجمہ کے ساتھ مملکت روم بھیجنا چاہا لیکن آپ نے روم جانا پسند نہیں کیا تو ترجمہ روم روانہ کر دیا گیا۔ سلطان روم (یعنی ترکستان کے سلطان) نے جب تحفۂ اثناء عشریہ کا ترجمہ ملاحظہ کیا تو بے پایاں مسرور ہوا اور حضرت قطب ویلور کے روم تشریف نہ لانے پر بہت رنجیدہ ہوا اور حد درجہ افسوس ظاہر کیا۔

اداس اور آنکھیں پرنم تھیں۔ سارے لوگوں نے خوشی وغم کے ملے جلے جذبات کے ساتھ آپ کو وداع کیا۔
آپ کے خلیفہ حضرت مسکینؔ کا بیان ہے۔

''حضرت کا یہ سفر آخرت تھا۔ جس کی وجہ سے تقریباً دو لاکھ آدمی آپ کی قدم بوسی کے لئے ویلور میں جمع ہو گئے۔ فقیر بھی حاضر تھا۔ جاتے وقت فرمایا: سید! کیا چاہتے ہو؟ عرض کیا، ترامی خواہم (آپ ہی کو چاہتا ہوں) فرمایا: جزاک اللہ۔ مفارقتِ جسمانی ہے۔ روحانی ملاقات تو روز ہو گی۔ اللہ پاک ساتھ ساتھ ہے۔ گھبرانا نہیں۔ فقیر رونے لگا اور حضرت ادھر روانہ ہو گئے۔

(حیات المسکین: بحوالۂ اللطیف سلور جوبلی نمبر: ص:۸۵: مطبوعہ ۱۴۰۴ھ)

اس سفر میں آپ کے ہمراہ آپ کے صاحب زادے شمس العلماء حضرت مولانا مولوی رکن الدین سید شاہ محمد قادری اور آپ کے ہمشیر زادے حضرت مولانا مولوی سید شاہ محمد قادری اور مریدین و خلفاء اور متعلقین و متوسلین کی خاصی تعداد تھی۔ حضرت قطب ویلور کے اس سفر کی تفصیلات ایک قلمی بیاض میں موجود ہیں۔ اسی سفر نامہ سے ہم یہاں بعض احوال بیان کر رہے ہیں۔ جس کے راوی مولانا مولوی عبدالعزیز ہیں جو قطب ویلور کے ہم سفر تھے۔

''حضرت قطبِ ویلور بذریعہ ٹرین ارکونم پہنچے اور وہاں سے کڈپہ پہنچے اور محلۂ نبی گوٹ میں کمال الدین المعروف پاشاہ صاحب کے یہاں فروکش ہوئے۔ میزبان موصوف اور ان کے گھر کے افراد اور بستی کے بہت سارے لوگوں نے آپ کے ہاتھوں پر بیعت کی۔ یہاں سے تاڑ پتری رونق افروز ہوئے تو اسٹیشن پر آپ کے خلیفہ سید شاہ عالم صاحب اور دیگر مریدین و معتقدین استقبال کے لئے آ پہنچے۔ یہاں آپ کا قیام شاہ صاحب کے مکان پر رہا۔ شاہ صاحب نے ایک روز بہت بڑی ضیافت کا اہتمام کیا۔ جس میں تاڑ پتری کے علماء و فضلا اور اکابر و مشائخ اور اہالیانِ شہر کی خاصی تعداد کو مدعو کیا۔ باشندگان تاڑ پتری میں سے سید عبداللہ قادری، غلام نبی صاحب، غلام رسول قادری اور چند افراد آپ کے ہمراہ حج بیت اللہ کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ یہاں سے آپ ۹، شوال المکرم کو ادھونی شریف لے گئے اور شہر کی پر رونق وسیع و عریض شاہی جامع مسجد کے صحن میں واقع حجرہ میں اقامت پذیر ہوئے۔ یہاں بہت سارے مسلمانوں نے بیعت کی۔ قاضی مولانا حکیم غلام محی الدین ہر وقت حاضر باش اور خدمت گذار رہے۔ جمعہ کے روز علی

الصباح ادھونی سے رایچور روانہ ہوگئے اور وہاں اندرون قلعہ کی جامع مسجد میں مقیم رہے۔ باشندگانِ رایچور میں بہت سارے لوگ بیعت سے مشرف ہوئے۔ پھر آپ یہاں سے کرنول تشریف لے گئے جہاں آپ کے محبّ صادق الاعتقاد نواب محمد داؤد خان کرنول سراپا منتظر تھے۔ یہاں بھی لوگوں کی آمد ورفت اور ملاقات اور بیعت کا سلسلہ قائم رہا۔ نواب داؤد خان صاحب کی بڑی خواہش اور کوشش رہی کہ آپ کے ہم راہ حج ادا کریں۔ لیکن انگریز سرکار نے منظوری نہیں دی۔ جس کی وجہ سے وہ بہت کبیدہ خاطر ہوگئے تاہم آپ کے ہم راہ بمبئی تک تشریف لائے اور آپ کے جہاز میں سوار ہونے کے بعد کرنول واپس تشریف لے گئے۔ کرنول سے حضرت گلبرگہ شریف پہنچے۔ اسٹیشن پر سید محی الدین عرف علوی صدر تعلقدار، بہت سارے افسروں اور دیگر حضرات کے ساتھ آپ کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ آپ نے گلبرگہ میں چند دن قیام فرمایا۔ اس دوران بعض غیر مسلم شخصیتوں کے نام قبولِ اسلام کی ترغیب پر مبنی مکاتیب بھیجا۔ ایک مکتوب جناب نواب مختار الملک بہادر کے نام تحریر فرمایا۔ جس میں ریاستِ حیدرآباد میں شرعی احکام کے نفاذ سے متعلق کچھ ہدایتیں دیں۔ یہ مکتوب اپنے خلیفہ مولانا مولوی سید شہاب الدین کے ذریعہ حیدرآباد دکن بھیجا۔ آپ نے حضرت بندہ نواز گیسودراز کی مزار اقدس پر بھی حاضری دی اور بہت دیر تک مراقب رہے۔ جب وہاں سے واپس ہوئے تو ہم سفر احباب سے فرمایا حضرت بندہ نواز صاحبِ فنا وبقا ہیں مجھے ان کی روحِ پُرفتوح سے ملاقات کی سعادت نصیب ہوئی اور انھوں نے بڑی مسرت کے ساتھ مجھ سے فرمایا: ''سفرِ حج ترا مبارک باد''۔ حج کا سفر مبارک ہو!

ہم لوگ ۱۳ تاریخ کی صبح صادق کے وقت پونہ پہنچے تو اسٹیشن پر عبدالواحد سیٹھ، صدیق سیٹھ، منشی غفار بیگ اور ان کے فرزند اور دوسرے مریدین اور معتقدین نے بڑی خاطر مدارت اور بڑی مہمان نوازی کی۔

۱۵، تاریخ کو ہم مغرب کے وقت بمبئی میں داخل ہوئے۔ یہاں قیام کی مدت زیادہ رہی۔ اس عرصہ میں بہت سارے علماء وفضلاء، مشائخ وسادات اور عوام کی کثیر تعداد آپ کی تعلیمات وارشادات اور روحانی فیض وبرکات سے مشرف ہوئی۔''

سید حسین قادری عرف جیلانی کا بیان ہے:

''ہم لوگوں نے بھی اسی سال حج بیت اللہ کا قصد کیا، جس سال شاہ محی الدین بھی حج بیت اللہ

کے لئے روانہ ہوئے۔ جب ہم بمبئی پہنچے تو معلوم ہوا کہ شاہ صاحب بھی بمبئی پہنچ چکے ہیں۔ میرے دل میں آپ کی ملاقات کا اشتیاق ہوا۔ اور میں آپ کی قیام گاہ پر پہنچا۔ جیسے ہی جمالِ جہاں آراء پر نظر پڑی تو میرے دل نے کہا کہ حضرت ولی کامل ہیں۔ جب میں اپنا ہاتھ مصافحہ کے لئے پیش کیا تو انتہائی شفقت کے ساتھ میرا ہاتھ پکڑ لیا اور اپنی طرف کھینچ لیا اور ہاتھ سونگھتے ہوئے فرمایا: تمہارے اندر تو حسینی بُو آ رہی ہے۔ ساداتِ حُسین سے ہیں۔ سیّد حُسین تمہارا نام ہے۔ یہ سُننا ہی تھا میرے جسم پر رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میری آنکھیں اشک بار ہو گئیں اور آپ سے یہ میری پہلی ملاقات تھی۔ آپ کے ہمراہ احباب سے یہ جان کر حیرت ہوی کہ حضرت مجھ سے غائبانہ طور پر بھی واقف نہ تھے۔''

''حضرت قطب ویلور بمبئی سے ۲، ذی قعدہ ۱۲۸۸ھ کو آبی جہاز سے حجاز روانہ ہوئے آدھی مسافت طے ہو پائی تھی کہ سمندر میں طوفان آ گیا۔ تیز و تند مخالف ہوائیں زور و شور کے ساتھ چلنے لگیں اور جہاز پیچھے ہونے لگا۔ جہاز کا عملہ اور سارے مسافر بے چین اور مضطرب ہو گئے۔ جہاز جدّہ سے ایک سو پچاس میل کے فاصلہ پر رک گیا اور سخت ہواؤں کی زد میں تھا۔ اسی حالت میں ہلال ذی الحجہ نظر آیا اور سارے مسافر نا امید اور مایوس ہو گئے کہ اب حج نصیب نہیں ہوگا۔ لیکن حضرت قطب ویلور کے اندر کسی قسم کا اضطراب اور کسی طرح کی بے چینی دیکھنے میں نہیں آئی۔ اور آپ سارے لوگوں کو جمع فرماتے اور اللہ پر یقین و توکل اور اس کی نصرت و حمایت پر وعظ فرماتے رہے۔

ایک روز بہت دیر تک آپ نے گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی الحمد للہ دوسرے ہی روز سے طوفان تھمتا چلا گیا اور موافق ہوائیں اتنی شدّت و زور کے ساتھ آئیں کہ دیکھتے ہی دیکھتے جہاز جدّہ کی بندرگاہ پہنچ گیا۔ اور ہم لوگ ۴، ذی الحجہ کو ساحلِ جدّہ پر پہنچے اور ایامِ حج شروع ہونے سے پہلے ہی ام القریٰ پہنچ گئے اور حج کے مناسک کو ادا کیا۔ حج کے بعد حضرت قطب ویلور کی طبیعت میں کافی ضعف اور اضمحلال پیدا ہو گیا۔ آپ کی یہ حالت دیکھ کر خدّام نے آپ سے عرض کیا: جناب عالی تو اس سے قبل زیارتِ نبویؐ سے مشرف ہو چکے ہیں۔ مدینۂ منوّرہ کا سفر نہایت تکلیف دہ ہے، لہٰذا آپ حرم مکّی میں ٹھہر جائیں اور صاحب زادے (حضرت مولانا رکن الدین سید محمد قادری) اور دیگر اشخاص کو مدینۂ منورہ جانے کی اجازت دے دیں۔ لیکن آپ نے یہ تجویز پسند نہیں فرمائی اور کہا: مجھے بھی مدینۂ منورہ چلنا ہے۔ خواہ طبیعت کتنی ہی

خراب کیوں نہ ہو۔ حجاج کے تمام قافلے مدینہ منورہ کے لئے نکل چکے تھے۔ صرف ہم لوگ ہی حضرت کی طبیعت کے پیشِ نظر مکہ مکرمہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک روز میں (کاتب سفرنامہ مولوی عبدالعزیز) طواف سے فارغ ہونے کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا آپ بہت ہی بے چین اور بے قرار ہیں اور آنکھوں سے اشک بہہ رہے ہیں۔ مجھ سے فرمایا: شب میں خواب دیکھا۔ ایک وسیع میدان ہے جس میں بے شمار لوگ جمع ہیں۔ اور حضور اکرم ﷺ بھی نظر آئے اور مجھے دیکھ کر فرمایا: تعال عندی یا ولدی ۔ لہٰذا مجھے جلدی مدینہ منورہ لے چلو۔ اس کے بعد آپ کے اندر ایک نئی قوت پیدا ہوگئی اور ہم سب مدینہ منورہ چل پڑے اور یہ سارا سفر بہت ہی آسانی کے ساتھ طے ہوا۔ راستہ میں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ ہم لوگ مدینہ منورہ پہنچتے ہی آپ کی طبیعت پھر خراب ہوگئی۔"

مولانا عبدالرحیم ضیا حیدرآبادی، مقالات طریقت میں رقم طراز ہیں:

"محرم کی چھ تاریخ تھی۔ آپ زیارتِ نبویؐ ﷺ سے مشرف ہوئے۔ غذا موقوف ہوگئی۔ لیکن ہوش وحواس میں بالکل فرق نہ آیا۔ اپنے فرزندار جمند سید محمد رکن الدین کو خرقۂ خلافتِ آبائی اور خلفائی سے سرفراز کیا پھر ان کی وصیت میں مشغول ہوئے۔

فرمایا: میری عمر بیاسی سال کی ہوئی میں نے کبھی اپنی فکر نہ کی کہ صبح کو کیا کروں، اور شام کو کیا کھاؤں۔ رزاقِ مطلق نے بے دغدغہ رزقِ موعودہ خوانِ کرم سے پہنچایا چاہئے کہ تمہیں بھی اسی طرح رہیں۔

اور قرض کسی کا میرے ذمہ نہیں ہے۔ اور میرا قرضہ کسی کے ذمہ نہیں ہے۔ اگر کسی کو کچھ دیا ہوں تو بہ نیتِ معافی دیا ہوں کسی سے مبلغ کا تقاضہ نہ کریں۔

جادۂ شریعت پر قائم رہنا، بے کسوں کی اعانت کرنا، اور مسکینوں پر شفقت کرنا، بھوکوں کو کھانا کھلانا، اہلِ حاجت کی حاجت برلانا، مہمانوں اور مسافروں کو عزیز رکھنا۔

اور مجھ کو جدامجد حضرت امام حسین اور اہلِ بیت کرام علیٰ جدھم وعلیھم الصلوۃ والسلام کے قبہ میں پائیں دفن کرنا۔

گیارہ محرم پنجشنبہ کا دن تھا کہ آواز نہایت پست ہوگئی اور لبِ مبارک ہلنے لگے۔ مولوی شہاب الدین صاحب لبِ مبارک کے نزدیک کان لے گئے تو صاف طور پر یہ صدا سنی" لقد نظر الله الیّ."

حضرت کے داماد فرماتے ہیں کہ:

''اس وقت میں سرِ بالین کھڑا تھا۔ ناگاہ حضرت کا سر بائیں طرف جُھکا۔ میں نے سمجھا کہ شدّتِ ضعف سے جھکا ہے۔ فوراً بیٹھ گیا۔ دیکھا لب ہلتے ہیں۔ نزدیک سے سنا تو کلمہ لا الہ الا اللہ زبان پر جاری تھا۔ اسی حالت میں عصر کے وقت قفسِ عنصری سے روحِ پُرفتوح پرواز ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ دوسرے دن جمعہ تھا اور بقضائے الٰہی آپ کے ہمشیر زادے سید شاہ محمد قادری نے بھی اسی دن وبا کی شکایت سے انتقال کیا۔ دونوں جنازے مسجدِ نبویؐ میں منبر شریف کے متصل روضۂ جنت میں رکھے گئے۔ نماز جمعہ کے بعد تمام زائرین نے جو ستر ہزار سے کم نہ ہوں گے، جنازے کی نماز پڑھی اور جنت البقیع میں اہلِ بیت کے پائین دونوں بزرگوار ایک مزار میں دفن ہوئے۔'' (مقالاتِ طریقت: ص: ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹)

حضرت قطب ویلور کی وفات حسرت آیات پر مختلف اہل قلم حضرات نے مراثی اور قطعات لکھا جن میں سے بعض حضرات کے نام یہ ہیں: مولانا عبدالحی بنگلوری، مولانا عبدالرحیم ضیا حیدرآبادی، مولانا محمد قاسم، مولانا نجم الدین افضلؔ، مولانا ولیؔ وانم باڑی، حکیم سید مظفر حسین حیدرآباد، جناب سلیمؔ ویلوری، حضرت سید علی نواؔ، جناب اطہرؔ بنگلوری وغیرہ۔ بعض شعراء کے چند شعر یہاں نقل کیے جا رہے ہیں۔ جن سے حضرت قطب ویلور کے بعض اوصافِ حمیدہ، عادات جمیلہ اور صفاتِ حسنہ پر روشنی پڑتی ہے۔

حضرت ضیاؔ حیدرآبادی فرماتے ہیں:

آں پیر محی ملت و دین کز وجود او — علم و عمل جو عنبر و بو جز و ہم شدہ

ہم ظاہر اً از قبۂ فرزندِ فاطمہ — قرب جوار یافتہ و محترم شدہ

از روئے این اشارہ ضیا سال آن نوشت — مقبول بارگاہ شفیع الامم شدہ

۱۲۸۹ھ

مولانا قاسم صاحب فرماتے ہیں:

چوں ز دنیا محی الدین عبداللطیف — شیخ وقت و عابد و شاغل برفت

گفت تاریخ و فاتش ہاتفم — صاحب دین عارف کامل برفت

۱۲۸۹ھ

جناب افضلؔ صاحب فرماتے ہیں:

شیخِ دوراں زدارِ فانی شد | در بقیع مدینہ سوئے جناں
گفت تاریخش افضلؔ مہجور | رفت ھیہات محی دین زجہاں

۱۲۸۹ھ

مولانا ولیؔ وانم باڑی فرماتے ہیں:

کیا سبب ہے کہ زرد ہے خورشید | اور کیوں سیاہ ہے دلِ ناہید
صبحِ داماں دریدہ صبحِ سفید | جگر لالہ داغ دلرزاں بید

یہ شفق تو نہیں ہے فلک پہ مگر
آگ دریا میں لگ گئی کیوں کر

ہیں مرید اس کے ہر کہیں مسرور | سینہ ہر ایک کا رشد سے معمور
مطلع شمس فیض ہے ویلور | جس کے پرتو سے ہے جہاں پُر نور

فیض ہے ایک دائرہ بضرور
قطب اس دائرہ کا ہے ویلور

(دار العلوم لطیفیہ کا ادبی منظر نامہ: ص: ۲۰۱،۲۰۰)

حضرت حکیم صاحب فرماتے ہیں:

چو رفت آن شیخ کامل پیرِ پیراں | بملک جاوداں زیں ملک فانی
بگفتا ہاتفم سال وفاتش | گرامی قدر محی الدین ثانی ۱۲۸۹ھ

مولانا سلیمؔ ویلوری فرماتے ہیں:

وہ کون؟ عارفِ آگاہِ دل، وحیدِ زماں | شہ سریرِ ھدیٰ، صوفیِ جریدِ زماں
خدیو مصرِ غنا، فاضلِ سعیدِ زماں | جنیدِ وقت کا اپنے، وہ بایزیدِ زماں
گلِ ریاضِ ولایت، وہ مخزنِ اسرار | مہ سمانِ کرامت، وہ مطلعِ انوار

(دار العلوم لطیفیہ کا ادبی مناظرہ: ص: ۲۰۱،۲۰۰)

حضرت سید علی نواؔ فرماتے ہیں

شہ محی الدین شیخِ باصفا رفت زیں جاجانبِ دارالبقا
گفت سالِ رحلتش محزون نوا شد امام المومنین و احسرتا

۱۲۸۹ھ

(مقالاتِ طریقت: ص: ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱)

قطب الاقطاب شاہ محی الدین دائرہ وحد تش بود کثرت
شد و صالش بہ حق قربِ نبیؐ مدفنش البقیع کالجنۃ
گفت عشاق فانیاً فی الشیخ غاب قطب القدم سن رحلت

۱۲۸۹ھ

مولانا عبدالحی بنگلوری فرماتے ہیں:

''میں اپنے استاد حضرت قطب ویلور کی تاریخ وفات کا قطعہ موزوں کر رہا تھا کہ نیند کا غلبہ ہوا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ہر سو تاریکی چھائی ہوئی ہے اور کوئی چیز دکھائی نہیں دے رہی ہے اور میں کافی حیران ہوں کہ کہاں آ گیا ہوں۔ اتنے میں ایک بزرگ نظر آئے جن کی ریشِ مبارک سے روشنی پھوٹ رہی تھی۔ اچانک میرے دل میں یہ خیال آیا کہ آپ حضرتِ خضر ہونگے۔ کیوں نہ آپ سے آبِ حیات مانگ لیا جائے، چنانچہ میں نے ان سے پوچھا۔ کیا یہی وہ ظلمات ہے جہاں آب حیات واقع ہے۔ آپ نے فرمایا :نہیں۔ میں نے عرض کیا پھر یہ تاریکی کیسی؟ تو جواب ملا موت العلماء ظلمة ۔ یہ جملہ سن کر میں نے دریافت کیا کہ کون عالم؟ جواب ملا: محی الدین سید عبداللطیف، قطب ویلور۔ پھر انھوں نے فرمایا۔ ''بجھا ہے چراغ ہند''۔ جب میں نیند سے بیدار ہوا تو یہی جملہ ''بجھا ہے چراغِ ہند'' ذہن میں محفوظ تھا۔ مادۂ تاریخ نکالا تو بالکل صحیح نکل آیا۔'' (مثنویٔ مطلع النور: ص: ۵۰، ۵۱)

صفات و خصوصیات

اہل دل اور اصحابِ باطن کی سیرت اور سوانح کا ممتاز اور عطر بیز پہلو، ان کی عاداتِ جمیلہ و صفاتِ حمیدہ اور خصائلِ رشیدہ ہیں۔ جن کے ذکر کے بغیر سوانح کا باب نا تمام رہ جائے گا۔ لہٰذا اس مقام پر حضرت قطبِ ویلور کی سیرت و سوانح پر ایک طائرانہ نظر ڈال لی جائے۔

دنیا سے بے رغبتی اور بے لوثی

حضرت قطب ویلور کی نمایاں صفت جس کا ظہور زندگی کی ہر منزل اور ہر مقام پر ہوتا رہا وہ ہے دنیا سے بے رغبتی اور عدم التفات۔ چنانچہ آپ نے ساری زندگی کن فی الدنیا کانک غریب کے مطابق اور دست بکار و دل بیار کے مصداق گزار دی۔ آپ نے اپنے مکتوبات میں کئی ایک مقام پر دنیا کی حقیقت پر روشنی ڈالی ہے۔ جو ایک طالبِ دنیا کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔

بخشی محمد محی الدین علی خان مہکری کے نام تحریر کردہ مکتوب کا کچھ حصہ ملاحظہ کیجئے۔ جس سے آپ کے جذباتِ درون کی صحیح ترجمانی ہو رہی ہے۔

دنیا گاہے بصورت خوردن و پوشیدن
و پسر زن پیش می آید و گاہے در لباس وزر
وزیور و عزت و وجاہت سری ہند و عہدِ
رفاقتِ دوامی کنند۔ چون مرد تصدیق
وے نمود و فریفتۂ وے می شد بغتۃً سری
کشید و بدعہدی می نماید، نہ زن ماند نہ فرزند
نہ خوردن ماند نہ پوشیدن نہ زر ماند نہ زیور
نہ عزت ماند نہ حرمت۔
اگر اتفاقاً دنیا رفاقت وے بگذارد
حق سبحانہٗ و تعالیٰ ملک الموت را بروئے گمارد
تا از دنیا جبراً و قہراً رہاند۔ آن گاہ رنج و
مفارقت عیال و مال دامن گیر وے می شد
وزشتی صورت دنیا و بے وفائی وے ہویدا
می گردد۔ ایں بے چارہ ناچار بادل پر اضطرار

دنیا کبھی کھانے پینے پہننے اوڑھنے کی صورت میں سامنے آتی ہے
تو کبھی بیوی بچوں کی شکل میں نمودار ہوتی ہے
اور کبھی زر و زیور اور عزت و وجاہت کے لبادہ
میں جلوہ گر ہوتی ہے اور وفاداری اور رفاقتِ
دوام کا دم بھرتی ہے اور
جب کوئی شخص اس کی مسحور کن اداؤں اور
دل فریب باتوں کو سچ جانتے ہوئے اس پر
دل و جان سے فریفتہ ہو جاتا ہے تو اچانک سر
اٹھاتی ہے اور بے وفائی اور بدعہدی ظاہر کرتی
ہے۔ پھر اس کے بعد بیوی رہے گی نہ اولاد۔
رہیں گے اور نہ ماکولات و مشروبات، زر و جواہر رہیں گے نہ
عزت و حرمت۔ اگر اتفاقاً دنیا اس شخص کی
دوستی و رفاقت بھی کرے تو ملک الموت اس کو
دنیا سے جبراً و قہراً لے جاتے ہیں اس وقت اس کو

بقبر می رود و رہینِ اعمالِ خود می باشد در عوض نان و کباب لقمۂ خاک و در بدلہ دیباو حریر بسترِ تراب نقد وقت او گردد، و ہمہ بدن نوالہ دیدان شود و زنش در کنار غیر و فرزندش در سیر و مملوکات دنیا آنچہ، بمحنت و مشقت فراواں اندوختہ بود۔ حوالۂ وارثان گردد کہ اکثر آنہا دشمنان و مرگ مورث را خواہاں باشند۔

اپنے اہل وعیال، مال و دولت اور اسباب کو چھوڑ جانے کا غم دامن گیر ہوجاتا ہے اور اسوقت اس پر پوری طرح سے دنیا کے چہرے کی قباحت اور اس کی بے وفائی ظاہر ہوتی ہے اور ناچار یہ بے چارہ دل پُر اضطرار کے ساتھ قبر میں چلا جاتا ہے اور اپنے اعمال کا رہینِ بن جاتا ہے۔ اور اسکے لئے نان وکباب کے بدلے میں لقمۂ خاک اور اور اس کا سارا بدن حشرات الارض کا لقمہ بنجاتا ہے۔ اور ادھر اس کی بیوی نکاح کے ذریعہ باصد کراہت ونفرت نہ بخوشی و رغبت دوسرے شخص کی آغوش میں چلی جاتی ہے۔ اور اس کے فرزند سیر وتفریح اور عیش ونشاط میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ اور مال و دولت اور سرمایہ جس کو اس نے ساری زندگی کی محنت ومشقت سے جمع کیا تھا، وارثوں میں تقسیم ہوجاتا ہے۔ جن میں سے اکثر افراد اس کی موت کے خواہش مند رہا کرتے تھے۔

مخدوما!

مومن در دنیا چناں بود کہ در پائخانہ باصد کراہت ونفرت نہ بخوشی و رغبت

مخدوم من!

دنیا میں مومن کو اس طرح رہنا چاہئے جس طرح رفع حاجت کے لئے انتہائی کراہت کے ساتھ بیت الخلاء میں رہتے ہی اور جوں ہی ضرورت پوری ہوی وہاں سے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔

الحاج سید اسد اللہ صاحب کے نام روانہ کردہ خط میں فرماتے ہیں:

دنیادنیّہ درنظر خضرۃ دارد، ودرذوق حلاوت می آید۔ فی الواقع متاعے است باطل وسمے قاتل، مثل او مثل نجاست است۔ زراندوده و حکم او حکم زہرے است شکر آلودہ۔ مدت عمر وے تا شصت و ہفتاو بندرت می رسد۔ آنہم بصد محنت شکر آلودہ دو کدورت

دنیا دیکھنے میں تو بڑی حسین وجمیل اور سرسبز وشاداب نظر آتی ہے اور ذوق ولذت میں بھی بڑی شیریں اور لطیف معلوم ہوتی ہے لیکن درحقیقت وہ تو ایک متاعِ باطل اور سم قاتل ہے۔ اس کی مثال اس نجاست کی طرح ہے جس میں سونا پڑا ہوا ہے اور اس کا حکم شکر آلودہ زہر کا حکم ہے۔ اس کی عمر کا قافلہ بھی مشکل سے ساٹھ ستر سال تک رواں دواں رہتا ہے اور وہ بھی اپنے ساتھ ہزاروں محنتیں، مشقتیں، مصیبتیں اور پریشانیاں لئے ہوے۔

اخلاص و انہماک

صوفیاء کی عظیم الشان میراث اخلاص وللّٰہیت اور دینی وعلمی اور دعوتی کام میں انہاک و مشغولیت ہے۔ حضرت قطب ویلور اس میراث کے امین اور وارث ہوئے۔ چنانچہ آپ نے ساری زندگی پورے اخلاص وانہماک کے ساتھ دعوت وتبلیغ، تزکیہ واحسان، درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور افتاء میں گزاری۔ اور ان سارے امور کی انجام دہی میں رضائے الٰہی کے سوا کسی قسم کا دنیاوی فائدہ اور کسی نوع کی ذاتی منفعت اپنے پیشِ نظر نہیں رکھی۔ حالاں کہ آپ کے دور میں ایک طرف برٹش حکومت علماء ومشائخ کو اعزازات واکرامات سے نواز رہی تھی، اور دوسری طرف مسلم سلاطین کی شاہانہ داد ودہش سے مخلص سے مخلص افراد بھی سرفراز ہورہے تھے۔ لیکن حضرت قطب ویلور نے اپنے لئے نہ کوئی اعزاز ومنصب قبول کیا اور نہ حکومت کے وظیفہ خوار ہوئے اور خود ملکۂ انگلستان نے اپنی جانب سے ماہوار ایک سو روپیہ وظیفہ مقرر کیا تو آپ نے مسترد کردیا۔

آپ کے اخلاص وللّٰہیت اور علمی انہماک اور دینی اشتغال کا یہ عالم تھا کہ اپنے تلامذہ وخلفاء کے اندر بھی یہی چیز دیکھنا چاہتے تھے۔ مولوی عبدالرحیم ضیاؔ حیدرآبادی کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

پیشۂ ما فقراء دعوت الی اللہ است، دعوتِ ظاہری بود یا باطنی از اصلاح بنی آدم تا وسع قاصر نباشد و دعوت بکمال خلوص بعمل آرند۔

دعوت اور اصلاح ہی ہم فقیروں کا پیشہ ہے۔ لہذا تمہیں بھی چاہئے کہ حتی المقدور انسانوں کی صلاح وفلاح اور نجات کے لئے کوشش کرتے رہیں اور اس کام کو پورے اخلاص اور للّٰہیت کے ساتھ انجام دیں۔

دشمن نوازی

حضرت قطب ویلور اعلیٰ ظرف کے مالک تھے۔ آپ نے اپنے دشمنوں اور بدخواہوں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کیا۔ بعض شرپسندوں نے آپ کی ذاتِ گرامی پر طرح طرح کے الزامات عائد کئے۔ انگریزی حکومت کو آپ کے خلاف ابھارا اور اکسایا۔ جس کے نتیجہ میں آپ جیل گئے۔ مقدمہ چلا اور آپ باعزت رہا ہوئے۔ عدالت نے آپ کو حق واختیار دیا کہ آپ دشمنوں پر ہتک عزت کا مقدمہ دائر کر سکتے ہیں۔ لیکن آپ نے کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی۔ اس واقعہ سے آپ کے پاک وصاف باطن کی اس کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے جس کے حصول کے بعد ایک اللہ والے کے قلب کی حالت اس شعر کے مصداق ہوتی ہے۔

هر که او خارے نهد در راه ما از دشمنی! هر گل که از باغ عمرش بشگفد بے خار باد

جو شخص ہمارے راستہ میں کانٹے بچھائے اللہ کرے اس کی زندگی پھولوں میں بسر ہو۔

شفقت و محبت

حضرت قطب ویلور کی شخصیت کا ایک ممتاز وصف یہ ہے کہ آپ کے دل میں بندگانِ خدا کے ساتھ بے پایاں محبت والفت موجود تھی۔ آپ نے انسانوں کی خدمت اور ان کی ضرورت کی تکمیل کے لئے

اپنے مریدین ومتوسلین کو دل نشین پیرائے میں توجہ دلائی ہے۔

محمد بہاؤالدین صاحب کے نام تحریر کردہ مکتوب میں رقمطراز ہیں:

''درحدیث شریف آمدہ۔ الخلق عیال اللہ واحب الناس الی اللہ من احسن الی عیالہ ہر چند کہ حق جل مجدہٗ عیال ندارد۔ ولیکن چناں کہ رزق عیال بر صاحب عیال بود وہم چناں وے تعالیٰ بفضل وکرم خود مکتفل ارزاق بندگان گردیدہ۔ پس خلائق دررنگ عیال وے تعالےٰ باشند۔ ہر کہ بعیال کسے مواسات نماید۔ نزد صاحبِ عیال محبوب ترین مردم بود۔ ہم چناں کہ خلق کہ دررنگ عیال وے تعالیٰ اند۔ خدمت گزاران آنہا عنداللہ محبوب ترین مردم اند۔ خدمت گذاری خلائق ایں مرتبہٗ دارد۔ خدمت گزاری حضرات سادات کثیرالبرکات کہ خلاصہٗ خلائق اند جزئیت سرورِ دین ودنیادارندعلیہ الصلوۃ والسلام چہاخواہد داشت۔'' (مکتوبات لطیفی:قلمی)

حدیثِ شریف میں ہے لوگ اللہ تعالیٰ کے عیال ہیں اور اللہ کے نزدیک انسانوں میں وہی انسان سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے جواس کے عیال کے ساتھ احسان اور حسنِ سلوک سے پیش آئے۔ اللہ تعالیٰ اگرچہ کہ اہل وعیال نہیں رکھتا ہے۔ لیکن جس طرح صاحب عیال پر اہل وعیال کے رزق کی ذمہ داری ہوتی ہے اسی طرح اللہ نے بھی اپنے فضل سے خود کوانسانوں کے رزق کی کفالت کا ذمہ دار ٹھرایا۔ اس اعتبار سے مخلوق اس کے عیال کے مقام میں ہے اور جوشخص کسی آدمی کے اہل وعیال کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کرتا ہے تو وہ صاحبِ عیال کے نزدیک بہت ہی محبوب اور پسندیدہ قرار پاتا ہے۔ اسی طرح سارے انسان جواللہ کے عیال کے مانند ہیں ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے والا اوران کی خدمت کرنے والا بھی اللہ کے نزدیک بہت ہی محبوب ہے۔ جب عام انسانوں کے ساتھ خیر و بھلائی اور حسنِ سلوک سے پیش آنے کا اللہ کے نزدیک یہ مقام اور مرتبہ ہے تو سادات کرام جو کثیرالبرکات اورانسانوں کا خلاصہ ہیں اور نبی کریم ﷺ کے اجزاء ہیں ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنے کا مرتبہ اور مقام کیا ہوگا؟

یہ عجیب بات ہے کہ اہل دل حضرات اپنی ذات اورنفس کی خاطر دستِ سوال دراز کرنا تو کجا اپنی ضرورت وحاجت کوبھی دوسروں پر ظاہر ہونے نہیں دیتے۔ لیکن ضرورت مندوں کی ضرورت پورا کرنے میں خود سائل بن جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت قطب ویلور کی زندگی میں بھی اس اخلاص اورایثار کا ظہور جابجا

ہوتا رہا ہے۔ایک مکتوب میں حضرت قطب ویلور، صاحب ضرورت کی حاجت روائی کے لئے سفارش کناں ہیں۔

یہ مکتوب حسن کٹی ملیباری کے نام عربی زبان میں تحریر کیا گیا ہے، جس کا اہم حصہ یہاں پیش ہے: "ان منیر منورعلی العازم الی الحرمین الشریفین قد کتب الّی من عسرته وفقدان کراء المرکب و طلب منی ان اکتب الیکم کتاباً فی اسقاط النیول و الحیاء الایمانی منع من ردّ سواله ففی سورة الوسُع والصلاح ارجو تائیدکم فی قضا حاجته المحتاج وانجاح مقصود السائل. ان ایدتم فالموید هوالله تعالیٰ وانتم ماجورون والافالمانع هو وانتم معذ ورون." مکتوباتِ لطیفی: مخطوطہ۔

منیر منورعلی سفر حرمین الشریفین کی آرزو رکھتے ہیں اور اپنی عسرت کے باعث مجھ سے یہ امید باندھے ہوئے ہیں کہ میں آپ کی ذاتِ گرامی سے ان کی آرزو کی تکمیل چاہوں۔ مجھے ان کی اس خواہش کو رد کرنے میں غیرت ایمانی مانع رہی۔لہذا میں آپ سے امید کرتا ہوں کہ آپ سائل کی مذکورہ خواہش پوری فرمائیں گے۔

اگر آپ نے تائید کی تو مؤیدِ حقیقی، اللہ ہے۔اور آپ ماجور ہوں گے اور اگر آپ نے تائید نہیں کی تو مانع حقیقی اللہ ہے اور آپ معذور سمجھے جائیں گے۔

مسلمانوں کی دینی غفلت پر حسرت و افسوس اور اظہار نصیحت

حضرت قطب ویلور مسلمانوں میں بڑھتی ہوئی دینی غفلت اور شرعی امور سے بے پرواہی سے کس قدر متفکر اور بے چین تھے۔اس کا صحیح اندازہ تو وہی حضرات کر سکتے ہیں جنھوں نے آپ کے دل مضطر کے احساسات، کیفیات اور جذبات کو الفاظ کے روپ میں ڈھلتے ہوئے دیکھا اور سنا ہوگا۔لیکن ہم بھی آپ کے جذبات دروں کا اندازہ آپ کی تحریروں سے کسی حد تک کر سکتے ہیں۔ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

"واحسرتا! اکثر مردم کتاب و سنت را یک قلم پس پشت انداختہ اند۔ اگر کسے راز ن و فرزند اور اسخت وست گوید۔دست از جان کنی می شونید و برائے محبت خدا اور رسول ذکرِ جان دادن چیست؟ بلکہ سست ہم نمی شنوید۔"

افسوس صد افسوس! اکثر لوگوں نے کتاب وسنت کو یک قلم پس پشت ڈال دیا ہے۔ اگر کسی شخص کو یا اس کی بیوی بچوں کو سخت اور ست کہا جائے تو وہ برداشت نہیں کرتا اور اپنی جان دینے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ لیکن اللہ اور رسولؐ کے لئے جان دینے کا سوال کیا ایک سخت جملہ سننے کے بھی روادار نہیں ہے۔

ایک اور مکتوب میں رقم طراز ہیں:

''مومن را باید کہ دین پرور باشد۔ واحسرتا اکثر مردم زماں از دین وایمان خبرے ندانند۔ تا بدیں پروری چہ رسد۔ در دل آنہا بوے از غم دین نیست ۔ ہر چہ است غم غذائے چرب وشیریں ولباس منقش و رنگین وزن وفرزند وزر وزیور وعزت وحرمت ورسوم وعادات ہست۔''

یعنی ایک مسلمان کو چاہئے کہ وہ دین پرور اور شریعت نواز رہے۔ لیکن افسوس ہے اس زمانہ میں مسلمانوں کی اکثریت ایسی ہے جو دین سے نا آشنا ہے۔ بھلا ایسی حالت میں وہ دین پرور کیا ہو سکتے ہیں۔ ان کے دلوں میں اسلام کی فکر تو کیا، اس کی بو باس تک بھی نہیں ہے۔ ہاں! ان مسلمانوں کو اگر کوئی غم اور فکر ہے تو وہ صرف بیوی، بچے، زر و جواہرات، عزت وشہرت، نام ونمود اور رسوم وعادات کی ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

مولوی خیر الدین خان بہادر کے نام ایک مکتوب میں دعوت و اصلاح کا عمل متروک رہنے پر حسرت وافسوس کا اظہار بایں الفاظ فرما رہے ہیں۔

''واحسرتا دریں ایام غفلت انضام دعوت کاذبہ مخلوق پرستی محمود و در شوارع و جوامع شائع وذائع است ودعوت حقہ خالق پرستی واصلاح برادران انسانی مذموم ومتروک بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ ابوالعجبی است۔''

اس دورِ غفلت نشان میں مخلوق پرستی کی باطل دعوت تو ہر طرف عام نظر آ رہی ہے اور مستحسن سمجھی جا رہی ہے۔ لیکن خالق پرستی کی دعوت جو سراپا حق ہے کہیں نظر نہیں آ رہی ہے۔ اور انسانوں کی اصلاح کا کام ہر جگہ متروک وناپسندیدہ ہے۔ این چہ ابوالعجبی است۔

مسلمانوں کے حالات اور معاملات کی فکر

حضرت قطب ویلور کی پہلو دار شخصیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپ مسلمانوں کی زندگی سے مربوط اور ان کے حالات ومعاملات اور مسائل سے آشنا اور باخبر تھے۔ اور ان کی اصلاح و درستگی اور فلاح و

بہبودی کے لئے ہر ممکن جدوجہد کیا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں حسب ضرورت اپنے تلامذہ کو بروقت صحیح ہدایات اور مختلف تاکیدات فرماتے رہتے تھے۔

مولوی فصیح الدین، قاضی تلچری، کیرلا سے ان الفاظ میں ہم کلام ہیں:

''امروز روزے است کہ اسلام بغایت ضعف وغربت دارد۔ وزمانہ است عملِ قلیل بعوض اجر جزیل بکمالِ اعتناء در عالم الغیب بدرجہ اجابت می رسد۔ درچنیں احیان آنچہ آن مخدوم کامیاب عدالت و ترویج شریعت وتقویت ایمان ومومنان و پناہِ اسلام ومسلمانان ہستند، ایں مسکین نہایت غنیمت داند وہیچ نعمت رابرابر ایں دولت نمی شناسد حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ بنا بر ترویج شریعت و تائید ملت بصحبت سلاطین وامراء می رفتند و بتصرف خود مطیع ومنقاد ساختہ ترویج شریعت فرمودند۔ ایں حال حکومت مسلماناں است درایں زماں حکومتِ کفاراں قیاس باید کرد کہ چہ قدر موجب رضاوقرب الٰہی عزوجل خواہد بود۔''

یہ وہ دور ہے جس میں اسلام غربت واجنبیت سے دوچار ہے۔ لہذا ایسے وقت میں تھوڑا سا عمل بھی اللہ تعالےٰ کے نزدیک بڑی قدر ومنزلت اور بڑے اجر وثواب سے مشرف ہوگا۔ ایسے وقت میں آپ کی ذات گرامی اسلام اور مسلمانوں کے لئے جائے پناہ ہے اور ایمان اور اہلِ ایمان کے لئے تقویت کاباعث ہے اور شریعت کی ترویج وتنفیذ اور کامیاب عدالت کا ذریعہ ہے۔ فقیر کے نزدیک اس نعمت سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں ہے۔

حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ شریعت کی تنفیذ اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے خیال سے سلاطین کی صحبت اختیار کرتے تھے اور اپنے اثر ورسوخ کے ذریعہ ان کو مطیع بناتے ہوئے شرعی احکام نافذ فرماتے تھے۔

یہ اس زمانہ کا حال ہے جب کہ حکومت کی باگ ڈور مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی۔ غور فرمایئے اس غیر اسلامی حکومت کے زمانہ میں شریعت کی تنفیذ اللہ کے نزدیک کس قدر محبوب اور اجر وثواب کا باعث ہوگی۔

مولوی محمد محی الدین علی خان کے نام تحریر کردہ مکتوب میں احیائے سنت، انسداد بدعت، امر بالمعروف نہی عن المنکر میں غفلت ومداہنت اور حقوقِ اسلامی کی ادائیگی سے متعلق فرماتے ہیں:

''سعادت مند کسے است کہ درین زمانۂ غربت اسلام بدعتے از بدع مستعملہ نماید واحیائے سنتے از سننِ متروکہ فرماید۔ وتذکر موت واحوال آخرت نصب العین دارد وامر معروف ونہی عن المنکر

مساہلت و مداہنت نورزد و حقوق اسلام بجا آرد۔"

اسلام کی اجنبیت و غربت کے اس دور میں سعادت مند آدمی تو وہی ہے جو مسلمانوں میں پھیلی ہوئی بدعات کا بھی قلع قمع کردے اور رسولِ کریم ﷺ کی ترک کردہ سنتوں میں سے کسی ایک سنت کو بھی زندہ کردے اور موت و آخرت کے احوال کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھے، خیر و نیکی کے پھیلانے میں اور شر و بدی کے ختم کرنے میں غفلت و سستی اور مداہنت و منافقت کا ثبوت نہ دے اور اسلام کے حقوق کو بجالائے۔

بنگلور اور اس کے گرد و نواح میں مسلمانوں کے درمیان بڑھتے ہوئے مذہبی اختلافات اور حضرات علماء کی خاموشی سے حضرت قطب ویلور کس قدر بے چین اور متفکر ہیں اس کا اندازہ اس مکتوب سے بحسن و خوبی لگایا جاسکتا ہے۔ مکتوب کی طوالت کے پیشِ نظر صرف ترجمہ پر اکتفا کیا جارہا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلام مسنون کے بعد۔ سنا گیا ہے کہ بنگلور کے بعض مقلدین دعویٰ تقلید کے باوجود اجتہادات اور استنباطات کررہے ہیں حالاں کہ عامی مقلد کو اجتہاد اور استنباط کا حق نہیں پہنچتا۔ اس طرح کے مقلدین کے اجتہادات اور آئمۂ اربعہ کی عدم تقلید نے بہتر۷۲ فرقوں کو گمراہی و ضلالت کے بھنور میں جھونک دیا۔ ضلوا فاضلوا۔ خود گم راہ ہوئے اوروں کو بھی گم راہ کیا۔

حضرات علماء و مشائخ کا انکار کررہے ہیں اور انھیں کافر کہہ رہے ہیں۔ حالاں کہ یہ مسلّم حقیقت ہے کہ کسی ادنیٰ مومن کو بھی کافر کہنے سے خود کہنے والا ہی کافر ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ یہ مسئلہ حدیث شریف میں ہے اور عقائد کی کتابوں میں مذکور ہے۔ جب کسی ادنیٰ مومن کی تکفیر سے آدمی خود ہی کافر ہوجائے تو ہزاروں علماء و صلحاء اور اولیاء و سادات کو کافر کہنے کی جرأت بھلا کس شخص میں ہوگی۔ اس رذیل کام کو وہی شخص کرسکتا ہے جس کا دل مریض اور باطن گندہ ہو۔

اہلِ سنت کے دعویٰ کے باوجود شیعیوں اور خارجیوں کی طرح بزرگانِ دین پر لعن وطعن اور تشنیع و تعریض کو دین داری کا کمال تصور کررہے ہیں۔ صحابہ کرام اور اہلِ بیتِ نبوی کی تکفیر اور ان پر لعن وطعن ہی نے شیعیوں اور خارجیوں کو صراطِ مستقیم سے مشرق اور مغرب کی طرح دور کردیا ہے۔ ھلکو افاھلکوا: خود ہلاک ہوئے اوروں کو بھی ہلاک کیا۔

حدیث شریف میں ہے۔اذکرو امحاسن موتاکم و کفوا عن مساویھم: مرے ہوئے لوگوں کی خوبیاں بیان کرواوران کے عیبوں کو ظاہر نہ کرو۔لیکن بعض مسلمانوں کا معاملہ یہ ہے کہ مرے ہوئے لوگوں کے عیوب بیان کرواوران کی خوبیوں کو پوشیدہ رکھو بلکہ یہ لوگ بزرگانِ دین کی خوبیوں کو بھی عیبوں کی نظر سے دیکھ رہے ہیں۔

اور یہ حقیقت ہے کہ ہم لوگوں کوان ہی بزرگوں سے دین ملا ہے۔اگران پرلعن وطعن کی گنجائش نکل آئے اور یہ حضرات متہم ٹھہر جائیں تو شریعت کا ذخیرہ نا قابلِ اعتماد ٹھہر جائے گا۔

اور یہ جان کر حد درجہ رنج و افسوس ہوا کہ ایسے حالات میں بنگلور کے علماء اور مشائخ غفلت و لاپرواہی اور سستی سے کام لے رہے ہیں۔اوران افراط پسند ناانصاف لوگوں کی سختی اور تشدد کا کوئی انسداد بھی نہیں کرر ہے ہیں اوراس واقعہ میں خود کو بری تصور کرر ہے ہیں۔اس قسم کے واقعات میں لاپرواہی اور بے توجہی کا مظاہرہ کرنا گویا بدعتیوں کو دلیر بنانا ہے۔اوردین کے اندر رخنہ ڈالنا ہے۔فتنہ وفساد پھیلنے کے لئے موقعہ فراہم کرنا ہے۔اگر یہی صورتِ حال برقرار رہی تو کوئی تعجب نہیں ہے کہ وہ لوگ اہلِ حق کو برملا اپنے باطل عقائد کی دعوت دینے کے لئے اٹھ کھڑے ہوجائیں اوروہ دن دورنہیں ہیں کہ وہاں کے علماء ومشائخ اس گروہ کو بھیڑوں کی شکل میں بکریوں کے ریوڑ سے نکلتا ہوادیکھ لیں گے۔

فقیر اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہے کہ اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے وہاں کے اکابر حضرات کو ہدایت دے گا اور بہت جلد اس ماتم زدہ کے کانوں تک یہ رخنہ بند ہونے کی خبر سنائے گا۔

اس مکتوب کو مولوی عبدالحیٔ بنگلوری یا مولوی محمد حنیف قادری یا مولوی شاہ عبدالوہاب قادری ویلوری سے سنیں اور وہاں کے علماء ومشائخ اوراکابرین کو بھی سنائیں۔

کتاب و سنت کی اتباع اور اھمیت

حضرات صوفیاء پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے ان کے نزدیک قرآن وحدیث کی کوئی قدر و قیمت اور وقعت نہیں ہے بلکہ یہ اوران کے متبعین صریح طور پر کتاب وسنت کے خلاف عمل کرتے ہیں۔یہ بات صوفی نما اشخاص اوران کے مقلدین کے بارے میں تو صحیح ہے۔لیکن اہلِ علم صوفی حضرات کے بارے میں صحیح نہیں ہے۔کیوں کہ ان بزرگوں نے کبھی کتاب وسنت کو پس و پشت نہیں ڈالا اور نہ کبھی تحریم

وتحلیل کی حدیں توڑیں اور نہ ہی اباحت اعمال کا ارتکاب کیا۔ حضرت جنید بغدادی کا فرمان ہے علمنا مشیدة بالکتاب و السنة ۔ ہمارا علم اور طریقہ قرآن اور حدیث سے منسلک ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: سلامتی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے ساتھ ہے۔ اور ہلاکت ان دونوں کو پس پشت ڈالنے میں ہے اور سالک کتاب وسنت ہی سے ولایت اور قطبیت کے درجے تک ترقی کرتا ہے۔

(بیعت وارادات کا ایک تحقیقی جائزہ: ص: ۵۰: از مولوی حافظ بشیرالحق قریشی: مطبوعہ ۱۹۸۶: دائرۃ المعارف السنیہ: ادھونی)

حضرت قطب ویلور کی زندگی کتاب وسنت کی آئینہ دار تھی۔ آپ نے اپنے مریدین اور متوسلین کے سامنے قرآن وحدیث کی اہمیت وضرورت اور وقعت کن کن زاویوں سے اجاگر کی ہے اس کا اندازہ آپ کے مکتوبات سے بطریق احسن ہوگا۔ مولوی جعفر شریف قاضی شہر بنگلور سے ان الفاظ میں مخاطب ہیں:

''مومن را اتباع کتاب وسنت باید کند وکتبِ متداولہ اہل سنت و جماعت را پیشوائے خودسازد ودر دین پاس قوم وملک وپدر واستاد راچہ اعتبار ہر عالمے کہ باشد قول او رابشرط موافقت با کتاب وسنت مقبول باید داشت۔ پس ما رادر دینداری خلاف کتاب وسنت چہ قسم روا بود واتباع عمر وزید بر خلاف خدا ورسول خدا چرا بجا باشد۔ واحسرتا اکثر عوام زمان فرقہ فرقہ حکم می شود وتفریقہ بر تفرقہ می افزانید و بہوائے نفس امارہ سخن می رانند وآخرت را بر بادمی کند۔ حکم در تنقیح حق عالمے باید کہ از کتاب وسنت واقف بود واز فروع و اصول مذاہب ماہر باشد واز نفسانیت دور بود۔ (مکتوباتِ لطیفی: قلمی مخطوطہ)

ایک مسلمان کو چاہئے کہ قرآن وحدیث کی اتباع کرے اور اہلِ سنت و جماعت کی کتابوں کو اپنا رہبر بنالے۔ دین وشریعت کے معاملہ میں قوم وملت اور استاد و پدر کا کیا اعتبار؟ عالم جو بھی ہو اس کا قول کتاب وسنت سے موافق رہنا چاہئے۔ دین اور اس کے احکام میں قرآن وحدیث کی خلاف ورزی کیوں کر صحیح ہوگی؟ کتاب وسنت کے خلاف زید اور عمر کی اتباع کیسے درست ہوگی؟

افسوس صد افسوس! اس زمانہ میں قرآن وحدیث کے مقابلہ میں لوگ حَکَم اور ثالث بن رہے ہیں اور تفریق پر تفریق پیدا کر رہے ہیں اور نفسِ امارہ کی خواہش پر بولنے لگے ہیں اور آخرت تباہ و برباد کر رہے ہیں۔ حق کی تنقیح اور توضیح میں حاکم اور ثالث ایسے عالم دین کو بنانا چاہئے جو قرآن وحدیث سے واقف اور آئمۂ اربعہ کے مذاہب کے اصول وفروع میں ماہر ہو اور وہ عالم، نفسانیت سے پاک اور صاف ہو۔

میسور کے جج امام الدین مہکری کے نام تحریر کردہ مکتوب میں فرماتے ہیں۔ یہ مکتوب بھی کافی طویل ہے۔لہذا صرف ترجمہ پیش کیا جارہا ہے۔

''قرآنِ حکیم، تمام احکامِ شرعیہ کا جامع و ماخذ اور لب لباب ہے اور اس کے بعض احکام کا ادراک رسول کریم ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے اور ایسے احکام کو سنت کہتے ہیں۔اور قرآن میں سنت کی اتباع کا حکم ہے۔'' واطیعو الرسول' 'اور اسی سنت سے قرآن کے مجملات و متشابہت کی وضاحت ہوتی ہے اور حدیث ہی سے اللہ تعالیٰ کی مراد واضح ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ جب قرآن کریم کے معانی و مطالب میں تاویل و توجیہہ، بحث و تمحیص اور نزع ہونے لگی تو خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ قرآن کے معانی اور مطالب اور مفاہیم کو نبی کریم ﷺ کی سنتوں کی روشنی میں اخذ کرو۔کیوں کہ نبی کریم ﷺ کی احادیث اور سنن قرآن کے معانی و مطالب کو سمجھنے میں اور معانی کی تخصیص اور تعیین میں سند اور دستاویز کی حیثیت رکھتی ہیں اور احادیث، قرآن کی مظہر ہیں اور ان ہی سنتوں سے قرآن کے مطالب اور معانی واضح ہوتے ہیں اور جو شخص احادیث سے اعراض کرے اور ہر جزوی حکم کا ثبوت صرف قرآن سے چاہے تو اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے کوئی آدمی بادشاہ کے خاص سفیر کے حکم کو ٹھکرا کر بادشاہ کے فرمان کی سند طلب کرے۔

مقدمات کے معاملہ میں تمہیں چاہئے کہ جب کوئی حکم قرآن میں نہ ملے تو پیغمبر کے عمل و قول اور تقریر سے معلوم کریں اور اگر سنت سے بھی معلوم نہ ہو تو صحابہ''، اجماع، جمہور اور اجتہادِ مجتہدین سے معلوم کرلیں۔اور احکام کی تلاش کے لئے تفاسیر، احادیث، شروح احادیث، اصول اور اہل سنت و جماعت کی کتب متداولہ کا مطالعہ ہمیشہ رکھیں۔''

ایک اور مریدِ صادق الاعتقاد مولوی قادر محی الدین ابن غلام محمد خان نواب کے نام تحریر کردہ مکتوب کے بعض اجزاء کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے:

''سعادت آثار!

اللہ تعالےٰ کی نظر انسان کے قلب پر ہوتی ہے اس کے جسم پر نہیں۔لہذا قرآن کی تلاوت اور اوراد وظائف اور مسنون و ماثور دعائیں پڑھتے وقت قلب کی توجہ اللہ تعالےٰ کی طرف ہونی چاہئے اور جو کچھ پڑھا جارہا ہے۔اس کا معنی و مفہوم سمجھے بغیر دل کی توجہ اللہ تعالےٰ کی طرف نہیں ہوسکتی۔اس لئے مرید

کو چاہئے کہ پہلے قرآن کریم کے معانی و مطالب سمجھے اور اس کے بعد تلاوت اور اوراد و وظائف کی جانب متوجہ ہو جائے۔ اللہ تعالے تک پہنچنے کا راستہ قرآنِ کریم کی تلاوت، ذکر اور مراقبہ ہے۔ اور ان میں بہترین راستہ تلاوت کلام پاک ہی ہے اور حضرات صحابہ کرامؓ نے اسی راستہ سے سلوک طے کیا تھا۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: انی ترکت فیکم الثقلین کتاب الله وعترتی ۔''میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ چلا۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور میرے اہلِ بیت۔

تلاوتِ قرآن میں ضروری ہے کہ کلام اللہ، اللہ تعالی سے بلا واسطہ سنیں یہ ادنیٰ مرتبہ ہے اور دورانِ تلاوت ہر قصہ اور خطاب کا مخاطب خود کو جانیں۔ یہ درمیانی مرتبہ ہے۔ اور دورانِ تلاوتِ قرآن میں اپنے افعال اور اپنی صفات کا مشاہدہ کریں۔ یہ اعلیٰ مرتبہ ہے۔ بزرگوں کی اجازت میں بڑی تاثیر ہے۔ اس لئے حسبِ التماس قرآن کریم، دلائل الخیرات اور قصیدۂ بردہ کے پڑھنے کی اجازت دے رہا ہوں۔ جو مجھے اپنے اکابرین سے حاصل ہوئی ہے۔ اور جہاں تک ہو سکے قرآن کے معانی اور مطالب سمجھتے ہوئے تلاوت کریں اور جب تلاوت سے دل اکتا جائے تو پڑھنا موقوف کریں۔ کیوں کہ تلاوت کے لئے فہم معانی اور حضورِ قلب کی حیثیت ایسی ہے جیسے جسم کے لئے روح۔

صفات و خصوصیات کا جامع مرقع

حضرت قطب ویلور کی سیرت کا صحیح مرقع مولانا شاہ عبدالحی بنگلوری سے زیادہ بہتر کون پیش کر سکتا ہے جن کو تیس سال تک حضرت قطب ویلور کی صحبت میں رہنے کا شرف حاصل رہا ہے۔ لہذا اس باب میں ان کا بیان شہادتِ عینی کا مرتبہ رکھتا ہے۔ صاحبِ موصوف نے اپنی مثنوی ''مطلع النور'' میں ایک مستقل باب ''ذکر بعض مکارم اخلاق وعادات'' کے عنوان سے باندھا ہے۔ اسی کی تلخیص یہاں پیش ہے۔

''حضرت قطب ویلور، ذی علم و سراپا عقل اور صاحب الرائے تھے اور جمیع مکارم اخلاق میں یگانۂ آفاق تھے۔ بے شک آپ وارثِ انبیاء اور نائبِ فخر اولیاء تھے۔ آپ کے اخلاق سے خلقِ محمدیؐ کی شان جھلکتی تھی۔ آپ کے اندر صبر و شکر، سکون و وقار، صدق و مروّت، ایثار و قربانی، زہد و قناعت، حلم و عفو، عجز و تواضع اور اس جیسی بے شمار صفات پائی جاتی تھیں۔ آپ کے اندر حد درجہ سادگی اور بے تکلفی تھی۔ مریدین

و معتقدین اور تمام لوگوں کے درمیان ایک ہی فرش پر بیٹھا کرتے تھے۔ اپنے لئے کسی قسم کا امتیاز پسند نہیں فرماتے تھے۔ خواص ہو یا عوام آپ ہی سلام کرنے میں پہل فرماتے تھے۔ آپ کے پاس کوئی ملاقات کے لئے پہنچتا تو تواضعاللہ اٹھ کھڑے ہو جاتے تھے اور آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ اور کبھی کبھی معانقہ فرماتے تھے۔ بڑے مہمان نواز تھے اور ہر مہمان کو اصرار کے ساتھ کم از کم تین دن اپنے پاس ٹھرا لیتے اور اس کی دل جوئی و خاطر تواضع فرماتے تھے۔ فقراء و مساکین کا خاص خیال رکھتے تھے۔ کبھی کسی سائل کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتے تھے۔ آپ کی گفتگو بڑی دلآویز اور شیریں ہوا کرتی تھی۔ کبھی کسی سے سخت اور ترش لہجہ اختیار نہیں کیا۔ کسی شخص کی دل شکنی نہیں فرماتے تھے۔ مزاج میں حد درجہ استغناء و بے پروائی تھی۔ ساری زندگی کسی کے آگے دست سوال دراز نہیں فرمایا۔ امراء اور اغنیاء آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ان کے سامنے دنیا کی بے وفائی پر روشنی ڈالتے اور غرباء پروری کی ترغیب دلاتے تھے۔ دشمنوں سے بھی کشادہ روئی اور خوش خلقی سے پیش آتے اور ان کی خاطر مدارت فرماتے تھے۔ نو مسلم افراد کا خاص خیال رکھتے اور ان کے ساتھ خصوصی رعایات و عنایات فرماتے اور ان کی تعلیم و تربیت کی جانب خاص توجہ دیتے تھے۔ مسلمانوں کے درمیان جب بھی کوئی اختلاف رونما ہوتا تو فوراً اس کے رفع کی سعی بلیغ فرماتے تھے۔ آپ کے ملنے جلنے والوں میں ہر قسم کے افراد ہوتے تھے آپ ہر ایک کے ساتھ اس انداز سے پیش آتے تھے۔ ہر کوئی یہ سمجھتا تھا کہ آپ کا لطف و کرم میرے ساتھ سب سے زیادہ ہے۔

جانئے بات یہ نہیں آسان ہے یہ خلقِ محمدیؐ کی شان

(مثنوی مطلع النور: ص: ۵۷، ۵۸، ۵۹ اور ۶۰)

کرامات و خوارق

اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کی سیرت و سوانح کا ایک حصہ خرقِ عادت امور کا ظہور اور کرامات کا صدور بھی ہے۔ اسی لئے اکثر سوانح نگاروں نے ان بزرگوں کی زندگی کے حالات اور واقعات کے بیان میں کرامات کو بھی جگہ دی ہے اور اہلِ سنت و جماعت کا یہ مشہور عقیدہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے ہاتھوں سے معجزات ظاہر فرمایا ہے اسی طرح اولیائے کرام کے ہاتھوں سے کرامات ظاہر فرماتا ہے اور یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ معجزات ہوں یا کرامات یہ اللہ تعالےٰ کا فعل ہے۔ انبیاء اور اولیاء اس

فعل کے صرف مظہر ہیں۔ چنانچہ اولیائے کرام کی کرامات بھی اللہ تعالیٰ کا فعل اور تصرف ہے اور ان حضرات سے کرامات کا ظہور کبھی ان کے قصد کے بغیر ہوتا ہے۔تو کبھی ان کے قصد کے ساتھ ہوتا ہے۔اس موضوع کی تفصیل درسِ نظامیہ کے نصاب کی مشہور کتاب ''شرح عقائد نسفی'' میں موجود ہے۔اس مقام پر صرف امام اعظم ابوحنیفۃ النعمان کا یہ قول نقل کرنے پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔ جو اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے کافی ہے: وللآیات للانبیاء والکرامات للاولیاء حق (شرح فقہ اکبر:ص:۲۲۰)

انبیائے کرام سے معجزات کا ظہور اور اولیائے کرام سے کرامات کا ظہور حق ہے۔

حضرت قطب ویلور کی ذاتِ گرامی سے بھی بے شمار کرامات ظاہر ہوئی ہیں۔ یہاں صرف ایک دو بیان کئے جا رہے ہیں۔آپ کی سب عظیم اور زندۂ جاوید کرامت آپ کا علمی و تصنیفی اور اصلاحی و تجدیدی کارنامہ ہے جس کے اثرات و برکات کا سلسلہ آج بھی جاری و ساری ہے۔

ویلور گزیٹ میں یہ واقعہ درج ہے کہ ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد شاہزادوں اور بیگمات کو قلعۂ ویلور میں نظر بند رکھا گیا تھا۔ایک مرتبہ بغاوت ہوئی۔جس میں انگریز فوج کے کئی سپاہی اور افسر مارے گئے ۔بہت سارے باغی گرفتار ہوئے۔انگریز جنرل نے باغیوں کو سزائے موت کا حکم دیا۔گرفتار شدہ افراد میں حضرت قطب ویلور کے مرید محمد ایوب نامی بھی تھے۔لیکن بغاوت میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا۔انہوں نے اپنی بے گناہی میں بہت کچھ کہا۔لیکن انگریز افسر نے ایک نہ سنی۔ باغیوں کو سولی دی جانے لگی تو محمد ایوب کی باری آئی اور ان سے آخری خواہش کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے حضرت قطب ویلور سے ملاقات کی آرزو ظاہر کی۔حضرت قطب ویلور کا مکان قلعہ کے بالکل سامنے اور قریب ہی تھا۔چند افسروں کی نگرانی میں محمد ایوب کو حضرت قطب ویلور کی خدمت میں بھیجا گیا۔انہوں نے سارا ماجرا سنایا اور حسن خاتمہ کے لئے دعا کی درخواست کی۔ یہ سن کر حضرت قطب ویلور نے فرمایا: جاؤ سلامتی کے ساتھ واپس آجاؤ گے۔ اس کے بعد ان کو تختۂ دار پر لے گئے۔انگریز جنرل کی بیوی جو اس کے پہلو میں کھڑی تھی۔سولی دئے جانے کے وقت اپنے شوہر سے کہنے لگی آپ ایک ایسے شخص کو سولی پر چڑھا رہے ہیں جو چہرہ سے بے گناہ نظر آرہا ہے۔یہ جملہ جنرل کے دل پر اثر کر گیا اور وہ محمد ایوب کو دوبارہ تفتیش کے لئے طلب کیا۔انہوں نے کہا: میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں حملہ آور افراد میں سے نہیں ہوں۔ انگریز فوج نے مجھے گرفتار کرلیا۔ یہ سن کر انگریز

جنرل نے انھیں رہائی کا حکم دے دیا۔

حضرت قطب ویلور۔قطب ویلور کے نام سے مشہور ہونے کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت قادر ولی پاشاہ ناگوری علیہ الرحمۃ نے آپ کو آپ کے مرید کے خواب میں اسی نام سے پکارا: اس کا واقعہ یہ رہا:

حضرت قطب ویلور سے آپ کے ایک مرید نے عرض کیا: جب آپ ناگور تشریف لے جائیں تو میں بھی آپ کے ہمراہ چلوں گا۔حضرت نے اسے ساتھ لے جانے کا وعدہ کیا۔حضرت قطب ویلور ناگور کے لئے روانہ ہوئے تو اس وقت مرید کو اپنے سفر کی اطلاع دینا بھول گئے۔حضرت ناگوری نے مرید کو خواب میں اطلاع دی کہ تمہارے مرشد قطب ویلور ناگور کے لئے نکل چکے ہیں اور تمہیں اطلاع دینی بھول گئے ہیں اور فلاں شہر تک پہنچ گئے ہیں۔چنانچہ یہ صاحب خواب سے بیدار ہوئے اور ناگور کے سفر پر روانہ ہو گئے اور شہر پولور میں اپنے مرشد سے جا ملے اور اپنا خواب بیان کیا۔اس کے بعد ہی لوگوں پر یہ حقیقت منکشف ہوگئی کہ حضرت قطب ویلور، ویلور کے قطب ہیں۔اس واقعہ کے بعد آپ عوام وخواص میں ''قطب ویلور'' کے نام سے مشہور ہو گئے۔

حضرت قطب ویلور کے ایک مرید کا بیان ہے کہ

''میں سفر پر تھا۔غلبۂ نفس سے جماع کی خواہش پیدا ہوی۔خواب میں حضرت قطب ویلور تشریف لائے۔ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: تم فعلِ بد اختیار کرو گے۔تمہاری شہوت سلب ہو چکی ہے۔نیند سے بیدار ہوا تو واقعتاً آثار جولیت نہیں تھے۔حضرت قطب ویلور کے بہنوئی حاجی محی الدین جو ایک عالم اور حکیم بھی تھے ان کی جانب رجوع کیا اور اپنی سرگذشت بیان کی تو فرمانے لگے۔یہ کوئی مرض نہیں ہے۔تمہارے مرشد کا تصرف ہے لہذا ان کی جانب ہی رجوع کرو۔اس کے بعد میں نے اپنی سرگذشت ایک کاغذ میں لکھ کر حضرت کے حجرہ میں رکھ آیا۔اس کے بعد جب حضرت سے سامنا ہوا تو آپ نے پوچھا وہ کاغذ تم ہی نے رکھا تھا۔شرمندگی سے ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکلا۔اسی شب خواب میں حضرت نظر آئے اور فرمایا: ہر حال میں اللہ سے خوف کرو۔گناہ اور بدکاری سے بچو۔اللہ نے اپنے فضل وکرم سے تمہاری رجولیت لوٹا دی ہے۔جب میں نیند سے بیدار ہوا تو اپنے اندر آثار رجولیت پایا۔

(مقالات طریقت: ص:۲۸۲)

سید حیدر نامی ایک شخص بیان کرتے ہیں:

”مجھے مسئلہ روح سے متعلق کچھ اشکالات حل کرنا تھا۔ حضرت قطب ویلور مسجد میں معتکف تھے۔ آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا: تمہیں روح سے متعلق کچھ دریافت کرنا ہے۔ یہ سنتے ہی میں حیران رہ گیا۔ اس کے بعد آپ نے روح کو مخلوق اور حادث بتایا اور مفصل و مدلل طریقہ سے سمجھا دیا۔

(انوار اقطاب ویلور: ص:۱۰۱)

حضرت قطب ویلور کی ایک مجلس کا ذکر ہے جس میں آپ وعظ و نصیحت فرما رہے تھے۔ ایک درویش تشریف لائے جن کی ظاہری حالت بہت ہی خستہ تھی۔ حضرت قطب ویلور کی نظر ان پر پڑی تو اٹھ کھڑے ہوئے اور آگے بڑھ کر ان سے ملاقات کی۔ مجلس میں چند رؤسا اور متمول اشخاص بھی تھے، جنھوں نے درویش کی طرف حقارت آمیز نظروں سے دیکھا۔ حضرت قطب ویلور درویش سے بات چیت کرنے کے بعد کسی ضرورت سے اپنے گھر کے اندر تشریف لے گئے تو اسی وقت وہ درویش شیر کی شکل میں نمودار ہو گئے، اہلِ مجلس ادھر ادھر بھاگنے لگے اور جب شور وغل بلند ہوا تو حضرت قطب ویلور گھر سے باہر تشریف لائے اور شیر کی پشت پر اپنا ہاتھ رکھا اور فرمانے لگے ایسی جلالت کا اظہار نہ کرو۔ اسی وقت وہ درویش اپنی اصلی حالت پر آ گئے اور غضب میں آنے کا سبب بیان فرمایا۔

اس کے بعد حضرت قطب ویلور نے اہلِ مجلس کو بیٹھ جانے کا اشارہ فرمایا۔ اور ان کے سامنے ایک تقریر فرمائی اور یہ وضاحت کی کہ کسی انسان کی ظاہر حالت کو دیکھ کر حقیر تصور نہ کریں۔

(سالنامہ اللطیف ص:۸۹ مطبوعہ:۱۴۰۴: سلور جوبلی نمبر: مرتب مولوی حافظ بشیر الحق)

چوتھا باب
حضرتِ قطب ویلور
کی تصنیفی خصوصیات، کتابوں کا تعارف اور مسلک و مشرب

تصنیفی خصوصیات اور کتابوں کا تعارف

حضرت قطب ویلور کے عہد میں علمی اور تحقیقی میدان میں بڑی وسعت اور ترقی ہو چکی تھی اور پریس کی ایجاد نے کتابوں کی نشر و اشاعت اور رسل و رسائل میں روز افزوں ترقی ہو رہی تھی اور دور دراز کے شہروں سے مختلف علماء و فضلاء کی کتابیں علاقہ ٔ مدراس میں پہنچ رہی تھیں۔ چنانچہ حضرت قطب ویلور کی طالب علمی کے زمانہ میں ''تحفہ اثناء عشریہ'' مدراس آ چکی تھی اور ایسی عمدہ و لاجواب اور مدلل تصنیف ردِّ

شیعیت میں اس سے پہلے کہیں دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس کتاب سے سارے جنوب کے اندر ایک ہل چل پیدا ہوگئی تھی۔ اسی کتاب کے مطالعہ سے حضرت قطب ویلور کے اندر یہ خواہش پیدا ہوئی کہ دہلی پہنچ کر مصنفِ کتاب حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی سے استفادہ کیا جائے۔ لیکن آپ کے والدِ ماجد حضرت محوؔی ویلوری کے انتقال کے باعث یہ سفر نہ ہوسکا۔ ۱۲۲۷ھ میں مولانا محمد سعید اسلمی، استاذ حضرت قطب ویلور نے ''الصولۃ الحیدریہ'' کے نام سے ''تحفۂ اثناء عشریہ'' کا عربی ترجمہ کردیا۔ یہ عربی ترجمہ کافی مقبول ہوا۔ حضرت قطب ویلور کے معاصرین میں افضل العلماء مولانا مولوی قاضی ارتضا علی خان صفوی، امام العلماء قاضی بدرالدولہ، مولانا مولوی عبدالوہاب مدراسی، مدارالامراء بہادر اور مولانا مولوی حافظ احمد خان بہادر، صاحبِ قلم تھے۔ اور دنیائے تصوف بھی تصنیفی عمل سے یکسر خالی نہ تھی۔ حضرت سید شاہ عبدالقادر مہربانؔ فخری میلاپوری المتوفی ۱۲۰۴ھ کی کتاب ''اصل الاصول'' اور ''مفتاح العوارف'' اہلِ تصوف کے لئے مرجع تھی۔ مولانا عبدالعلی بحرالعلوم نے بھی ''مثنویٔ مولانا روم'' کی بڑی عمدہ تشریح لکھی تھی۔ اس کے باوجود علم تصوف پر خالص علمی وفنی انداز اور مثبت پہلو پر مبسوط و مفصل اور مدلل تصنیف کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی۔ حضرت قطبِ ویلور ہی نے تعلیم وتزکیہ اور تصنیف وتالیف میں ایک نئی روح ڈال دی اور آپ کے قلم سے کئی ایک معرکتہ الآراء، شاہ کار، گراں قدر اور علمی وتحقیقی کتابیں معرض وجود میں آئیں، جو اپنی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے آج بھی منفرد وممتاز اور مفید ہیں۔

حضرت قطب ویلور کی تصنیفات کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے اندر بے پایاں اخلاص اور للّٰہیت موجود ہے۔ ان کی تحریر ونگارش کے پیچھے خدمتِ دین اور خدمت علوم کے سوا کوئی دنیاوی غرض اور ذاتی منفعت دکھائی نہیں دیتی۔ اسی اخلاص کی برکت ہے کہ ان کا ایک ایک لفظ مؤثر اور وجد آفریں ہے۔

ہر کہ از اخلاص می خیز بر دل می ریزد

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ کتابیں مناظرہ اور مجادلہ کے رنگ سے خالی ہیں اور خالص علمی انداز و مثبت پہلو کی حامل ہیں اور ان میں استدلال کی قوت، بیان کی شگفتگی، زورِ بیان، سلاست وروانی، متانت وسنجیدگی اور نفاست ونظافت پائی جاتی ہے اور حضرت قطب ویلور نے کہیں بھی ناشائستہ اور نازیبا کلمات استعمال نہیں کیا ہے۔ حتیٰ کہ اپنے مخالف نقطۂ نظر اہلِ علم وقلم کے حق میں بھی کوئی حقارت آمیز جملہ

نہیں لکھا ہے۔ اور اختلافی مسائل وفروعی احکام میں تشدد وتعصب کی بو باس تک نہیں ہے اور اعتدال و توازن اور میانہ روی کی شان نمایاں ہے۔ آپ کے اندازِ بیان کی ہلکی سی جھلک ملاحظہ فرمائیے: مسئلہ تھویب سے متعلق فرماتے ہیں:

''بعض ازعوام تھویب رانیز بدعت ضلالت می گوئید واز امر معروف نہی می نمایند این ہمہ افراط مبنی از قلت استعداد و ناشی از دعوی بے اصل اجتہاد است۔''

بعضوں نے تھویب کو بھی بدعتِ ضلالت کہا ہے اور اس طرح انہوں نے ایک امر معروف کو بھی ممنوع قرار دیا ہے اور یہ افراط وانتہا پسندی صرف قلتِ استعداد اور بے بنیاد اجتھاد کی دلیل ہے۔

(فصل الخطاب: ص:۴۰)

''مُردوں کے لئے زندوں کی جانب سے صدقات کا مسئلہ'' اس موضوع پر لکھتے ہیں:

''عجب تماشا است کہ بعضے مردمان ہم چو معتزلہ از ثواب رسانی موتی انکار می کنند مع ہذا دعویٰ سنیت دست نمی بردارند گاہے بر بطلان ایصال ثواب بعبادت بدنیہ حکم می نمایند و باوجود این اجتھاد وابطال دعویٰ تقلید وحنفیت نمی گزارند۔'' (فصل الخطاب: ص:۴۹)

عجب تماشا ہے کہ بعض لوگ فرقۂ معتزلہ کی طرح مردوں کے لئے ایصال ثواب کے قائل نہیں ہیں۔ پھر بھی اہل سنت و جماعت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور کبھی مالی عبادت میں ایصال ثواب کبھی بدنی عبادت میں ایصالِ ثواب کے قائل نہیں ہیں اور اس اجتھاد کے باوجود تقلید اور حنفیت کے دعوی دار بھی ہیں۔

مسئلہ نذر سے متعلق رقمطراز ہیں:

''دراین امر مطاعن طرفین بر بزرگان جانبین مخبر از نادانی و مشعر از امر نفسانی است۔''

(فصل الخطاب: ص:۵۲)

نذر کے مسئلہ میں موافق ومخالف افراد ایک دوسرے کے بزرگوں پر جولعن وطعن کررہے ہیں اس سے دونوں کی نادانی اور نفسانیت ظاہر ہورہی ہے۔

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ آپ کی تحریروں میں سلفِ صالحین اور متقدمین کے ساتھ حسنِ عقیدت، ادب واحترام اور ان کی علمی ودینی اور اصلاحی کوششوں پر اعتماد اور حسن ظن موجود ہے۔ چنانچہ

مکتوبات میں رقمطراز ہیں:

''صحابہ اور دیگر بزرگوں کا علم، عمل، ورع، تقویٰ، دیانت وامانت امت میں معروف ہے۔ ان کے قلوب اور نفوس نفسانیت کی آلائشوں اور نفس کی کدورتوں سے منزہ تھے اور یہ حضرات کرام اس قابل ہیں کہ ان کے ساتھ حسنِ ظن اور ان کے علم وعمل پر حسنِ اعتماد رکھا جائے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ہم لوگوں کو ان ہی بزرگوں سے دین کی دولت حاصل ہوی ہے۔ اگر ان کے بارے میں لعن وطعن کی گنجائش نکل آئے تو پھر شریعت کے اوپر سے اعتماد ہی ختم ہو جائے گا۔ العیاذ باللہ!

صحابۂ کرام اور اہل بیت نبویؐ کی تکفیر وتضلیل اور ان پر لعن وطعن ہی نے روافض اور خوارج کو صراطِ مستقیم سے بہت دور کردیا۔ ھلکو افھلکوا: خود ہلاک ہوئے اوروں کو بھی ہلاک کردیا۔

فقیر افراط اور غلو سے پناہ طلب کرتا ہے اور اولیائے کرام کا انکار اور توہین کرنے والوں سے اور ان کو کافر کہنے والوں سے اور مقلدین کے اجتھادات سے اور بدعتیوں کی بدعات وخرافات سے بزرگانِ دین پر طعن وتشنیع کرنے والوں سے بے زارگی وعلاحدگی اور برأت ظاہر کرتا ہے۔

بندگانِ نفوس شرعی احکام سے لاعلمی کے باوجود بزرگوں پر لعن طعن کررہے ہیں۔ اس لئے فقیر ''فصل الخطاب بین الخطاء الصواب'' تحریر کررہا ہے اور اس کی تالیف سے فقیر کا مقصد بزرگانِ دین پر عائد کردہ الزامات کو دور کرنا ہے۔'' (مکتوباتِ لطیفی: فارسی قلمی مخطوطہ)

چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کی ہر تصنیف میں علمی وفنی گہرائی اور گیرائی ہے جس کے مطالعہ سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا ہے وہ نہایت ہی جامع ہے اور اس میں کئی اہلِ قلم کی نگارشت کا نچوڑ بھی مل جاتا ہے۔

اور پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ یہ کتابیں زندگی سے ہم آہنگ نظر آتی ہیں۔ جن کے مطالعہ سے بآسانی اس عہد کے مسلمانوں کی علمی، دینی اور اخلاقی حالت اور ان کے درمیان پھیلے ہوئے اختلافات، گروہی تعصب، جماعتی حمایت، اختلافی مسائل میں غلو وتشدد، افراط وتفریط جیسی اہم اور نازک چیزوں کا علم ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ کی فارسی تصنیف ''فصل الخطاب سے ایک اقتباس کا صرف ترجمہ پیش ہے۔

''اسلام کے غیر مانوس اور اجنبیت کے اس زمانہ میں بعض مسلمان قلت علم کے باوجود علماء

کے علم میں دخل اندازی کررہے ہیں اور فقہا کے اجتہادات اور ان کے احکام و مسائل پر طعنہ زنی کررہے ہیں اور بہتر۷۲ گمراہ بدعتی فرقوں کے مانند بزرگانِ عالی مقام کو کافر اور گمراہ کہہ رہے ہیں۔ اور مجتہدانِ ذی شان کے خلاف آواز بلند کررہے ہیں۔ اور انتہائی تعصب اور عناد کا مظاہرہ کررہے ہیں۔ ان کے اس طرزِ عمل کی وجہ سے مسلمانوں کے درمیان تفریق پیدا ہو رہی ہے اور دین متین کے اندر بحث و مباحثہ اور جدال و نزاع کا بازار گرم ہو رہا ہے ۔ اور یہ لوگ سنیت کا دعویٰ بھی کررہے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ معتزلہ، شیعہ اور دوسرے بدعتی فرقوں کی طرح اہلِ سنت و جماعت کے اختلافی مسائل میں ان کو کافر قرار دے رہے ہیں اور بے علمی کے باوجود اجتہاد کا دعویٰ کررہے ہیں اور آئمہ مجتہدین کے مسلک کے خلاف کتاب و سنت سے احکام اخذ کرنا شروع کردیا ہے اور اپنے ہی بزرگوں کی توہین و تضلیل کرنے کو اور خانۂ دین متین کے انہدام کو بزرگی اور دین داری تصور کررہے ہیں ۔ اور شریعت کی بنیادیں ہلا دینے میں اور اساطین ملت کو توڑنے میں اپنی فطری صلاحیت کو صرف کررہے ہیں۔ حدیث میں وارد ہے اذکــــروا محاسن موتاکم و کفوا عن مساویھم: گزرے ہوئے لوگوں کی خوبیاں، بیان کرو اور ان کے عیبوں کو ظاہر نہ کرو۔ لیکن ان مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ مرے ہوئے لوگوں کے عیبوں کو بیان کرو اور ان کی خوبیوں کو ظاہر نہ کرو بلکہ اس وقت نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ مرے ہوئے لوگوں کی خوبیوں کو بھی عیبوں کی شکل میں دیکھا جارہا ہے۔ شیعہ اور خوارج کی طرح ہر گروہ دوسرے گروہ کے بزرگوں کی عیب چینی اور طعنہ زنی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کررہا ہے اور نفرت و حقارت کا اظہار کیے بغیر سکوت، کوئی بھی پسند نہیں کررہا ہے اور عوام الناس کی یہی افراط و تفریط اور نفسِ بدانجام کا یہی تعصب مسلمانوں میں اختلاف کا سبب ہوا اور اسی چیز نے ہر جماعت کو دوسری جماعت کی ایذا رسانی اور دشمنی پر آمادہ کردیا ہے۔ اگر ذرا غور بھی کیا جائے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ اس بے سروپا غلو اور بے بنیاد مبالغہ اور بے بنیاد اجتہاد کا اصل سبب صرف اور صرف طلب وجاہت، سوءِ ادب، بددیانتی، ائمہ اربعہ کی ترکِ تقلید اور اپنی اپنی بے اصل رائے اور بے بنیاد فکر کی اشاعت ہے اور بس!'' (فصل الخطاب: ص:۲،۳)

۱) ترجمۂ تحفہ اثنا عشریہ

حضرت قطب ویلور نے عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں کتابیں لکھی ہیں۔ عربی زبان

میں آپ کی تین کتابوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ان میں سے ایک شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی شہرۂ آفاق فارسی تصنیف ''تحفہ اثناء عشریہ'' کا ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ آپ نے قیام حجاز کے زمانہ میں شریفِ مکہ کی درخواست پر کیا ہے۔جس کا ثبوت راقم الحروف کو ایک فارسی قلمی بیاض سے فراہم ہوا۔کسی تذکرہ نگار نے اس عربی ترجمہ کا ذکر نہیں کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قلمی بیاض راقم الحروف سے پیش رو اہل قلم حضرات کی نظر سے نہیں گزری ہے۔افسوس ہے کہ اس ترجمہ کا سراغ ہنوز نہیں لگ سکا۔تا حال یہ کتاب نایاب ہے۔مذکورہ بیاض کی فارسی عبارت کا ترجمہ درج ذیل ہے:

''ترکستان کے سلطان کو مدت دراز سے یہ خواہش تھی کہ اگر کوئی عالم دین مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۴۸ھ کی کتاب ''اثناء عشریہ'' کو فارسی سے عربی میں کرے تو اس کا مطالعہ کیا جائے۔ اس آرزو کی تکمیل کے لئے اس نے شریفِ مکہ کو اطلاع بھجوائی کہ ہندوستان سے کوئی عالم عربی اور فارسی پر عبور رکھنے والا مکہ مکرمہ آجائے تو اس کتاب کا عربی میں ترجمہ کروایئے اور مترجم کو ترجمہ کے ساتھ ہمارے ملک میں بھیج دیجئے۔حضرت قطبِ ویلور جب مکہ مکرمہ پہنچے تو شریفِ مکہ آپ کے قدوم فیض لزوم سے بہت شاداں وفرحاں ہوا۔اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر ''اثناعشریہ'' کو عربی میں ترجمہ کرنے کی گزارش کی۔آپ نے اس کتاب کی افادیت کے پیشِ نظر قبول فرمایا اور چند دنوں کے اندر ترجمہ کردیا۔

سلطان کی خواہش کے مطابق شریفِ مکہ آپ کو روم بھیجنا چاہا۔لیکن آپ نے روم جانا پسند نہیں کیا۔بالآخر آپ کا ترجمہ ہی روم پہنچا دیا گیا۔سلطان روم نے ترجمہ ملاحظہ کیا اور بے پایاں مسرور ہوا۔اور حضرت قطب ویلور کی عدم تشریف آوری پر حد درجہ افسوس ظاہر کیا۔

۲۔صراط المؤمنین

یہ عربی تصنیف بھی ارض حرم پر جلوہ نما ہوی۔جس میں مصنف نے ایمانیات پر روشنی ڈالی ہے۔

حضرت احقر بنگلوری نے اس کتاب کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

پہلے مکہ میں وہ صراط لکھا　　　اس میں مجمل بیاں ہے ایمان کا

اس بیاں کو دلیل عقلی سے　　　ہے مدلل کیا ہے دیکھا سے (مثنوی:ص:۲۵)

۳۔ رسالہ درجوابِ حفظی

شاہ عبدالحی بنگلوری نے ''صراط المؤمنین'' کے علاوہ ایک اور رسالہ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ رسالہ شیخ محمد حفظی استنبول کے سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے۔ اور رسائل کا تعارف ان الفاظ میں کیا ہے۔ '' شیخ محمد حفظی استنبولی حافظ قرآن و حافظ دوازدہ ہزار (۱۲۰۰۰) حدیث و خلیفہ آنجناب (قطب ویلور) یعنی شیخ محمد حفظی استنبولی حضرت قطب ویلور کے خلیفہ ہیں اور آپ قرآن کریم کے حافظ ہیں اور آپ کو بارہ ہزار احادیث یاد ہیں۔

در جواب محمد حفظی !	لکھا مکہ میں یک رسالہ بھی

(مثنوی مطلع النور: ص:۲۵)

شاہ صاحب کے بیان سے رسالہ مذکورہ کی زبان اور اس کے موضوع کا پتہ نہیں چلتا۔ عربی تصنیفات کے ذکر میں مذکورہ رسالہ کے نام سے یہی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اس رسالہ کی زبان بھی عربی ہی ہوسکتی ہے۔ یہ رسالہ بھی نادر و نایاب ہے۔

۴۔ رسالۂ الف مقام

یہ رسالہ فردوسِ حجاز طائف کی حسین یادگار ہے۔ جس میں ایک ہزار صوفیانہ مقامات کی تشریح ہے جو ایک سالک کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اس کا سالِ تصنیف ۱۲۶۱ھ ہے۔ اس کے تعلق سے مولانا احقر بنگلوری رقمطراز ہیں۔

اور طائف میں وہ کیا ارقام	اک رسالہ بذکر الف مقام
کیا تفصیل اس کی با ایجاز	عربی میں ہے وہ نکو انداز (مثنوی مطلع النور: ص:۲۵)

۵۔ فصل الخطاب بین الخطاء والصواب

حضرت قطب ویلور کی زیادہ تر تصانیف فارسی زبان میں ہیں۔ آپ کی یہ فارسی تصنیف فصل الخطاب فل سکیپ کے ڈیڑھ سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور ہر صفحہ میں تیئس (۲۳) سطور ہیں اور آپ کی زندگی میں حاجی سید عبدالقادر قادری ویلور کے مطبع قادری سے ۱۸۸۴ھ میں شائع ہوی ہے۔ کتاب کے آخر میں سنِ تصنیف ۱۲۷۷ھ درج ہے۔

'' کتاب ھذا سے متعلق مصنف علیہ الرحمہ کی وضاحت ملاحظہ کیجئے:

"یہ کتاب خطا کاروں کی افراط وتفریط اور اہل سنت و جماعت کے طریق اعتدال اور روشِ میانہ روی کے باب میں تالیف ہوی ہے تا کہ لوگ حق کی پیروی کریں اور سادہ لوح مسلمان ان خطا کاروں کی ہم نوائی اور پشت پناہی نہ کریں۔ نیز اس کتاب کے ذریعہ خطا کاروں کی اصلاح مقصود ہے۔ نکتہ چینیوں کی عیب چینی اور ان کے نام کا اظہار مقصود نہیں ہے۔"

اس کتاب میں ان شبہات کا حل ہے جو دوسری کتابوں میں ملنا مشکل ہے اور ان شبہات میں سے بعض کا تعلق علمِ باطن سے ہے اور یہ کتاب اہل سنت و جماعت کی مستند کتابوں سے معمور اور خاص طور پر دونوں فریقوں کے بزرگوں کے اسناد و شواہد اور دلائل سے مرتب و مزین ہے تا کہ دونوں جماعتوں میں طعن کرنے والوں کے دلوں پر اثر ہو سکے۔

اس کتاب کا مطالعہ وہی شخص کرے جو غالی اشخاص کے غلو سے واقف ہو اور اہلِ سنت و جماعت کے مذہب سے بھی واقف ہو۔ اور جو شخص ان دونوں (یعنی لوگوں کے غلو اور مذہبِ اہلِ سنت) میں ایک کو جانتا ہو اور دوسرے کو کما حقہ، نہیں جانتا ہو تو یہ کتاب اس کے لئے قابلِ مطالعہ نہیں۔ اور اگر لوگوں کے غلو سے پوری طرح واقف ہو اور اہلِ سنت کے مذہب سے اس قدر واقف نہ ہو تو کوئی حرج نہیں ، یہ کتاب اس کو نفع پہنچائے گی۔ اور اگر اس کے برعکس لوگوں کے غلو سے مطلق واقف نہیں ہے اور اہلِ سنت کے مذہب سے پوری طرح واقف ہے تو یہ کتاب اس کو نفع نہ پہنچائے گی۔ کیوں کہ اس کتاب کے اندر اصل بحث لوگوں کے غلو و تشدد اور ناقص افراد کے افراط اور زیادتی سے متعلق ہے۔ (فصل الخطاب: ص: ۴۴،۴۳)

حضرت قطبِ ویلور نے اس کتاب میں بعض مقامات پر ضعیف روایات سے بھی استدلال کیا ہے۔ جس سے ان کا مقصد، غالی حضرات کی زبان بند کرنا ہے تا کہ ان پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ فلاں فلاں مسئلہ مختلف فیہ ہے اور کسی بھی اختلافی مسئلہ کے اندر ایک ہی جانب کے حق ہونے کا یقین کر لینا اور اسی کو اہمیت اور ترجیح دینا اور اس میں غلو و تشدد سے کام لینا غیر مناسب طریقہ ہے اور اختلافی مسائل میں ایک دوسرے پر طعن اور تشنیع سے پرہیز کرنا چاہئے۔ کیوں کہ دوسرے موقف کے علماء بھی کسی دلیل ہی کے تحت مسئلہ کو اختیار کئے ہوں گے۔ اگر چہ کہ وہ دلیل ضعیف ہی کیوں نہ ہو اور نہ صرف اختلافی مسائل بلکہ سارے کاموں میں توقف و احتیاط پسندیدہ بات ہے اور افراط و تفریط اور زیادتی و کمی تمام جگہوں میں مذموم اور

ناپسندیدہ ہے۔ اور اختلافی مسئلہ میں ایک دوسرے پر طعن وتشنیع کے بجائے ہر ایک کو اس کے موقف پر چھوڑ دینا چاہئے۔ اگر ایک فریق کی دلیل راجح نظر آئے تو دوسرے کو غلط اور گم راہ خیال نہیں کرنا چاہئے۔

ضعیف اور مرجوح روایات نقل کرنے سے یہ گمان نہ کیا جائے کہ فقیر لوگوں کو ضعیف اقوال پر عمل کرنے کی ترغیب دے رہا ہے اور اس کے مسلک کی بنیاد مرجوح روایات پر ہے۔ حاشاہ وکلا!

''مقصود فقیر از نقل اقاویل ضعیفہ وروایات مرجوحہ در بعض مواقع رسالہ سدِ لسانِ غالیان است تا معلوم شود کہ مسئلہ مختلف فیہ است ودر امر مختلف جزم کردن بیک جانب وترجیح آن وتعصب نمودن دران نمی رسد۔ وعیب یک دیگر نباید کرد **فربکم اعلم بمن ھو اھدیٰ سبیلا**۔'' توقف واحتیاط در ہمہ کار محمود واز افراط وتفریط در ہمہ جا مذموم۔'' (فصل الخطاب: ص:۲۴)

حضرت قطب ویلور نے کتاب کے آغاز میں بطور تمہید بیس مقدمات لکھا ہے جس میں انھوں نے درج ذیل موضوعات پر روشنی ڈالی ہے۔

اوّلہ شرعیہ یعنی کتاب وسنت اور اجماع وقیاس مجتہد۔

۲۔ ماہیتِ فقہ۔ ۳۔ اجتہادِ فقہا ۴۔ اجتہاد صوفیاء ۵۔ حضور اکرم کا الہام

۶۔ اولیاء کرام کا الہام ۷۔ نبی اور ولی کے الہام میں فرق اور ان کے شرعی احکام ۸۔ علوم دینیہ کی اقسام ۹۔ ایک مقلد کو یہ حق اور اختیار نہیں ہے کہ وہ قرآن وحدیث سے احکام اور مسائل اخذ کرے۔

۱۰۔ مقلد کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ بعض فقہاء کے مذہب کو بعض فقہاء کے مذہب پر ترجیح دے۔ ۱۱۔ اہل سنت و جماعت کے اختلاف خواہ وہ ظاہر شریعت میں ہوں یا باطن شریعت میں ہوں یہ اختلافات اہلِ اسلام اور اہلِ کتاب یا سنی ورافضی یا سنی وخارجی کے اختلاف کی طرح نہیں ہیں۔ کہ جانبین ایک دوسرے کی تکفیر کریں، بلکہ ان اختلافات میں حق دائر اور شامل ہے۔ لہذا اہل سنت و جماعت کے فقہی اختلافات اور فروعی تنازعات میں کسی کی تکفیر اور تضلیل نہ کریں۔

۱۲۔ نبی کریم ﷺ سے صادر شدہ احکامات میں نہ شبہ کی گنجائش ہے اور نہ خطا کا تصور اور یہ احکام یقین، عمل اور اعتقاد کے لئے مفید ترین ہے۔ اس کے بعد کے دور کے احکام ومسائل اور مجتہدات مفید عمل ہیں، موجب اعتقاد نہیں۔

۱۳۔قرآن مجید کے معانی ومطالب کا بیان۔تفسیر سے ہے یا پھر تاویل سے۔

۱۴۔بدعت کے مفہوم میں اختلاف ہے۔جمہور کے نزدیک بدعت دو حصوں میں تقسیم ہے۔

بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیئہ۔

۱۵۔تصوف کے بعض دقیق مسائل واحکام اور غوامض ودقائق کو عوام سے پوشیدہ رکھنا چاہئے تاکہ وہ ان دقائق واسرار کو نہ سمجھ کر علماء وصوفیاء کی توہین وتنکیر اور تکفیر وتضلیل نہ کرسکے۔

۱۶۔تصوف کے بعض نکات اور معارف سمجھنے کے لئے ماہر تصوف کی ضرورت ہے۔جس کے بغیر یہ متاعِ دقیق حاصل نہیں ہوسکتی۔جب دنیا کا کوئی علم اور فن استاد کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا تو پھر علم تصوف اور علمِ باطن کے بارے میں یہ کیسے سمجھ لیا گیا کہ استاذ کے بغیر یہ علم حاصل کرلیا جاسکتا ہے۔

۱۷۔صوفیاء کے بعض اقوال ظاہراً خلافِ شرع نظر آئیں تو ان کی مراد سمجھے بغیر صوفیاء پر لعن طعن نہ کریں کیوں کہ ان کلمات کے مخصوص محامل اور مفاہیم ہیں اور ان کے لئے تاویل کی گنجائش ہے۔محض ان کے ظاہری معنی کو لیتے ہوئے ان کی تعلیمات کا انکار کرنا اور ان پر لعن طعن کرنا غیر مناسب اقدام ہے۔

۱۸۔صوفیاء کے علوم ومعارف کا انکار کرنے والا اپنی موت کے وقت سوء خاتمہ سے دوچار ہوتا ہے۔لہٰذا ان کی بعض باتیں سمجھ میں نہ آئیں تو انکار کرنے کے بجائے سکوت کو ترجیح دیں۔

مذکورہ مقدمات سے متعلق فرماتے ہیں کہ:

''مقدمات این حین المطالعہ ملحوظ دارند کہ در قلع درن اوہام ودفع خیالات خام کالکبریت احمر می آیند۔''

(فصل الخطاب:ص:۳۰)

اس کتاب کے مطالعہ کے دوران ان مقدمات کو ذہن میں ملحوظ رکھیں کیوں کہ یہ اوہام کی آلودگیوں کو دور کرنے میں اور خیالاتِ خام کو دفع کرنے میں کبریت احمر کی طرح مفید ہیں۔

بیس مقدمات کے بعد حضرت قطب ویلور نے چالیس عنوانات پر روشنی ڈالی ہے اور فقہاء و صوفیاء کی مستند کتابوں سے دلائل کا انبار لگا دیا ہے۔جن کے مطالعہ کے بعد کوئی بھی سنجیدہ اور سلیم الطبع شخص انکار نہیں کرسکتا۔ان میں سے بعض مسائل،اختلافی ہیں اور بعض کے دلائل ضعیف ہیں،جن کے تعلق سے خود مصنف علیہ الرحمہ نے صراحت کردی ہے کہ ان سے صرف غالی حضرات کی زبان بند کرنا ہے اور روش

اعتدال کی تعلیم دینا ہے۔

وہ چالیس عنوانات یہ ہیں:

۱۔اولیہ شرعیہ ۲۔فعل مکلف ۳۔تکالیف شرعیہ ۴۔حکم حج ۵۔طواف غیر کعبہ کا حکم ۶۔اقسامِ ضیافت ۷۔موتیٰ کے لئے دعا اور صدقہ کا حکم ۸۔صدقات کی تخصیص کا حکم ۹۔نذر کا حکم ۱۰۔مشرک کے ذبیحہ کا حکم اور آدمی کے جھوٹے اور کتابی و مشرک کے جھوٹے کا حکم ۱۱۔تمباکو کا حکم ۱۲۔میلا دالنبیؐ پر اظہارِ مسرت کا حکم ۱۳۔تمباکو کا حکم ۱۲۔میلا دالنبیؐ پر اظہارِ مسرت کا حکم ۱۳۔رسول کریمؐ کے موئے مبارک کی زیارت کا مسئلہ ۱۴۔ذکر صالحین کے فوائد ۱۵۔خوبرویاں کے جمال کا تذکرہ ۱۶۔داعیان حق اور دعوت کے مراتب ۱۷۔قبر اور گنبد کی تعمیر کا مسئلہ ۱۸۔ اہل قبلہ کی تکفیر کا مسئلہ ۱۹۔سجدہ تحیت کا حکم ۲۰۔ملاقات و مصاحبت کے آداب ۲۱۔سلام سنت ۲۲۔تصوف ۲۳۔صوفیاء کے ساتھ مولانا شاہ ولی اللہ کے اختلافات ۲۴۔طورِ نبوت اور طورولایت کے خواص اور احکام ۲۵۔منتر فسوں اور اوراد کا حکم ۲۶۔تواضع کی خوبی ۲۷۔عشق ۲۸۔شیخ کے ساتھ قلبی ارتباط اور مراقبہ ۲۹۔علم الغیب ۳۰۔انبیاء اور اولیاء کی علامات ۳۱۔زیارتِ قبور اور زیارت کے لئے سفر کا حکم ۳۲۔مسئلہ تبرک ۳۳۔اقسام ندا ۳۴۔توسل و استمداد ۳۵۔زندہ اور فوت شدہ بزرگوں سے ندا کا مسئلہ ۳۶۔دوگانہ قادریہ ۳۷۔ندا اور دعا کے درمیان فرق ۳۸۔وحدت الوجود ۳۹۔وحدت الوجود اور وحدۃ الشہود اور وجود کے معنے کا اختلاف ۴۰۔تیرہویں صدی ہجری کے علماء سے وحدت الوجود کی سند۔

فصل الخطاب کے آخری صفحہ پر مولوی سید شہاب الدین قادری عرف حسن پاشاہ اور مولوی حاجی محمود حسین علاؔم کے دل چسپ و معنی خیز تاریخی قطعات درج ہیں۔

معنی قول فصل گر پرسی ہست بے شک کتابِ فصل خطاب
می کند فرق درخطا وصواب سزد اور اخطاب فصل خطاب

آن امامِ زمن سراجِ دکن	یعنی عبداللطیف ثانی
دادفیصل چوں زیں کتاب نفیس	درنزاع وجدال نفسانی
جست علاّم سال اتمامش	از جنابِ سروشِ رحمانی
گفت ازغایت عجب بامن	طرفہ فصل خطابِ حقانی

اس کتاب کی تاریخ طباعت ''ان ھذا القول الفصل وماھو بالھزل'' سے بھی نکلتی ہے۔عاجز راقم الحروف کے قلم سے یہ ساری کتاب اردو قالب میں ڈھل چکی ہے اوراس کا ترجمہ منظرِ عام پر آچکا ہے۔

الحمد اللہ علی ذالک.

اس مقام پر فصل الخطاب کے تمام موضوعات پر سیر حاصل بحث کرنا ایک مشکل امر ہے۔ان میں سے ہر عنوان اپنی جگہ ایک مستقل کتاب ہے۔لہذا اتنی بات عرض کرتے ہوئے اس بحث کو مکمل کیا جارہا ہے کہ فصل الخطاب کے بعض موضوعات متفق علیہ ہیں تو بعض مختلف فیہ ہیں اور بعض ایسے مسائل ہیں جن میں صوفیا متفق ہیں تو فقہا مختلف ہیں۔مثلاً توسل واستمداد اور استمداد بالقبور کا مسئلہ ہے اور بعض مسائل ایسے ہیں جن میں مصنف کا عملی تجربہ ہے اور انھوں نے اس کے اثرات محسوس کئے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

''وچون ایں فقیر بارواحِ مشائخ صوفیاء متوجہ شد۔آثران توجہ درخود بچند وجہ یافت''

(فصل الخطاب:۱۲۲:صفحہ)

غرض حضرت قطب ویلور کی یہ وہ عظیم اور مفید کتاب ہے جس کے مطالعہ کی آج بھی سخت ضرورت ہے۔تیرھویں صدی ہجری کا وہ پُرفتن اختلافی ونزاعی دور جس سے متاثر ہوکر حضرت قطب ویلور نے یہ کتاب لکھی تھی۔آج پھر وہ دور لوٹ چکا ہے۔اس عہد کا پس منظر، پیش منظر میں تبدیل ہو چکا ہے اور مسلمان پھر سے اختلافی امور ومسائل اور فروعی معاملات واحکام میں الجھ کر اعتدال کی راہ کھو بیٹھے ہیں۔ایسے حالات میں یہ آفاقی کتاب مینارۂ نُور کی حیثیت رکھتی ہے۔

٦۔ جواھر الحقائق

یہ کتاب علمی حقائق ودقائق اور صوفیانہ اسرار وغوامض سے بھرپور ہے۔مصنف نے تسوید سے

فراغت کی تاریخ ۱۱، رجب، ۱۲۷۳ھ لکھی ہے۔ یہ کتاب فل سکیب سائز کے ۱۸۱ صفحات پر پھیلی ہوی ہے اور ہر صفحہ پر اکیس سطور ہیں اور ۱۲۷۴ھ میں مطبع مظہر العجائب، مدراس سے شائع ہوی ہے۔ حضرت مولانا شاہ محمد ولی اللہ قادری دھاروواڑی علیہ الرحمہ نے اس کتاب کے بعض مباحث کا اردو میں خلاصہ لکھا ہے اور ''جواہر العرفان'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

حضرت قطب ویلور نے اس کتاب میں علمِ تصوف، تصوف کا موضوع اور اس کی غرض و غائت، مسائل ومبادیات، وجود اور اس کے مراتب و اقسام، تنزلات ستہ، وحدۃ الوجود اور وحدت الشہود، عالمِ ارواح، عالم مثال، عالمِ اجسام، عقلِ کل، نفسِ کُل، طبیعتِ کُل، جوہر ہبا، جسم کُل، شکل کُل، عرش، کرسی، فلک اطلس، فلک منازل، سبع سموات، کرۂ اثیر، کرۂ ہوا، کرۂ آب، کرۂ ارض، جمادات، نباتات، حیوانات، جن، مَلک، انسان، انسان کامل، حقیقتِ دنیا اور حقیقتِ آخرت پر فاضلانہ و عالمانہ اور محققانہ بحث کی ہے۔

آپ نے جن موضوعات کو زیرِ بحث لایا ہے ان میں اکثر و بیشتر ایسے ہیں جن کا تعلق طبقۂ خواص اور علماء سے ہے۔ اور یہ کتاب ان ہی افراد اور اشخاص کے لئے مفید ہے جو صاحبِ علم ہوں اور فن تصوف سے واقفیت رکھتے ہوں۔ ایک جگہ رقمطراز ہیں۔

''ہر کہ از عقائد اہلِ سنت والجماعت وروِیۂ سلف صالحین وآئمہ ملت و اصطلاحاتِ صوفیاء و حالاتِ ایں طبقہ علیہ آگہی ندارد از انتفاع ایں رسالہ حرمان بلکہ نقصان وخسران نقد وے بود۔''

(جواہر الحقائق: ص: ۳)

جو آدمی اہلِ سنت و جماعت کے عقائد، سلف الصالحین اور ائمہ کرام کے طور وطریق اور ان کے علم وعمل سے واقفیت نہ رکھتا ہو اور حضرات صوفیاء کے حالات اور علمِ تصوف کی اصطلاحات سے ناآشنا ہو تو یہ کتاب اس کے لئے سودمند نہیں ہوگی بلکہ نقصان دہ ہے۔

حضرت قطب ویلور نے کتاب کے آخر میں تیرہ جدول پر مشتمل ایک مفید اور پر از معلومات ضمیمہ لکھا ہے جو ایک مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس میں انھوں نے زمین کے کئے نقشے دئے ہیں اور لکھا ہے کہ کس علاقہ میں کون حکام ہیں اور ان میں مسلمان کون ہیں اور غیر مسلم کون ہیں۔ گیارہویں جدول میں ہمارے ملک ہندوستان کے ان علاقوں کا ذکر کیا ہے جن پر انگریزوں نے دوسو سال میں قبضہ کیا

ہے۔حضرت قطب ویلور کے زمانہ میں ہندوستان پر انگریزوں کا اقتدار قائم تھا۔آپ نے انگریزوں کے حالات وعادات کا قریب سے مشاہدہ کیا ہے اور ذاتی طور پر بھی آپ کو اس قوم سے سابقہ پیش آیا اور آپ انگریزی اقتدار کے مخالف سمجھے گئے، برٹش کے قیدی قرار پائے۔برٹش عدالت میں حاضری دی اور انگریز عدلیہ کی کارروائی کو قریب سے دیکھا جس کی وجہ سے آپ کو انگریزوں سے متعلق کئی ایک معلومات حاصل ہوئیں۔اور اس جدول میں انگریزوں کی سربلندی وترقی اور دانش مندی وعالی ہمتی کو بیان کرتے ہوئے ہم ہندوستانیوں کی غیر دانش مندی اور پس ہمتی کا تذکرہ دل سوزی کے ساتھ کیا ہے۔

''درایں جا ترقی و دانش وعلو ہمت واخلاق مردم انگلش باوجود قلت قوم ومسافرت ومغائرت زبان وملت در تسخیر بلدان دیدنی است وانحطاط وغفلت ودون ہمتی و نا اتفاقی مردم ہند، باوجود کثرت و توطن واتحادِ زبان وملت تماشا کردنی، احکم الحاکمین می فرماید:**تؤتی الملک من تشآء و تعز من تشآء و تذل من تشآء** (ضمیمہ جواہر الحقائق:ص:۱۱)

ہمارے ملک ہندوستان میں انگریزوں کی ترقی، دانش مندی، حوصلہ مندی اور اتحاد و اتفاق ہمارے لئے درسِ عبرت ہے۔یہاں کی زبان سے لاعلمی اور یہاں کے باشندوں سے اجنبیت اور اپنے افراد کی قلت اور مسافرت کے باوجود انگریزوں میں ملکوں کی تسخیر کا جذبہ اور شوق دیکھنے کی چیز ہے۔اور افراد کی کثرت، زبان وملت کے اتحاد اور اپنے ہی وطن میں رہنے کے باوجود ہم ہندوستانیوں کی پستی و غفلت، زوال وانحطاط اور بزدلی ونا اتفاقی ایک تماشا ہے۔

کتاب کے آخری صفحات میں مولوی عبدالحی بنگلوری، مولوی مرزا عبدالقادر صوفی اور مولوی محمود حسین علاؔم کے تاریخی قطعات درج ہیں۔جن کے مطالعہ سے مصنف علیہ الرحمہ کی شخصیت اور جواہر الحقائق کی خوبیوں پر روشنی پڑتی ہے۔

حضرت احقؔر فرماتے ہیں:

چو سید محی الدین قطب زمانہ — بہارِ روضۂ فیض خلائق
کتابے در حقائق کرد تصنیف — گل گلزار اسرار دقائق!
با حقؔر سال ختمش بلبلِ دل — چہ خوش گفتا گل باغ حقائق

حضرت عبدالقادر صوفی فرماتے ہیں:

امام الوری القطب الھمام المحقق — وشیخ الشیوخ العارف قدوۃ العصر

جواھر اسرار الحقائق صنفا — فصیح بلغۃ الفرس خال عن الھذر

(ضمیمہ جواہر الحقائق:ص:۱۱)

کتاب علی کل العلوم قد احتوی — بسیط وسیط ثم فی الحجم مختصر

تفحصت عن تاریخ تکمیل طبعہ — سمعت کذا من ھاتف صاحب الخیر

بلا مین ذاک لب علم الحقائق — فطوبیٰ لما صادفتہ غیر منکر

۱۲۷۴ھ

مولوی محمود علام فرماتے ہیں:

مرشدم محی دین والملت — یعنی عبداللطیف بے ہمتا

کرد تصنیف از اعانتِ حق — درحقائق جواہر زیبا

خادمِ خادمان او علام — گفت سالش لالی غرا

۷۔ جواہر السلوک

حضرت قطب ویلور کی یہ آخری تصنیف ہے اور یہ چالیس فوائد وابواب اور چند ضمیموں پر پھیلی ہوی ہے۔ ضمیمہ میں سلوک کے ہزار مقامات کو مختصر کر کے ایک سو مقام کی تشریح جدولوں کے ذریعہ کی گئی ہے۔ مقاماتِ سلوک اور صوفیانہ کوائف کی یہ جامع تشریح خود اپنی جگہ ایک مستقل تصنیف ہے۔ کتاب کے آخر میں ایک اور ضمیمہ بھی ہے جو حضرت مولانا سید شاہ محمد قادری کا لکھا ہوا ہے۔ جس میں ضمیمہ نگار نے حضرت قطب ویلور کے پدری و مادری سلسلوں کو بیان کیا ہے آپ کے بزرگوں کا مختصر تعارف اوران کی علمی و دینی اور تصنیفی خدمات کو بیان کیا ہے۔

یہ کتاب فل سکیپ سائز کے ۲۴۳ صفحات پر مشتمل ہے اور ہر صفحہ میں ۲۳ سطر موجود ہیں۔ اور مصنف علیہ الرحمہ کی حیات میں ۱۲۸۱ھ میں مدراس کے مطبع مظہر العجائب سے شائع ہوی ہے۔ اس کتاب کی تالیف کے محرک نواب امیر الدولہ بہادر ہیں۔ جن کے اشتیاقِ حصول کا علم کا ذکر کرتے ہوئے ان کے

حق میں دعا کی ہے اور سالِ تالیف بھی بیان کیا ہے۔(جواہر السلوک:ص:۳)

سال رقم رسالہ ظاہر گردیدہ باسمِ پاک غافر

غافر کے لفظ سے تاریخ تالیف ۱۲۸۱ھ نکلتی ہے اس وقت آپ کی عمر چورے بہتر (۷۴) سال تھی کتاب کے دیباچہ میں فرماتے ہیں:

''ایں جواہر یست چند در سلوک معنوی کہ در سلک حروف وکلمات منسلک گردید وفوائد یست بلند در سیر وسفر انسانی کہ از ممکن غیب بجلوہ گاہے شہادت رسید۔ایں رسالہ ہچو کشکول در یوزہ گراں، لبریز نوالہ ہائے گونا گوں است۔و مانند مرقع درویشاں بہیت اجتماعیہ قطعاتِ بوقلمون۔''(جواہر السلوک:ص:۳)

سلوک معنوی کی یہ چند موتیاں ہیں جو حروف اور کلمات کی لڑی میں پروئی گئی ہیں اور سیر وسفر انسانی کے وہ بلند فوائد ہیں جو پردۂ غیب سے جلوہ گاہ شہادت میں لائے گئے ہیں۔یہ کتاب دریوزہ گروں کے کشکول کی طرح مختلف نوالوں سے بھر پور ہے۔اور درویشوں کی گدڑی کی طرح گونا گوں قطعات کا مجموعہ ہے۔

جواہر السلوک درج ذیل موضوعات کا احاطہ کئے ہوئے ہے:

۱۔انسانی طبقات کے مراتب ۲۔معرفت نفس ہی معرفت حق کی کنجی ہے ۳۔انواعِ سفر ۴۔راہِ حق کے مسافر دو ہیں۔ایک حکماء وعلماء اور دوسرے عرفاء واولیاء ۵۔سفر الحق اور سفر العبد ۶۔قوسِ نزولی اور قوسِ عروجی وجود ۷۔قوس عروجی ونزولی سفر العبد ۸۔طورِ ولایت اور طورِ نبوت کے خواص اور احکام ۹۔حُبِّ عشقی (راہ ولایت) اور حبِ ایمانی (راہ نبوت) ۱۰۔ دائرۃ الوجود کے اسفارِ اربعہ ۱۱۔سلوک سفر اول اور طریقِ اکتساب ولایت ۱۲۔مرتبہ نفس، مرتبۂ قلب اور مرتبۂ روح ۱۳۔ترقیاتِ سالک ۱۴۔انسان اور قرب نوافل وقرب فرائض کا بیان ۱۵۔توحیدِ وجودی کی تصویر اور سالکوں کے شبہات کا ازالہ ۱۶۔تجلّیاتِ حق چار قسم پر ہیں۔ ۱۷۔فوائد عجیبہ پر مشتمل توحید کی قسمیں ۱۸۔انواعِ تجلی افعال ۔۱۹۔انواعِ تجلی اسماء ۲۰۔انواعِ تجلّیاتِ صفات ۲۱۔تجلّی ذات

۲۲۔جہتِ معیت اور جہتِ سلسلۂ ترتیب ۲۳۔اربابِ صلاح وسلوک چار ہیں۔

۲۴۔راہِ جذب اور راہِ سلوک ۲۵۔جذبہ اور سلوک وغیرہ ۲۶۔ولایت اولیاء

۲۷۔ اقسام ولایت اور دیگر فوائد معیت، تجدّد، وحدۃ الوجود کے ضروری امور ۳۰۔ آدابِ ذکر ہنگام مشغولی، اس کے قبل اور اس کے بعد ۳۱۔ تبتل و انقطاع ۳۲۔ فوائد متعلقہ کے ساتھ سلوک کے طریق کا بیان۔ ۳۳۔ سلوک، مقام عشرہ ۳۴۔ سلوک، دائرۃ الوجود ۳۵۔ نصیحت سالک ۳۶۔ اوقات کو اذکار اور صلوٰۃ وغیرہ سے معمور رکھنا۔ ۳۷۔ صلوٰۃ وصوم۔ صدقہ اور تلاوت وغیرہ۔ ۳۸۔ کیفیاتِ ذکر وغیرہ ۳۹۔ مراقبہ ۴۰۔ معارضاتِ راہ سلوک اور اس کے معالجات

مذکورہ مسائل پر یہاں تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں ہے۔ صرف ایک دو فائدے کے جائزہ اور مطالعہ پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔ جن کی موجودہ زمانہ میں سخت ضرورت ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ سلوک کی دنیا علم شریعت ہی سے آباد رہے گی۔ علم شریعت کے حصول اور شرعی احکام کی پابندی کے بغیر سلوک صحیح اور درست نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مرشد کا عالمِ دین ہونا شرط اولین ہے۔ کیوں کہ اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے مریدوں کو خیر و نیکی کا حکم دے اور شر و بدی سے بچنے کی تاکید کرے۔ ظاہر ہے کہ یہ فرض اسی وقت پورا ہوسکتا ہے جب کہ پیرِ مغاں، صاحبِ علم و عمل ہو۔ اسی لئے حضرت قطب ویلور نے ۳۲ ویں فائدہ اور ۳۴ ویں فائدہ میں یہ وضاحت فرمائی ہے کہ سالک کے لئے کن چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔

''مترجم کہتا ہے: سبحان اللہ! معاملہ بالعکس ہوگیا ہے۔ فقرائے جہال کو اس وقت یہ خبط سمایا ہے کہ پیری مریدی میں علم کا ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ علم درویش کے لئے مضر ہے اس واسطے کہ شریعت کچھ اور ہے اور طریقت کچھ اور ہے۔ حالاں کہ قدیم صوفیہ کی کتابوں مثلاً قوت القلوب، عوارف، احیاء العلوم'' کیمیائے سعادت، فتوح الغیب۔ اور 'غنیۃ الطالبین' میں صاف مصرّح ہے کہ علم شریعت شرط ہے طریقت اور تصوف کی۔ یہ بھی جہالت کی شامت ہے کہ جن مرشدوں کا نام صبح و شام مثلِ قرآن اور درود کے ذکر کیا کرتے ہیں، ان کے کلام سے بھی غافل ہیں کہ وہ کیا فرما گئے ہیں۔''

(جواہر السلوک: ص: ۱۲۱۔ مترجم سے مراد مولوی خورم علی بلہوری کی ذات گرامی ہے جنھوں نے ''القول الجمیل'' مصنف شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی کا اردو ترجمہ ''شفاء العلیل'' کے نام سے کیا ہے۔)

مشائخ کا متفقہ قول ہے کہ کوئی بھی شخص لوگوں کے سامنے وعظ نہ کرے مگر وہی جس نے حدیث کی کتابت کی ہو اور قرآن کریم پڑھا ہو۔ ہاں! اگر وہ علماء وصوفیا اور بزرگوں کی صحبت میں ایک طویل زمانہ گزار چکا ہو اور ان سے ادب حاصل کیا ہو اور وہ حلال و حرام جانچا ہو اور کتاب وسنت پر عمل پیرا ہو۔ ایسی صورت میں بہت ممکن ہے کہ اس کے لئے اتنی تربیت کافی ہو جائے۔'' (جواہر السلوک: ص:۱۶۲)۔

حدیث کی کتابت اور قرآن کے پڑھنے سے مراد موجودہ زمانہ میں رائج قرآن کا مفہوم سمجھے بغیر پڑھنا اور کچھ احادیث درسائل سے نوٹ کر لینا نہیں ہے۔ بلکہ قرآن وحدیث کی فہم اور ان میں درک رکھنا ہے۔ (راقم)

''پہلی چیز جو سالک کے لئے ضروری ہے وہ حضرات صحابہ و تابعین اور سلفِ صالحین کے طریقہ پر عقائد کی تصحیح ہے۔ ارکانِ اسلام کا ادا کرنا۔ اور کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرنا اور مظالم سے روکنا ہے اور وہ تمام احکام کو بجالانا ہے جن کا شریعت مطہرہ نے حکم دیا ہے۔ کیوں کہ یہی سارے اعمال کی اصل اور جڑ ہے۔ اس کے بغیر سلوک صحیح نہیں ہو سکتا۔'' (جواہر السلوک: ص:۲۳۶)

جواہر السلوک میں حضرت قطب ویلور نے کئی ایک صوفیائے کبار کی تصنیفات سے موضوع کی مناسبت سے اقتباسات نقل فرما کر صوفیا کی تعلیمات اور ارشادات کا بہترین جامع خلاصہ پیش کر دیا ہے۔ جو ہمیں دیگر کتابوں سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اس کتاب پر ایک صدی سے زائد عرصہ گزر چکا لیکن ہنوز تصوف کے موضوع پر اس جیسی علمی و تحقیقی اور مستند و معیاری کتاب کسی صاحبِ عرفان کے قلم سے نہیں نکلی۔

مولوی مرزا عبدالقادر علی کے درجِ ذیل شعر سے جواہر السلوک کی تاریخِ تصنیف نکلتی ہے۔

صراط موصل ھذا الی اللہ   بہ عام اختتامہ قد تنال

۸۔ غایۃ التحقیق

حضرت قطب ویلور کی عالمانہ وعارفانہ تصنیف جواھر الحقائق کے مباحث عوام کی عقل وفہم سے بالاتر تھے لیکن اہل علم میں بھی، جو علم تصوف سے نا آشنا تھے ان کے لئے بھی ذہنی خلجان کا باعث بن گئے اور سارے علاقۂ مدراس میں علماء کے درمیان تائید و توثیق اور تردید و تشکیک کی فضا پیدا ہو گئی تو پیارم پیٹ کے ایک بزرگ مولانا ٹیپو حسین صاحب نے اپنی جانب سے چند اشکالات اور استفسارات کو حضرت قطبِ ویلور کی خدمت میں پیش کئے۔ حضرت قطب ویلور نے بھی ضرورت محسوس کی کہ اس سلسلہ میں ایک تحریر

شائع کی جائے جو سارے شکوک وشبہات اور سوالات واعتراضات کو ختم کر سکے۔ چنانچہ آپ نے "غایۃ التحقیق" کے نام سے ایک فتویٰ لکھا جو ۱۲۸۰ھ میں سید جمال الدین کی نگرانی میں مدراس کے مظہر العجائب پریس سے شائع ہوا۔ اور اس وقت کے مستند، جلیل القدر علماء اور اہلِ علم صوفیاء نے فتویٰ کی صحت اور صواب سے متعلق اپنی رائے پیش کی اور ان کے تمام بیانات اور تصدیقات دستخط اور مہر کے ساتھ غایۃ التحقیق کے اواخر میں شائع ہوی ہیں۔ جن میں حضرت مولانا شاہ عبدالوہاب قادری بانی مدرسۂ باقیات صالحات ویلور اور مولانا حضرت سید عبدالقادر حنیف الدین فخر الصفوی، حضرت مولانا محمد شہاب الدین کی تصدیقات بھی ہیں۔

جواب ھذا بلاشک وارتیاب صحیح ہے۔ (مولانا عبدالوہاب قادری)

اس فتویٰ میں درج کئے ہوئے سوالات کے جوابات صحیح اور درست ہیں اور اہل سنت و جماعت اور تمام صوفیاء کے مسلکِ حق کے موافق اور مطابق ہیں۔ (مولانا سید عبدالقادر علوی)

اس محقق (حضرت قطب ویلور) کا جواب صوفیاء اور اہلِ سنت و جماعت کے مسلک کے مطابق ہے اور وہ مذاہب باطلہ کے عقائد کی تردید کرنے والا ہے۔ (مولانا شہاب الدین)

حضرت قطب ویلور کے عہد میں جس طرح فقہی اختلافی مسائل اور فروعی مسائل اور احکام کے اندر افراط وتفریط، تشدد وتعصب اور غلو کی فضا پیدا ہوگئی تھی اور ان مسائل کو نصوص کا درجہ دیتے ہوئے باہمی تکفیر و تضلیل کا بازار گرم رکھا گیا تھا اسی طرح آپ کے عہد میں تصوف کے اندر بھی افراط وتفریط، تشدد و تعصب اور غلو کی فضا پیدا ہوگئی اور غالی ومتشدد صوفیا اور صوفی نما افراد نے بھی تضلیل و تکفیر کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ حضرت قطب ویلور نے فقہ کی طرح تصوف میں بھی اعتدال وتوازن اور توسط ومیانہ روی پیدا کی اور صوفیاء کے دو عظیم گروہ وجودیہ اور شہودیہ کے درمیان ارتباطِ قلبی، وسعت ذہنی اور فکری ہم آہنگی پیدا کی۔ اور نظریۂ وجودہ اور شہودریہ کے درمیان تطبیق دی۔ چنانچہ غایت التحقیق کے اندر بارھویں سوال کے جواب میں صوفیاء کی کتابوں سے درج ذیل موقف پیش کیا۔

"تیسری اور پانچویں صدی ہجری کے سلف صالحین کے بعد توحیدِ وجودی اور شہودی کے مسئلہ میں صوفیاء دو طبقوں میں بٹ گئے۔ ہم لوگ وجودی اور شہودی کے اختلافات کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ طرفین میں سے کسی ایک جانب کی صحت و درستگی کا یقین نہیں کر سکتے لہذا ہمارے لئے یہی ایک راہ ہے کہ

جس طرح مذاہب اربعہ میں حق کو دائر اور شامل سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مذہب حنفیہ صواب پر مبنی ہے اور خطا کا احتمال ہے۔ اور مذہب شافعیہ اور دیگر مذاہب خطا ہیں اور صواب کا احتمال ہے۔ اسی طرح دونوں مذاہب (وجودی اور شہودی) میں کسی ایک مذہب کی دلیل راجح معلوم ہو تو دوسرے مذہب کو غلط خیال نہیں کرنا چاہئے کیوں کہ دوسرے مذہب کو غلط سمجھنے سے برگزیدہ علماء و مشائخ کی کثیر جماعت کا گم راہ ہونا لازم آئے گا۔

ہاں! اگر کسی ایک مذہب کی تقلید میں غلو کرے اور فرقِ مراتب کو نظر انداز کرے اور جادۂ اعتدال سے قدم باہر نہ رکھے اور عابد کو معبود، حادث کو قدیم، ملوث کو منزہ، حرام کو حلال اور نجس کو طاہر قرار دے تو یقیناً ایسے اشخاص ملحد اور زندیق قرار پائیں گے۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ توحیدِ وجودی اور توحیدِ شہودی کے فرق کی وجہ سے جو اختلاف امت میں پیدا ہوا وہ سُنی و رافضی یا سنی و خارجی کے اختلاف کے مانند نہیں ہے کہ فریقین ایک دوسرے کو گم راہ اور کافر قرار دیں۔ بلکہ شہودی اور وجودی کا اختلاف مذاہبِ اربعہ کے اختلاف کی طرح ہے۔

ہاں! اگر کوئی وجودی شخص جادۂ اعتدال سے قدم باہر رکھتے ہوئے الحاد و زندیقیت پھیلائے تو یقیناً وہ شخص گم راہ اور گم راہ کن ہے اور اسی طرح کوئی شہودی شخص اعتدال کی روش ترک کرتے ہوئے علماء و صوفیا کو گم راہ اور کافر کہنے لگے تو وہ بھی یقیناً مطعون اور قابل سرزنش ہے۔"

غایۃ التحقیق میں حضرت قطب ویلور نے درجِ ذیل سوالات کے جوابات دئے ہیں:

- وحدت الوجود قرآن و حدیث کے مطابق اور اہلِ سنت و جماعت کے عقیدہ کے موافق ہے یا نہیں؟
- علمائے متکلمین کے انکارِ مسئلہ وحدت الوجود کے اسباب کیا ہیں؟
- وحدۃ الوجود دلائلِ شرعیہ سے ثابت ہونے کی صورت میں اس کا انکار کرنے والے شخص کو کافر یا فاسق قرار دینا ضروری ہے یا نہیں؟
- وحدۃ الوجود کشف و الہام سے ثابت ہونے کی صورت میں دوسروں کے لئے حجت ہے یا نہیں؟
- صاحبِ کشف کو اپنا الہام قرآن و حدیث پر پیش کرنا ضروری ہے یا نہیں؟
- کیا تصوف کے دقیق و غامض مسائل کو عوام سے پوشیدہ رکھنا ضروری ہے؟
- کیا مسائلِ تصوف سمجھنے کے لئے کسی ذی علم شیخ کامل سے وابستگی ضروری ہے؟

- کیا صوفیاء کے مسائل ظاہر شریعت کے خلاف ہیں؟
- صوفیائے متقدمین میں سے کون کون وحدت الوجود کے قائل ہیں؟
- وجودیہ اور شہودیہ کے اختلافات کی نوعیت کیا ہے؟ اور ان میں تطبیق کی صورت کیا ہے؟
- **نحن اقرب الیه من حبل الورید** (آیت) اور **ان الله علی کل شئی محیط** (آیت) اور **خلق الانسان علی صورته** (حدیث) وغیرہ اور کتب اعتقادی کی تاویلات جو صوفیاء کے نزدیک ثابت ہیں۔ کیا یہ صحیح ہیں؟ اور **انا من نور الله و کل شئی من نوری** اور **انا عرب بلامیم و انا احمد بلامیم** کیا یہ صحیح احادیث ہیں؟

حضرت قطب ویلور نے غایۃ التحقیق کو درجِ ذیل عبارت پر ختم کیا ہے۔ اس اندازِ بیان سے بھی آپ نے ایک فتنہ کو رفع کرنے کی سعی و کوشش کی ہے۔

''چوں ایں مختصر گنجائش اقاویل دیگر ندارد و بیشتر مردم طاعن با صاحب صراط مستقیم کمال اعتقاد دارند و از کن مکن او بیرون نمی روند لہذا قول او را خاتم اقوال متاخرین این قرن کردانیدہ آمد **والله هو الهادی الی صراط مستقیم**۔''

حاصلِ کلام! اس مختصر رسالہ میں مزید اقوال نقل کرنے کی گنجائش نہیں ہے اور زیادہ تر طعن و تشنیع کرنے والے لوگ صاحبِ صراطِ مستقیم (مولانا شاہ اسمعیل دہلوی) کے ساتھ مکمل اعتقاد رکھتے ہیں اور ان کی بات کو بے چون و چرا تسلیم کرتے ہیں۔ اس لئے ان کا قول اس صدی کے علماء کے اقوال کے آخر میں نقل کیا جا رہا ہے۔

رسالۂ غایۃ التحقیق راقم الحروف کے ترجمہ کے ساتھ سالنامہ ''اللطیف'' میں قسط وار شائع ہو چکا ہے۔ **فلیراجعها**۔ (سالنامہ اللطیف: سن ۱۹۸۲ء: ۸۳ء: ۸۴ء: ۸۵ء: ۸۶ء: ۸۷ء)

۹۔ مکتوباتِ لطیفی

حضرت قطب ویلور نے اپنے مریدین، معتقدین، متوسلین، سائلین اور تلامذہ و خلفاء کے نام وقتاً فوقتاً جو مکاتیب اور فتاویٰ روانہ کیا تھا ان کو آپ کے ہمشیر زادے اور داماد حضرت مولانا مولوی سید محمد قادری علیہ الرحمہ نے جمع کیا ہے اور آپ کے اسم مبارک عبداللطیف کی مناسبت سے اس مجموعہ کا نام

''مکتوباتِ لطیفی'' رکھا ہے جیسا کہ صاحبِ تدوین رقمطراز ہیں:

هـذه مـكـتـوبـات لـطـيـفة مشتـمـلة عـلـى الفوائد و محتوية فى الغرائب والفرائدالذى حررها استاذى و مرشدی ایں اضعف بندگان صمد سید محمد عفی اللہ خوفاً للانتشار و نفعاً للعام درصدد جمعتیش افتاد و بمناسبت اسم شریف آن حضرت معزالیہ مکتوبات لطیفی تسمیہ اش نهادتا ناظرین از وبهره ورگردند این فقیر راز دعائے خیر محروم نگردنند۔''

مکتوبات وفتاوٰی کا یہ ضخیم دفتر تقریباً پانچ سوصفحات پر مشتمل ہے اور یہ ایک مستقل تحقیق طلب مخطوطہ ہے۔اوراس کا صرف ایک ہی نسخہ ہے۔جو کتب خانہ دارالعلوم لطیفیہ میں محفوظ ہے۔ راقم الحروف کے قلم سے اس کا ترجمہ سالنامۂ اللطیف میں تقریباً بیس سال سے شائع ہورہا ہے۔ بحمد اللہ! یہ ضخیم دفتر قریب الختم ہے۔مکتوبات میں بیان کردہ مسائل ومباحث کے تفصیلی مطالعہ اور تبصرہ وتجزیہ کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔البتہ چند اہم موضوعات کی نشان دہی کرنے سے اس مجموعۂ مکاتیب وفتاوٰی کی علمی عظمت و اہمیت آشکار ہوجائے گی۔

• وصیت اور ہبہ اوران دونوں کے درمیان فرق۔۲زکوٰۃ اورنفقہ میں فرق۔۳۔ ہندوستان دارالحرب ہے یانہیں۔۴۔دارالحرب میں مسلمانوں کی سکونت کا مسئلہ۔۸۔دارالحرب میں سودخوری۔۶۔ کسی مسلمان کو کافر کہنے کا مسئلہ ۹۔ایک ہی امام کی تقلید ۱۰۔حنفی یا شافعی شخص اپنے امام کے بجائے دوسرے امام کی پیروی کن صورتوں میں کرسکتا ہے۔ ۱۱۔ میلادالنبی ﷺ پر اظہار مسرت کا مسئلہ۔ ۱۲۔بیعت اوراسکی اقسام۱۳۔طب وحکمت۱۴۔بدعات محرم الحرام ۔۱۵۔صدقات ۱۶۔ارواحِ مشائخ سے اکتسابِ فیض ۱۷۔صوفیاء کی اجازت اوراس میں تاثیر وفیضان ۱۸۔مسبعات عشر ۱۹۔طریقت میں ارتداد ۲۰۔مسئلہ وحدۃ الوجود وحدۃ الشہود ۲۱۔قبر پر چراغ افروزی یہود کا عمل ۲۲۔روح انسانی

اس رنگارنگ گلدستہ کے بعض مکتوبات میں ادبیانہ رنگ نمایاں ہے اور بعض پند ونصیحت اور حکمت وموعظت سے لبریز ہیں اور بعض میں فاضل مکتوب نگار کے احوال اوران کے خانوادے کے حالات درج ہیں۔

مکتوبات لطیفی میں فارسی ، اردو اور چند خطوط عربی میں ہیں۔اردو زبان میں تحریر کردہ ایک مکتوب جوفتوٰی کی شکل میں ہے یہاں نقل کیا جارہا ہے۔یہ مکتوب آپ نے جناب بڑے میاں صاحب

خطیب شہر رانی بنور، ضلع دھارواڑ کے نام ارسال فرمایا ہے۔

''تمہارا التفات نامہ ۲۱، ذی الحجہ ۱۲۸۲ھ کا رجسٹری پونچا۔ اور اس میں دینی مسائل کا استفسار رہنے سے دل بہت مسرور رہوا۔ معلوم ہوا کہ شریعتِ مطہرہ تمہارے دل میں قرار پکڑی ہے:

تمہیں پوچھے تھے کہ کسی نے یا اللہ، یا رسول اللہ میرے تئیں بیٹا یا بیٹی دیو کہے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب اس کا یہ ہے کہ ایسا کہنا جائز نہیں اور کہنے ہارا مشرک ہے۔ اس لئے کہ پیدا کرنا اور بیٹا بیٹی دینا بالخصوص خدا کا کام ہے: قال اللہ تعالیٰ افمن یخلق کمن لا یخلق افلا تذکرون۔ یعنی بھلا جو پیدا کرے، یعنی حق تعالیٰ، برابر ہوگا اس کے جو کچھ پیدا نہ کرے کیا تم سوچ نہیں کرتے۔ اور پیغمبراں اپنے کو اولاد پیدا نہیں کر سکتے ہیں، دوسرے کو اولاد کیسا دیتے! آپ ہی پیدا کر سکتے ہیں تو خدا سے اولاد کی (کیوں) مانگتے، جیسا کہ زکریا پیغمبر خدا سے فرزند مانگتے ہیں. فهب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب واجعله رب رضیا .

تمہیں پوچھے تھے کسی نے یا اللہ، یا رسول اللہ میرے تئیں روزی دیوے، کر کر کہے، ایسا کہنا جائز ہے یا نہیں اور کہنے والا مشرک ہے یا نہیں؟

جواب اس کا یہ ہے کہ ایسا کہنا بھی جائز نہیں اور کہنے والا مشرک ہے۔ بشرطیکہ سرور عالم کو حقیقی روزی رساں اور مسبب جانے اور خدا کے ساتھ روزی رسانی میں شریک کرے۔ اگر سرور عالم کو وسیلہ گردانے اور سبب روزی جانے تو یہ بات دوسری ہے۔

حضرت قطب ویلور کے اردو مکتوبات تعداد کے لحاظ سے تو بہت کم ہیں لیکن ان کی علمی و مذہبی اور اصلاحی و افادی حیثیت و اہمیت آج بھی اپنی جگہ پر پوری طرح برقرار ہے۔ چناں چہ سوداگر خدا بخش صاحب ساکن سرونچہ ضلع اپر گوداوری کے نام تحریر کردہ مکتوب سے جہاں مختلف و متعدد احکام و مسائل کی گرہ کشائی ہوتی ہے وہاں ایک ایسے اہم اور ضروری مسئلہ پر بھی روشنی ملتی ہے جو موجودہ زمانہ میں لائقِ اعتناء اور قابلِ عمل ہے اور وہ یہ ہے کہ کتاب و سنت سے احکام کا استخراج اور استنباط مجتہدین ذی علم کا کام ہے اور یہ حق و اختیار عوام الناس کو حاصل نہیں ہے اور ان کی سلامتی اور نجات مذاہب اربعہ پر عمل کرنے میں ہے۔

حضرت قطب ویلور کا یہ مکتوب ملاحظہ کیجئے:

''پس از سلام مسنون عزیزی خدا بخش صاحب سوداگر کو ظاہر ہوئے۔

تمہارا مکتوب مرقوم بیستم ذی حجہ ۱۲۸۵ ہجری کا پہنچا اور دینی مسائل کا استفسار رہنے سے دل بہوت مسرور ہوا۔ ایں کار دولت است کنون تا کرا رسد۔ معلوم ہوا کہ شریعتِ مطہرہ تمہارے دل میں قرار پکڑی ہے۔: از زکوزہ بروں تراود کہ درویست

فتویٰ ملفوفہ مرقوم بھی فقیر کا ہے جو ۱۲۲۸ ہجری میں لکھا تھا۔ لیکن وہ فتویٰ ناقص رہنے سے یک فتوی ملفوف کیا ہوں اس سے مفصل معہ اسناد معلوم ہوئے گا۔

اول یہ بات جاننا ضروری ہے کہ دین ہمارا محمدیؐ ہے۔ موسوی اور عیسوی وغیرھا نہیں۔

پھر یہ دینِ محمدیؐ میں تر ہتر فرقے ہیں۔ ہمارا فرقہ سنت جماعت کا ہے۔ خارجیہ، رافضیہ، قدریہ، جبریہ، مرجیہ، ظاہریہ، باطنیہ وغیرھا نہیں۔

پھر یہ فرقے میں سنت جماعت کے چار مجتہد مستقل سے چار مذہب رائج اور مشہور ہیں۔ ا۔ حنفی ۲۔ مالکی۔ ۳۔ شافعی ۔ ۳ حنبلی۔ ۴ چاروں مذاہب میں حق دائر ہے اور اختلاف میں ان کی رحمت ہے ۔لقولہ علیہ السلام اختلاف العلماء رحمۃ

پھر یہ چاروں مذہب میں مجتہد فی المذہب ہیں یا مقلد۔

اور مذہبِ حنفیہ میں بھی یا مجتہد فی المذہب ہیں۔ جیسے امام ابو یوسف، امام محمد، امام طحاوی، امام کرخی، امام سرخسی، امام بزدوی، قاضی خان، امام رازی، شیخ ابوالحسن قدوری، شیخ برہان الدین مرغیسانی، صاحب ہدایہ وغیرھم۔

۴. یا مقلد ہیں یعنی پیروان یہ مجتہدوں کے جیسے ہم حنفیہ۔

۵. پھر یہ چارو مذہب مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، عرب، عجم، روم، شام، مصر، ایران، توران، ہند، سندھ، سوادِ اعظم میں جہاں کے مشہور ہیں اور مقلد یعنی پیرو یہ چار مذہبوں کے سیدھی راہ پر ہیں لقولہ علیہ السلام علیکم بالسوادا لاعظم (حضورؐ نے فرمایا سواد اعظم کی پیروی کرو۔)

۶. پھر جو احکام اجتہاد سے مجتہدوں کے نکلے ہیں صواب اور خطا میں متردد ہیں۔ لیکن مجتہد مصیب کو دو اجر ہیں اور مجتہد مخطی کو ایک اجر ہے۔

امام ربانی شیخ احمد سرہندی باویسویں مکتوب میں جلد ثالث کے فرماتے ہیں:

"بر مجتھد چہ جائے اعتراض است کہ خطاء او را نیز یک درجہ ثواب است و تقلید او اگر چہ خطا کند موجب نجات است۔ (مجتھد پر اعتراض کی گنجائش ہی نہیں ہے اس کی خطا میں بھی یک گونہ ثواب ہے۔ اس کی تقلید اگر چہ کہ خطا میں بھی ہو نجات کا باعث ہے)

اعتراض ہے تو مقلد پر ہے۔ اس لئے کہ قرآن وحدیث سو مسئلے نکالنا اور اجتہاد کرنا کار مجتھدوں کا ہے نہ مقلدوں کا۔

مقلد برخلاف اپنے مجتھدوں کے قرآن وحدیث سے مسئلے نکالے اور اجتہاد کرے تو قطع نظر خطاء کے صواب میں بھی اس کو ثواب نہیں اور پیرو کو اس مقلد کے نجات بھی نہیں۔

مقلد اور پیرو اس مقلد کا ہر دو عاصی ہیں۔ جیسا حکم کرنا۔ کام عہدہ داروں کا ہے نہ سپاہیوں کا۔ سپاہی برخلاف اپنے عہدیداروں کے کچھ حکم کرے یا دوسرا سپاہی اس سپاہی کا پیرو ہوے تو سپاہی اور پیرو اس سپاہی کا، ہر دو تقصیر مند ہیں۔

اب جواباں تمہارے سوالوں کے لکھتا ہوں:

تمہے پوچھے تھے کہ نذر مخلوق کی چاروں اماموں کے پاس جائز ہے یا نہیں۔"

جواب اوس کا یہ ہے کہ نذر کی دو معنی ہیں۔ ایک ایجاب العبادت دوسرا ھدیہ۔

اگر نذر بمعنی ایجاب العبادت ہے تو بالا جماع یہ نذر مخلوق کو حرام ہے۔ مخلوق زندہ ہووے۔ یا مردہ۔ اور نذر نقد ہووے یا جنسِ طعام ہووے یا شراب۔ **لان النذر عبادة والعبادة لا یکون للمخلوق**۔ (بے شک نذر عبادت ہے اور عبادت مخلوق کے لئے نہیں ہوتی۔)

اگر مراد نذر سے ہدیہ ہووے تو مخلوق کو دینا جائز ہے۔ چنانچہ امام ربانی شیخ سرہندی بعض مکتوب میں اپنے لکھے ہیں۔ نذر شار سید۔

اور مولوی اسماعیل دہلوی باب دوم میں صراط مستقیم کے لکھے ہیں کہ: درخوبی نذر و نیاز اموات شکے وشبہے نیست۔ (اموات کے لئے نذر و نیاز کے صحیح ہونے میں کوئی شک اور شبہ نہیں ہے۔)

اور مریدان پیروں کو اور نوکراں امیروں کو جو نذر دیتے ہیں، مراد اس سے ہدیہ ہے۔ نہ کہ عبادت۔

پھر پوچھے تھے کہ مولوی اسماعیل دہلوی کو اور مولوی حیدر علی رام پوری کو کسی نے کافر بولے اور محمد اسماعیل دہلوی کو کوئی چور اور دغا باز کہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب اوس کا یہ ہے کہ مولوی اسماعیل دہلوی اور مولوی حیدر علی رامپوری دونوں بڑے عالم تھے اور سنی حنفی اور مجاہد تھے۔ ان کو بتاویل کوئی کافر بولے تو گمراہ ہے۔ اور بے تاویل کافر بولے تو بولنے والا کافر ہوجاتا ہے۔ روافض بتاویل صحابہ کرام کو اور خوارج بتاویل اہلِ بیت عظام کو مرتد اور کافر کہتے ہیں۔ تاویل سے بولنے سو بلا اجماع یہ دونوں گروہ گمراہ ہیں، نہ کافر۔

شیخ عبد الحق دہلوی ''تکمیل الایمان'' میں فرماتے ہیں:

''در حدیث آمدہ است کہ ہر کہ دیگرے را کافر گوید اگر وے در نفس الامر کافر نبود، قائل بالفعل کافر گردد۔'' (حدیث میں ہے کہ جو شخص دوسرے کو کافر کہے اور اگر وہ واقع میں کافر نہ ہوتو کہنے والا ہی کافر ہوجائے گا۔)

محمد اسمعیل ویلوری طالب علم اور مردِ صالح اور واعظ تھے اور اس فقیر کے ہاتھ پر سلسلۂ قادریہ میں بیعت کئے تھے۔ میں ان کو خوب جانتا ہوں۔ چور اور دغا باز ان کو بولنا بے اصل بات ہے۔

یہ سب دنیا سے گزر گئے۔ ان پر تہمت کرنا اور بدی سو یاد کرنا بڑا گناہ ہے۔

پھر پوچھے تھے کہ حنفی بموجب حدیث ابو حمید ساعدی کے ہاتھ کھندوں تک اٹھاتا ہے تو اس کا کیا حکم؟

جواب اس کا یہ ہے کہ حنفی اگر مجتھد ہے تو حدیث پر عمل کرسکتا ہے۔ اگر مقلد ہے تو اس پر تقلید اپنے اماموں کی واجب ہے۔ امام ربانی شیخ احمد سرہندی مکتوب دو بست و ہشتاد و ششم میں جلدِ اول کے فرماتے ہیں:

''مقلد را نمی رسد کہ خلاف رائے مجتہد از کتاب و سنت اخذ احکام کند و برآں عامل باشد۔

مقلد کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے امام کے مسلک کے خلاف قرآن و حدیث سے احکام اخذ کرے اور ان پر عمل پیرا ہوجائے) اس صورت میں حنفی مقلد کو بجز تقلید مجتھد ان حنیفہ کے کچھ چارہ نہیں۔

پھر پوچھے تھے کہ تشہد میں انگشت اٹھانے کا کیا حکم ہے؟

جواب اوس کا یہ ہے کہ انگشت اٹھانے کے مقدمے میں اٹھاویس ۲۸ حدیث صحیح آئے ہیں۔ مگر صحیح بخاری میں اس کا کچھ مذکور نہیں۔ امام الائمہ امام اعظم ابو حنیفہ النعمان اور حضرات صاحبین (امام محمد،

امام ابو یوسف) اور مالکیہ اور شافعیہ اور حنبلیہ سب کے سب اٹھانے پر گئے ہیں اور علمائے ماورئ النھر نیں اٹھانے پر گئے ہیں۔

غرض یہ مسئلہ میں اختلاف ہے اور فتوئ بھی مختلف۔ تفصیل اس مسئلہ کی میں فصل الخطاب میں لکھا ہوں۔ یہ کتاب عنقریب چھپنے والی ہے۔ پس آدمی انگلی اٹھانے نہیں اٹھانے میں مختار ہے۔ جھگڑا کس لئے!

فقیر ایک کم اسی سال کو پہنچا اور لبِ گور بیٹھا ہے۔ پھر حکم یک انار صد بیمار۔ اور ایک سر ہزار سودا کا رکھتا ہے۔ فرصت مسائل کو تفحص کرنے کی کم ملتی ہے۔ لیکن دل میں بہت باتاں ہیں قلم ترجمان سے اوس کے مقصر ہے۔

میرے تیں تم دوستوں سے فراموش نا سمجھنا: المرء مع من احبہ) (آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اسے محبت ہوتی ہے۔) حدیث متفق علیہ ہے۔

حق جلّ مجدہٗ سب مسلمانوں کو توفیق دے تا مذہب حقہ، پر سنت و جماعت کے قائم رہیں اور افراط و تفریط سے اور دنیائے دنیہ فانیہ کے فریب سے بچیں اور کچھ بو اپنے محبت وجمعیت باقیہ کی اپنی مشام میں لاویں اور تذکر موت اور احوال آخرت پیش نظر رکھیں۔ مرقوم دوازدہم محرم روز یکشنبہ ۱۲۷۷ھ"۔

اس مقام پر اردو زبان میں تحریر کردہ ایک اور مکتوب نقل کرنا فائدے سے خالی نہیں۔ جس کے مطالعہ سے یہ عظیم حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ وجودیہ میں ملحد اور غیر ملحد کے درمیان مابہ الامتیاز فرق کیا ہے؟ اور علمائے سلف اور خلف میں کون کون حضرات وحدۃ الوجود کے قائل ہیں؟ اسی کے ساتھ تکفیر بازی اور دشنام طرازی اور گروہ بندی سے اجتناب کی تاکید و ہدایت ملتی ہے۔ یہ خط ضلع شمالی آرکاٹ کے معروف تاریخی شہر وانم باڑی کے سنت و جماعت کے لوگوں کے نام لکھا گیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم پس از سلام سنت سید الانام افضل التحیۃ والسلام!

یجمان عظیم الدین صاحب اور یجمان اسمٰعیل صاحب اور حاجی سعید حسین صاحب اور مدیکار احمد صاحب اور وانم باڑی کے چار وپیٹ والے سب اہلِ سنت جماعت کو ظاہر ہوے۔ تمہارا خط شانزدہم رمضان ۱۲۸۰ ہجری کا پہنچا اور مضمون اس کا مفصلاً معلوم ہوا۔

تمہے حال عبد القادر کا پوچھے تھے۔ پھر ان کے ساتھ محبت رکھنے اور اقتداء کرنے کے باب میں

استفسار کئے تھے۔

سچ ہے کہ عبدالقادر میرے مکان میں سالہا سال رہے۔ایک کسی تقریب میں میرے روبرو کہے تھے کہ میں ملاحدہ کو گمراہ اور کافر بولتا ہوں نہ اولیاء وجودیہ کو۔ایسا ہی انھوں نے اگر ملاحدہ کو کافر بولتے ہیں تو بے ریب رہ پر ہیں۔اگر اولیاء اور علمائے وجودیہ کو کافر کہتے ہیں تو بے شک گمراہ ہیں۔

اولیاء اور علمائے وجودیہ ہزار ہا ہیں شمار ان کا کون کر سکے؟

امام حجۃ الاسلام محمد غزالی، شیخ الاسلام عبداللہ انصاری، شیخ فریدالدین عطار، مولانا جلال الدین رومی، مولانا شمس الدین تبریزی، شیخ اکبر محی الدین ابن عربی، شیخ کبیر صدرالدین قونوی، خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسودراز، سید جعفر مکی، شیخ عبدالکریم جیلی، شیخ شرف الدین داؤد قیصری، خواجہ عبیداللہ احرار، مولانا نورالدین جامی، مولانا عبدالغفور لاری، خواجہ عبدالباقی، مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی، بحرالعلوم ملک العلماء مولانا عبدالعلی لکھنوی، سندالعلماء مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی، سید شیخ جفری ملیباری، سید علوی ملیباری، سید شاہ کمال الدین گلوری، یہ سب اولیائے وجودیہ ہیں۔

اور امام فخرالدین رازی اور قاضی ناصرالدین بیضاوی، اور علامہ میر شریف جرجانی، اور شمس الدین طیبی، اور ملا جلال دوانی اور شیخ الھند عبدالحق محدث دہلوی، اور مولوی محمد باقر آگاہ مدراسی یہ سب علمائے وجودیہ ہیں۔

وجودیہ میں ملحد اور غیر ملحد کا فرق یہ ہے کہ اگر کوئی تقلید میں وجودیہ کے غلو کرے اور خدا میں اور عالم میں فرق نہ کرے اور حد سے بڑھ کر بندے کو خدا اور حادث کو قدیم اور ملوث کو منزہ اور حرام کو حلال اور نجس کو پاک سمجھے تو ملحد و زندیق ہے۔اور کوئی خدا میں اور عالم میں فرق کرے اور شرع کا مقید رہے اور لوگوں کو نماز اور روزہ اور تلاوتِ قرآن اور ذکر اور خوف اور رجاء اور تقویٰ صلاح کی دعوت دے تو وہ مومنِ پاک اعتقاد ہے۔اور بری ہے زندقہ والحاد سے۔

(کذافی مکتوب مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی برائے مولوی نوراللہ)

حدیث شریف میں آیا ہے کہ مومن کو کافر بولنے والا بالفعل کافر ہوتا ہے۔(کذافی تکمیل الایمان)

پھر ان پیشوایانِ مومنین اور ارکانِ دین کو کافر بولنے والا کافر کیوں نہ ہوگا، اور محبت و اقتداء

کے لائق کب رہے گا۔ گالی دینا برا کام ہے۔ سب گالیوں میں بڑی گالی تکفیر، کافر بولنا ہے۔ ایسی بڑی گالی اہل سنت کے پیشوایان کو دینا کام سنیوں کا نہیں بلکہ رافضی وخارجی اور بدعقیدوں کا ہے۔

دشنام بمذ ہبے کہ طاعت باشد　　　　مذہب معلوم واہل مذہب معلوم

پھر سنیوں کو گالی تکفیر کی لگانا مومنوں کو کافر بنانا اور مذہب سنت کو بگاڑنا اور سنیوں میں پھوٹ بھانا ہے۔

اتفاق بڑی دولت ہے۔ حیوانوں میں چرندے مثلاً ہاتھی اور اونٹ اور بیل بکرے مندوں میں ملے ملے چرتے ہیں۔ اور پرندے مثلاً مورچے اور کھوڑے قطار در قطار چلتے اور مطلب پر ہاتھ مارتے ہیں۔

دولت ہمہ ز اتفاق خیزد　　　　بے دولت از نفاق خیزد

رب العالمین مومنوں کو گالیاں دینے اور ایمان کھونے سے بچاوے اور راہِ سنت پر چلاوے اور مسلمانوں کو بلا سے پھوٹ کے نجات دیوے۔ اور دولت سے ملاپ کے کامیاب کرے۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ."

اردو زبان میں جناب غلام علی میجر صوبہ دار کے نام بھی ایک مکتوب ملتا ہے جس میں مذہب معیّن پر عمل کرنے کے دلائل بیان کیے گئے ہیں۔ اور اس بات کی بھی صراحت کی گئی ہے کہ جلیل القدر صوفیاء اور ائمہ طریقت نے بھی فقہاء کے مذہب کی اتباع و پیروی کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعدالحمد والصلوۃ و تبلیغ السلام والدعوات

ظاہر خاطر سعادت ذخائر ہوے۔

تمہارا مکتوب مرقوم یازدہم رجب ۱۲۸۸ ہجری معہ فتویٰ ملفوفہ پہنچا۔ اور نوید خیریت سے مطلع کیا۔

سعادت آثار!

دوسند ایک سند امام حجۃ الاسلام محمد غزالی کی، دوسری سند سند العلماء مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کی ذیل میں مرقوم ہیں۔

اور اسی کے مطابق عرب وعجم، روم و شام، مشرق و مغرب اور ہندو سندھ والوں کا عمل ہے۔ اور سب بزرگان ایک ہی مذہب معین پر چلے ہیں۔

شیخ الہند عبدالحق دہلوی ''مرج البحرین'' میں فرماتے ہیں:

ہمہ ائمہ طریقت و اساطین ملت تابع مذہب فقہاء بودہ اند (ملت کے تمام اکابرین اور ائمہ طریقت، حضرات فقہاء کے مذہب کے تابع تھے۔) چنانچہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی مذہب ثوری اور غوث الثقلین عبدالقادر جیلانی مذہب حنبلی، حضرت شبلی، مالکی مذہب اور جریری، حنفی مذہب اور محاسبی، مذہب شافعی رکھتے تھے۔اور امام محمد اور امام حسن ابنِ زیاد اور امام زفر باوجود درجۂ اجتہاد کے حنفی تھے۔ اور امام مزنی اور امام بویطی باوجود درجۂ اجتہاد کے شافعی تھے۔

الحق جمہور علماء وجوب تعیین پر گئے ہیں۔ چناں چہ ہر دو سند مذیلہ سے معلوم ہوے گا اور بعض علمائے کرام عدم وجوب پر گئے ہیں جیسے امام ابنِ ہمام صاحبِ ''فتح القدیر'' اور مولانا نظام الدین لکھنوی اور مولانا عبدالعلی لکھنوی وغیرہ۔ان کے پاس اگر چہ تعین واجب نہیں لیکن مستحب و مستحسن ہے۔اس لئے یہ بزرگان مرنے تک حنفی رہے ہیں۔

بہر حال تعیین دونوں کے پاس خوب کام ہے ۔خواہ واجب ہوے یا مستحسن رہے۔اس میں لڑائی کس لئے۔اور غیر تعیین میں خلاف سوادِ اعظم کا ہوجاتا ہے۔حدیث شریف میں آیا ہے۔ ''علیکم بالسوادالاعظم'' (تم پر لازم ہے کہ سوادِ اعظم کی پیروی کرو۔)

اور مولوی محمد علی واعظ رام پوری، مولوی اسماعیل دہلوی، مولوی عبدالحیٔ دہلوی، مولوی سید احمد مجاھد، مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی، مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی، اور شیخ احمد سرہندی مجدّد الف ثانی اور سب ان کے پیراں نقشبندی اور حضرت بہاؤالدین نقشبند سب کے سب حنفی تھے۔اور رفع الدین نیں کرتے تھے اور آمین جہر سے نیں بولتے تھے تو بخاری اصح الکتاب ہے۔پس 'بخاری' کے برخلاف 'ھدایہ' پر عمل غیر صحیح اور باطل کیسا کیئے؟ اور گمراہ کیسا ہوئے؟ بالجملہ مقلّد کو سوائے تقلیدِ مجتھد کے چارہ نہیں۔

(کذا فی کتب الاصول)

اردو زبان میں ہندوستانی راجائوں کی خدمت میں ارسال کردہ دعوت اسلام کا مکتوب

سب تعریف اللہ کو ہے، جس نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا اور شنوا اور بینا کیا۔ پھر ہوش والا دل دیا اور راجہ بھی بنایا۔ پھر انسان کے تن کو پالنے مینہ برسایا اور قسم قسم کے اناج ، میوے، زیتون گڈے، گود (گھنے) باغ اور گھانس بھی اگایا تا کہ اس کو اور اس کے چار پایوں کے کام آئے۔ اور انسان کے دل کو پالنے پیغمبروں کو بھیجا تا کہ پہچانت (معرفت) اپنے پیدا کرنے والے اور پالنے والے کی سکھادے۔ پھر پیغمبروں کی سچوائی (سچائی) کے لئے معجزات دیا جیسا کہ معجزۂ شق القمر کا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو۔ اور معجزۂ مردے جلانے کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو، معجزۂ بحر احمر میں پار پاٹ (عبور) کرنے کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو۔

یہ سب پیغمبران علیہم الصلوۃ والسلام خدا کے مقرب بندے تھے اور خدا کی ہی پوجا کرتے تھے اور لوگوں کو بھی کراتے تھے۔

اے راجہ! یہ مورتاں جماد ہیں بے جان تھوڑی پھوڑی تو اپنی کو نہیں بچاتی ہیں، ہم کو کیا بچائیں گی۔

اے راجہ! یہ مورتاں نہ سماعت (کان) رکھتی ہیں اور نہ بصارت (آنکھ) آواز ستار اور سارندی (سارنگی) کی کیا سنتی اور ناچ کیا دیکھتی؟

اے راجہ! یہ مورتاں کو نہ ہاتھ کرنے کا ہے اور نہ پاؤں چلنے کا ہے اور نہ دل حاجت روائی کا۔ ہاتھ، پاؤں اور دل والا انسان اپنے پیدا کرنے والے اور پالنے والے کو چھوڑ کر، یہ مورتاں کو پوجا کرنا اور مراد، ان سے مانگنا بڑی بے عقلی ہے۔

اے راجہ! یہ مورتاں نہ کسی کو نفع پہنچاتی ہیں اور نہ نقصان۔ گدھا مورتاں پر پیٹھ لگڑتا ہے اور کتا ان پر پیشاب کرتا ہے۔ انسان کا ہوش میں حیوان سے کم ہونا اور مورتاں کی پوجا کرنا بڑی نادانی ہے۔

اے راجہ! جیسا کہ جسم کی کثرت میں حاکم ایک ہی جان (روح) ہے۔ ویسا اجسام اور ارواح کی کثرت میں حاکم ایک ہی خدا ہے پھر جیسا، جان جسم میں مخفی ہے ویسا ہی خدا بھی اجسام و ارواح میں مخفی

ہے۔جیسا جان کو جسم سے پہچانتے ہیں ویسا ہی خدا کو اجسام اور ارواح سے پہچانتے ہیں پھر جیسا پرورش جسم کی جان سے ہے۔ویسا ہی سب اجسام اور ارواح کی پرورش خدا سے ہے۔لیکن پیدا کرنا خدا ہی کا کام ہے ۔پیدا کرنے میں کسی مخلوق کو دخل نہیں۔سب مخلوق مل کر ایک تلِ کا دانہ بنانے کی قدرت نہیں رکھتے ہیں۔ انسان کا ایسے خدا کو پوجنا چھوڑنا اور مورتوں کا پوجا کرنا، بڑی بے انصافی ہے۔

اے راجہ! یہ مورتاں اپنا پوجا کرنے کے لئے زبردستی نہیں کرتی۔ بلکہ چاہتی بھی نہیں، اور مورتاں کا پوجا چھوڑے تو ملک و دولت اور عیش و آرام میں خلل بھی نہیں۔پھر انسان کا بے سبب خدا کا حق ،مورتاں کو دینا اور حق تعالےٰ کا پوجا چھوڑ کر مورتاں کا پوجا کرنا بڑی نمک حرامی ہے۔کھانا کس کا گانا کس کا۔

اے راجہ! دنیا فانی اور سم قاتل ہے۔اور ظلِ ملک، زائل ہے۔ملک زوال پاتا ہے۔حادثہ سے یا بدل جاتا ہے وارث سے۔پس موت حق ہے اور حساب حق ہے اور اللہ کا انسان کے ظاہر و باطن کو جاننا حق ہے۔اور جنت و دوزخ حق ہے اور ڈرو تم اللہ سے جس نے تم کو پیدا کیا۔اور پالا اور ملک دیا۔اور اسی کے ہاتھ میں حیات و ممات، قیامت و حساب، عفو اور عذاب ہے۔بے شک خدا غفور اور رحیم ہے۔اور بے شک اس کا مواخذہ دردناک اور شدید ہے۔

اے راجہ! میں تم کو خدا کی طرف اور خدا کی توحید کی طرف بلاتا ہوں۔تم اسلام قبول کرو گے تو سلامت رہو گے۔خدا تم کو دوہرا اجر دے گا۔ایک تمہارا اجر اور دوسرا تمہارے تابعین کا۔اسلام قبول نہ کرو گے تو تمہارے اوپر تمہارا اور تمہارے متبعین کا گناہ ہے۔

اے راجہ! مورت والوں کو میں یہی بولتا ہوں کہ آؤ ایک بات پر جو برابر ہے ہمارے اور تمہارے میں وہ یہ کہ پوجا نہ کریں کسی کی سوائے خدا کے۔شریک نہ ٹھرائیں کسی کو خدا کے ساتھ اور نہ پکڑیں خدایاں ہم مخلوقات کو۔اور یہ بات قبول نہ کریں تو اس بات کی گواہی دو کہ ہم موحد ہیں۔

اے راجہ! میں نہ نبی ہوں اور نہ رسول لیکن میرے جد محمد رسول اللہ ﷺ کا وارث اور آخرت کا حارث ہوں۔

اے راجہ! میں تمہارا بہتر خواہ ہوں اور جہاں تک ہو سکے میں سنوارنا چاہتا ہوں اور بن لانا ہے اللہ سے اس پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع ہوں۔

اے راجہ! میں نہیں مانگتا ہوں اس پر مزدوری۔میری مزدوری رب العالمین پر ہے پاس بڑی خرابی ہے۔

یہ اظہار محی الدین وارث سید المرسلین کا اپنے بھائیاں اور ہوش والے آدمیاں کے لئے ہے۔
خدا ان کو سبیل رشاد پر چلنے والے بنادے اور ہر شر و فساد سے بچادے۔

حضرت قطب ویلور نے اپنے تصنیفی کام کو مختلف جہتوں میں تقسیم کردیا ہے۔عربی اور فارسی تصنیفات میں خالص علمی و عرفانی مسائل کو زیر بحث لایا ہے اور ان پر عالمانہ و فاضلانہ اور محققانہ انداز میں کلام کیا ہے آپ کی یہ تمام تصانیف خواص اور اہل علم کے کام کی ہیں۔اسی کے ساتھ آپ نے قلم کو عوام کے رشد و ہدایت اور تعلیم و تلقین کی جانب بھی موڑا ہے اور اس کے لئے اردو زبان میں عام فہم اور سیدھی سادھی اور رائج زبان میں کلام کیا ہے۔

اردو زبان میں آپ کی سات تصنیفات کا سراغ لگ سکا۔جن میں سے چار کتابیں موجود ہیں اور باقی تین کتابوں کے صرف نام تذکروں میں ملتے ہیں۔

۱۰۔ خلاصة العلوم

حضرت قطب ویلور کا یہ رسالہ خودشناسی، خداشناسی، دنیاشناسی اور آخرت شناسی پر مشتمل ہے ۔اس میں جابجا موضوع کی وضاحت و مناسبت اور تائید میں مولانا روم علیہ الرحمہ کی مثنوی سے متعدد اشعار پیش کئے گئے ہیں۔اور ایک مقام پر حضرت قربی علیہ الرحمہ کا ایک دکھنی شعر بھی نقل کیا گیا ہے۔

اس رسالے کی اشاعت کئی بار ہوئی۔پہلی مرتبہ محمدی پریس کلکتہ سے ۱۲۷۳ھ میں ہوی ہے۔
پھر اس کے بعد مطبع احمد قلندر بنگلور سے ۱۳۰۸ھ میں اس کی اشاعت ہوئی ہے۔پھر دار العلوم لطیفیہ کے سالنامہ اللطیف ۱۳۹۲ھ میں حل لغات اور مفید حواشی کے ساتھ اس کی اشاعت ہوی۔سالنامہ ''صفیر'' ویلور ۱۳۹۹ھ میں بھی اس رسالہ کی دکھنی زبان کو کسی قدر جدید اردو زبان کے قالب میں ڈھال کر تعارف و تبصرہ کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

حضرت قطب ویلور کی اردو نثر کا نمونہ ملاحظہ کیجئے:

''جان اے بھائی! اصول سعادت کے یعنی جڑاں نیک بختی کے چار ہیں۔ایک خودشناسی ہے۔
یعنی اپنے کو پہچاننا۔یہ دو چیز ہے۔ایک اپنا ظاہر ہے۔اس کو تن، عالمِ جسم اور عالمِ شہادت بولتے ہیں۔اس اپنے ظاہر میں پھر دو قسم ہے۔قسمِ اول جب تک جان تن کے ظاہر ہیں تصرف کرتا ہے اس کو بیداری کہتے

ہیں۔قسمِ دوم جب تک جان،تن کے باطن میں عمل کرتا ہے اس کو خواب بولتے ہیں۔''

''دوسرا باطن ہے۔اس کو جان،دل اور نفس بولتے ہیں۔اور عالمِ ملکوت بھی کہتے ہیں اول یعنی اپنا ظاہر آنکھ سو دستا ہے،دوسرا یعنی اپنا باطن،آنکھ سو نہیں دِستا۔بلکہ بصیرت سو یعنی دل کی پہچانت سو معلوم ہوتا ہے۔اسی خود شناسی میں خدا شناسی ملتی ہے۔جب کوئی بموجب فرمان انبیاء کے سلوک کرے۔جدی وشیخی رکن الملّۃ والدینِ حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری قربؔی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

جنے جی کو سمجھا سو سمجھا اوسے　　　　ولے جی سمجھنے کو آتا کسے

اسی لئے خود شناسی کو کلیدِ خدا شناسی کی کہے ہیں۔اور اسی واسطے خود شناسی کو خدا شناسی پر مقدم رکھے ہیں۔والّا واقع میں خدا شناسی خود شناسی پر مقدم ہے۔اور راہ خدا شناسی کی اپنے کو اور سب مخلوقات کو سایہ سا ہے سو معلوم ہونے پر ملتی ہے اور اس سایہ کا شخص خدا ہی سو پچھانت میں آیا تو خدا شناسی حاصل ہوتی ہے۔''

اسی رسالہ میں ایک مقام پر انسان کی فوقیت وافضلیت اور اس کی حیاتِ جاودانی اور حقیقت دنیا اور عالمِ برزخ سے متعلق فرماتے ہیں:

''جیسا تخم جھاڑ کے آخری اور باقی جھاڑ سے بڑھ کر ہے،ویسا ہی آدمی سب مخلوقات کے آخری اور باقی مخلوقات سے بڑھ کر ہے۔

تخم جب تک جھاڑ یا زمین یا سنگ پر دستا ہے،تب تک قابل سڑنے گلنے کے ہے۔جب اپنی اصل یعنی زمین میں چھپ گیا تو دوسرے حیات پیدا کرتا۔پیڑ اور ڈالی اور ڈالی اور پتے اور پھول اور پھل ہو جاتا ہے اور سڑنے،گلنے سے بچ جاتا ہے۔ویسا ہی انسان جب تک میں میں بولتا اور انانیت اور میں پن گرفتار رہتا ہے،تب تک قابل ہلاک ابدی کے ہے۔جب اپنی اصل یعنی حق میں اپنے کو فنا کیا اور میں پن چھوڑا اور اپنے کو عکس حق کا بوج لیا تو حیاتِ جاودانی حاصل کر لیتا ہے۔صاحبِ منطق الطیر فرماتے ہیں:

چوں ندانستی کہ ظل کیستی　　　　فارغی گر مردمی وگر زیستی

تخم کو بغیر بھوسے اور کھال کے پیرے تو درخت ہونا اور حیاتِ دیگر پیدا کرنا ممکن نہیں۔ویسا ہی انسان یہ تن کا بھوسہ اور کھال کے دور ہوئے اور مرے پر حیات جاودانی حاصل کرنا ممکن نہیں۔اسی لئے پیغمبر علیہ السلام نے ''الدنیا مزرعۃ الآخرۃ فرمایا،یعنی دنیا جاے زراعت آخرت کی ہے۔

اسی واسطے صاحبِ منطق الطیر فرماتے ہیں:

پوست ہے تک ڈھونڈ لے تو دوست کو　　　　موڑ چاول کو ہے پیدا پوست سو

جب بڑوتی چھوڑ دیا اور ظاہر جسم اور باطن جسم تلف کیا تو اس حالت کو ابدالآباد تک عالمِ آخرت بولتے ہیں۔ اس عالم میں جب تک آدمی بے تن رہتا ہے اور عالمِ ملکوت میں بقا رکھتا ہے اس کو عالمِ قبر اور عالم مثال اور عالمِ برزخ بولتے ہیں۔ اور جب تن دار ہو گیا اور دنیا میں جیسا تن تھا ویسا تن پا گیا تو اس کو محشر اور قیامت وغیرھا کہتے ہیں۔

آخرت میں حاکم سب حاکموں کا، خالق اور مالک سب حکیموں کا، اچھے لوگوں کو اچھار کھے گا اور اس اچھار کھنے کے مقام کو بہشت بولتے ہیں۔ اور خراب لوگوں کو سزا دے گا۔ اس سزا کی جائے کو دوزخ کہتے ہیں۔

بدن میں عمل جان کا جس قدر زیادہ ہے، اس قدر تندرستی ملتی ہے۔ ویسا ہی عمل جان جان کا جس قدر ہے اس قدر حیات جاودانی اور عافیت حقیقی ہاتھ لگتی ہے۔

۱۱۔ شفاعت بالاذن

یہ رسالہ ایک فتویٰ ہے جو ۱۲۷۳ھ میں مطبع مولوی فیض اللہ کلکتہ سے شائع ہوا ہے۔ اس کے نام سے ہی موضوع کی نشان دہی ہو رہی ہے۔ حضرت قطب ویلور نے مرواگل کے قاضی سید مخدوم کے استفسار پر شفاعت بالاذن کا ثبوت قرآن و حدیث اور علمائے اہلِ سنت والجماعت کی تصریحات سے پیش کیا ہے۔ یہ رسالہ بیس سال قبل راقم الحروف کو کتب خانہ لطیفیہ کے اندر خستہ حالت میں دستیاب ہوا۔ تو راقم نے رسالہ میں منقول آیات و احادیث اور عربی و فارسی اقتباسات کا ترجمہ کرتے ہوئے سالنامۂ اللطیف ۱۴۰۰ھ میں شائع کر دیا۔ اس رسالہ کی صحت پر مولوی ارتضا علی خان بہادر اور مولوی اسلمی صاحب اور دوسرے علمائے مدراس کی مہر اور دستخط ہیں۔ رسالہ ھذا میں فرماتے ہیں۔

”علمائے عرب و عجم میں علمائے مدراس، بنگالہ اور بمبائی سب بالاتفاق یہی کہتے ہیں کہ شفاعت بالاذن ہے۔ اس بات میں علماء کو کچھ اختلاف نہیں۔ چنانچہ اسناد اس بات کی تفاسیر اور کتب احادیث اور عقائد وغیرہ سے آگے آویں گے۔ اور سرور انبیا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے دو سو ایک نام

ہیں۔ایک نام مختار ہے۔اس کامعنا برگزیدہ ہے۔۔۔اور ''گلزارِ ہدایت'' میں عمدۃ العلماء بدرالدولہ قاضی الملک بہادر لکھے ہیں۔رسول اللہ ﷺ کا قیامت کے دن اللہ تعالےٰ سے حکم لینا اور شفاعت کروانا، اتنے احادیث سے ثابت ہے کہ جس کے انکار کا مجال نہیں۔

اس اسناد سے معلوم ہوا کہ معنی مختار کا برگذیدہ ہے اور بالاتفاق علماء شفاعت بالاذن ہے۔اور فتح باب شفاعت اور شفاعت کبریٰ کے مالک سرور عالم ﷺ ہیں۔پھر شفاعت کو بے اذن الٰہی کہنا قرآن اور حدیث اور اجماعِ امت کے خلاف کرنا اور خدائے وحدہٗ لاشریک کے کارخانے میں غیر خدا کو شریک کرنا ہے۔چوں کہ کوئی حس اور عضو بے اذنِ جان کے حرکت نہیں کرتا ہے۔پھر کوئی جان بدون حکمِ جانِ جان اور خالق جان کے حرکت کیسے کرے گا۔'' (اللطیف:ص:۱۲۵:۱۳۰:۱۴۰۰ھ)

۱۲۔ احیاء السنہ

رسالہ کے نام سے ہی اس کے موضوع اور اس کی غرض کی وضاحت ہورہی ہے۔کہ متروک سنتوں کو پھر سے زندہ اور رائج کیا جائے اور پھیلی ہوئی بدعتوں کو ختم کیا جائے۔بدعت کے باب میں حضرت قطب ویلور کا موقف یہ رہا ہے کہ آپ نے اسی بدعت کے انسداد کی حمایت اور جدوجہد کی ہے جو قرآن اور سنت سے متصادم ہو اور شریعتِ مطہرہ کے منشاء کے خلاف ہو اور اس کے جس چیز کی طرف اللہ اور اس کے رسول مقبول ﷺ نے دعوت دی اور اس کی ترغیب دلائی، اس عموم میں جو بدعت داخل ہوگی اسے اخذ و قبول کے درجہ میں رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ ہر نئے عمل کو بدعت کہہ کر انکار کے درپے نہیں ہوے جیسا کہ آپ کا یہ موقف آپ کی کتاب فصل الخطاب کے مطالعہ سے نمایاں ہوتا ہے۔

رسالۂ احیاء السنہ کا ذکر حضرت قطب ویلور کے مکتوبات میں بھی ملتا ہے۔آپ نے اپنے قیام مدراس کے دوران مولانا ارتضاء علی خان سے خواہش ظاہر کی تھی کہ رسالۂ احیاء السنۃ اور رسالۂ احیاء التوحید آپ کی خدمت میں روانہ کروں گا، آپ ایک نظر دیکھ لیں۔چنانچہ ویلور واپس ہونے کے بعد آپ نے ایک مکتوب مدراس روانہ کیا ہے جس میں لکھا ہے کہ اس وقت احیاء السنہ ہی بھیج رہا ہوں انشاء اللہ رسالۂ احیاء التوحید مکمل ہوتے ہی ارسالِ خدمت کروں گا۔تصنیف و تالیف سے فقیر کا مقصد صرف برادرانِ اسلام کو نفع پہنچانا ہے۔

"حالا رسالۂ احیاء السنۃ بخدمت فرستادہ ام و رسالۂ احیاء التوحید را پس از اتمام مبیضہ عنقریب خواہم فرستاد انشاء اللہ مقصود از تصنیف و تالیف انتفاع برادران دینی است۔" (مکتوباتِ لطیفی: قلمی مخطوطہ)

یہ رسالہ ۷، جمادی الثانی ۱۲۶۹ھ کو بخط نور رقم "مطبع اسلامیہ" میں طبع ہوا ہے۔ جیسا کہ سرورق ہی پر اس کی غرض و غایت اور سالِ اشاعت وغیرہ کا ذکر ہے۔ مطبع کا صرف نام ہے لیکن یہ مطبع کس شہر میں ہے اس کا پتہ نہیں چلتا۔

"در توضیح احیاء سنت و اماتت بدعت از تصانیفِ محی شریعت، حامی طریقت، عالم حقانی، عارف ربانی، شیخ الشیوخ، مرشدنا مولانا حضرت مولوی سید عبداللطیف شاہ محی الدین قادری ادام اللہ فیوضاتہ بہفتم جمادی الثانی ۱۲۶۹ھ از خط نور رقم مطبوع شد۔"

حضرت قطب ویلور نے اس رسالہ کو دو باب اور ایک خاتمہ پر تقسیم کیا ہے اور اس میں کتاب و سنت اور علماء و صوفیاء کے اقوال کی روشنی میں سنتوں کے احیاء و اشاعت کی ضرورت اور اہمیت کو بیان کیا ہے اور اس کا آغاز سرورکونین حضور پرنور احمد مجتبیٰ ﷺ کی نعت سے کیا ہے۔

حضرت قطب ویلور کا یہ نایاب و نادر رسالہ ڈیمی سائز کے سولہ صفحات پر مشتمل ہے اور راقم الحروف کی ذاتی لائبریری کا مخزونہ ہے جو آج سے پچیس سال قبل مولانا حکیم سید ناصر علی عمری کے ذریعہ حاصل ہوا تھا۔ اس رسالہ کی زبان اور اس کا اندازِ بیان ایک انفرادی نوعیت کا حامل ہے۔ اسی لئے مناسب سمجھا گیا کہ اس کو من و عن اس تحقیقی مقالہ کا جز بنا دیا جائے، تا کہ اس کی افادیت کو دوام اور استمرار بخشا جائے اور دستبردِ زمانہ سے محفوظ ہو جائے۔ اور حضرتِ قطب ویلور کی یہ اردو تصنیف اردو زبان و ادب کا حصہ بن جائے۔

۱۳۔ رسالہ احیاء توحید

یہ رسالہ نایاب ہے۔ حضرت قطب ویلور کے ایک خلیفہ حضرت مولانا مولوی میر محی الدین ابن سید شاہ امین اللہ قادری ابنِ مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی نے اس کی تلخیص لکھی ہے۔ اور یہ خلاصہ "نور روح قدسی" کے نام سے ۱۲۶۹ھ میں مطبع فردوس بنگلور سے شائع ہوا ہے۔

۱۴۔ فتوی آثار شریف

رسول کریم ﷺ کے آثار و متروکات اور تبرکات سے متعلق ایک مختصر سا فتویٰ ہے۔ ۱۲۶۸ھ

میں مطبع حیدری ویلور سے شائع ہوا ہے۔

۱۵۔ فطرہ کے احکام

فطرہ کے احکام و مسائل پر مشتمل ہے۔

۱۶۔ تنبیہ الجاھلین

حضرت قطب ویلور کے عہد میں بے علم عوام جن بدعات وخرافات اور خلاف شرع کاموں میں گرفتار تھے اس رسالہ کے ذریعہ اصلاح کی گئی ہے۔ یہ نایاب رسالہ راقم الحروف کے کتب خانے میں ہے

حاصلِ کلام! حضرت قطب ویلور کی تصنیفات و نگارشات میں علمی گہرائی و گیرائی اور فنون کی کثرت اور مواد میں وسعت اور عنوانات کا تنوع اور تہہ بہ تہہ مباحث اور تشریحات ہیں کہ یہاں نقد و نظر اور تبصرہ و جائزہ کی گنجائش نہیں۔ لہذا مختصر سی وضاحت پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

مسلک و مشرب

کسی عالم و فاضل اور مصنف و محقق کے مطالعہ اور تجزیہ کے باب میں اس کے نظریات و خیالات اور آرا و افکار کی بڑی اہمیت ہوتی ہے جن کی روشنی میں اس کی سیرت و شخصیت، علمیت و ادبیت اور عملیت کو سمجھا اور پرکھا جاتا ہے۔ لہذا سوانح عمری میں مسلک و مشرب اور عقیدہ و عمل کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت قطب ویلور کا مسلک و مشرب ان کی کتابوں کے تعارف و تبصرہ ہی میں کسی حد تک واضح ہو چکا ہے۔ تاہم اس مقام پر مستقل طور پر ان کے مسلک و مشرب کی نشاندہی اور ترجمانی کی جا رہی ہے۔ حضرت قطب ویلور کے نام کے ساتھ مسلک کے لفظ سے یہ مفہوم اخذ نہ کیا جائے کہ آپ کسی مستقل مسلک کے بانی ہیں۔ آپ کا مسلک تو وہی ہے جو اہل وسنت و جماعت میں حنفیہ کا ہے۔ مسلک کی تخصیص ائمہ اربعہ (امام ابو حنیفہ ،امام مالک ،امام شافعی ،امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ عنہم) کے نام کی نسبت سے (حنفی ، مالکی شافعی ،حنبلی) ہوا کرتی ہے۔ حضرت قطب ویلور اہل سنت و جماعت میں سے ہیں۔ اور حنفی مسلک کے پیرو اور داعی ہیں۔ اگر ان اربابِ بصیرت مقلدین اور اربابِ استنباط متبعین کے نام کے ساتھ لفظ مسلک کا استعمال ہو رہا ہے تو یہ درحقیقت مسلکِ اہل سنت ہی کا حصہ اور جزء ہے۔ جس کا تعین فقہائے مجتہدین اور ائمہ

مجتہدین نے کیا ہے۔ موجودہ زمانہ میں دینی اداروں اور شخصیتوں کے نام سے مسالک کی نسبت کا جو طریقہ رائج ہے وہ ایک اضافی اور انتسابی چیز ہے اور یہ تمام مسالک دراصل اہلِ سنت کے مسلک میں دائر اور شامل ہیں۔ اس نوع کی نسبت کو اسی حد اور دائرہ میں رکھا جائے تو کوئی حرج اور نقصان نہیں ہے۔ اس کے برعکس مختلف شخصیتوں اور اداروں کے مسلک سے اپنی آراء وافکار کا ادعاء اور دوسروں کے خیالات کا ابطال ایک نقصان دہ عمل ہوگا۔ اور یہ چیز اہل سنت و جماعت کے چار مبنی برحق مسالک و مذاہب کی تخصیص و تعیین کے لئے ضرب کاری ہے۔

حضرت قطب ویلور کے مسلک و مشرب کی جو بات کہی جارہی ہے وہ دراصل حنفی مسلک و مذہب ہی کی بات ہے۔ صرف بعض جزئیات اور فروعیات اور اختلافی مسائل میں آپ کی جداگانہ امتیازی حیثیت ابھرتی ہے۔ ذیل میں ہم آپ کے بعض بیانات نقل کررہے ہیں۔ جن کی روشنی میں آپ کے مسلک اور موقف کو اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے:

مولوی سید حسین الملک عرف پاچھا صاحب مفتی بلہاری کے نام تحریر کردہ مکتوب میں فرماتے ہیں:

''ایں مسکین از اہلِ سنت و جماعت بود و مذہبِ حنفی دارد۔'' (مکتوباتِ لطیفی: قلمی)

یہ مسکین اہلِ سنت و جماعت سے ہے اور حنفی مذہب پر عامل ہے۔

مولوی خیرالدین مدراس کے نام تحریر کردہ مکتوب میں فرماتے ہیں۔

''فقیر از افراط وتفریط پناہ می جوید و از منکرانِ اولیاء و مکفرن اینہا و اجتہادِ مقلدان و طاعنِ بزرگان وابتداع مبتدعاں برأت دارد۔'' (مکتوباتِ لطیفی: قلمی)

فقیر افراط وتفریط اور زیادتی اور کمی سے پناہ طلب کرتا ہے اور اولیائے کرام کا انکار کرنے والوں سے اور ان حضرات کو کافر کہنے والوں سے اور مقلدین کے اجتہاد سے اور بدعتی لوگوں سے اور بزرگانِ دین پر لعن وطعن سے برات اور بیزاری ظاہر کرتا ہے۔''

''ہر جماعت دوسری جماعت کے بزرگوں کی عیب جوئی اور نکتہ چینی میں مبتلا ہے اور افراط تفریط کی راہ پر چل رہی ہے۔ اعتدال ومیانہ روی سے دور جاپڑی ہے۔ یہ فقیر اعتدال اور توسط کا دامن تھامے ہوے ہے۔ ''فی کل خلف من امتی عدول من اهل بیتی الخ'': میری امت کے ہر پچھلے دور میں

میرے اہل بیت میں عادل اور ثقہ اشخاص ہوں گے جو اسلام کو غالی افراد کی تحریف سے اور باطل اشخاص کی حلیہ سازی سے اور جاہل لوگوں کی جعل سازی سے محفوظ رکھیں گے۔ میں امید کرتا ہوں کہ میرا شمار بھی ان ہی عادل اور ثقہ افراد میں ہوگا اور میں بھی لوگوں کو افراط وتفریط اور غلو وتعصب سے باز رکھوں گا۔"

(فصل الخطاب: ص:۳۱)

"کسی اختلافی مسئلہ میں ایک ہی جانب کے حق وصواب ہونے کا یقین کر لینا اور اسی کو ترجیح دینا اور اس میں تعصب سے کام لینا غیر مناسب بات ہے۔ اور اختلافی مسائل میں ایک دوسرے پر لعن وطعن اور تعریض وتشنیع نہ کریں۔ کیوں کہ وہ بھی کسی دلیل ہی کے تحت مسئلہ کو اختیار کئے ہوں گے اگرچہ کہ وہ دلیل ضعیف ہی کیوں نہ ہو۔ اگر ان میں سے کسی ایک کو نیکی اور صلاحِ وقت خیال کریں تو احتیاط اور توقف سے کام لیں اور اختلاف وتفریق اور نزاع کے بھنور میں نہ پھنس جائیں اور اسی روش میں سلامتی تصور کریں۔

"بعض مسائل میں ضعیف اقوال نقل کرنے سے فقیر کا مقصد عالی حضرات کی زبان بند کرنا ہے تا کہ وہ جان لیں کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور اختلافی مسائل میں ہر ایک کو اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے۔ فربکم اعلم بمن ھواھدیٰ سبیلا: تم میں زیادہ ہدایت کی راہ پر کون گامزن ہے وہ تو اللہ ہی جانتا ہے۔ مرجوح روایات اور ضعیف اقوال کو دیکھتے ہوئے یہ خیال نہ کریں کہ فقیر کے مسلک کی بنیاد ضعیف اقوال پر ہے۔"

(فصل الخطاب: ص:۲۴)

حاصل کلام!

سیاق میں حضرت قطب ویلور کے مسلک کو نمایاں طور پر اس لئے پیش کیا گیا ہے کہ آپ کے دور میں خود سنّی علماء اور سنی فرقوں کے درمیان متعدد مسائل مثلاً نذر اموات، فاتحہ، دسواں، بیسواں، چہلم، میلاد النبیؐ، ندائے رسولؐ، استمداد بالقبور، علم غیب، تبرک، توسل واستغاثہ، دوگانہ قادریہ وغیرہ کے جواز و عدم جواز سے متعلق شدید اختلافات کھڑے ہوگئے تھے۔ علماء میں بعض حضرات نے تشدد وغلو کا رویہ اختیار کرلیا تو بعض نے تعصب کی روش اختیار کی تھی اور نوبت بایں جا رسید کہ اہل سنت کے علماء اور سنّی فرقوں کے درمیان باہمی تحقیر وتذلیل، نفرت وعداوت اور تکفیر وتضلیل کا ماحول پیدا ہوگیا تھا۔ اس لئے حضرت قطب ویلور نے اختلافی وفروعی مسائل میں اعتدال وتوازن اور توسط ومیانہ روی کی دعوت دی اور آپ کی

یہ آواز جنوب کے اکثر و بیشتر علاقوں میں پھیل گئی۔

حضرت قطب ویلور کے مسلک و موقف کی ان ہی امتیازی خصوصیات (مثلاً اعتدال و توازن، میانہ روی، توقف، احتیاط، صلح کل، عدم تشدد، غلو اور تعصب کے فقدان) کی وجہ سے آج بھی یہ مسلک خواص اور عوام میں رائج ہے۔ اس مسلک کی بقاء و استحکام میں جہاں اس کی ذاتی خوبیوں کا دخل ہے وہاں بعض دوسرے اسباب بھی ہیں۔ ان میں سے ایک طاقت ور اور مؤثر سبب حضرت قطب ویلور کے خلفاء کی تدریسی وتحریری اور تقریری کاوشیں ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ کسی بھی مسلک اور موقف کو دوام و استمرار اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے، جب کہ اس کے مزاج اور منہاج کے مطابق اشخاص کی تربیت کا سلسلہ جاری رہے۔ چنانچہ مسلکِ قطبِ ویلور کے بقاء کے لئے دو عظیم درس گاہیں وجود میں آئیں۔ ایک دار العلوم لطیفیہ ویلور ہے جس سے فارغ ہونے والے علماء وفضلاء اور حفاظ اسی مسلک کے پیرو اور داعی رہے اور آج بھی ہیں۔ دوسری درس گاہ مدرسۂ باقیات صالحات ویلور ہے۔ جو حضرت قطبِ ویلور کے ارشاد پر آپ کے مرید وخلیفہ شمس العلماء حضرت مولانا مولوی شاہ عبدالوہاب قادری ویلوری نے قائم کیا۔ جس سے ہزاروں تشنگانِ علم نے سیرابی حاصل کی، اور آج بھی اس کا چشمۂ فیضان جاری ہے۔

مسلکِ قطب ویلور کی اشاعت میں آپ کے خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالحی واعظ بنگلوری کے خطبات اور تصنیفات کا بھی بڑا دخل ہے۔ چنانچہ ماضی قریب تک بھی آندھرا، کرناٹکا اور ٹمل ناڈو کے اکثر شہروں میں محرم الحرام، ربیع الاول اور ربیع الثانی میں امام حسین رضی اللہ عنہ، رسول کریم ﷺ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کی سیرت وسوانح پر مشتمل شاہ صاحب کا منظوم کلام پڑھا جاتا تھا اور یہ سلسلہ ان مخصوص مہینوں سے گزر کر پیوستہ مہینوں تک بھی چلتا رہتا تھا اور اس کے لئے مختلف جگہوں میں مجلسیں آراستہ ہوتی تھیں، جن میں مردوں کے علاوہ عورتیں بھی کثیر تعداد میں شریک ہوا کرتی تھیں۔ واعظین کرام شاہ صاحب کے منظوم کلام کی وضاحت کے ساتھ ساتھ حالاتِ حاضرہ اور مسائل ضروریہ پر بھی روشنی ڈالتے تھے جس کی وجہ سے دعوت واصلاح اور تبلیغ کا کام انجام پا رہا تھا۔ مولانا عبدالحی نے بیس ہزار اشعار میں نبی کریم ﷺ کی سیرت کو نظم کیا ہے اور اس مجموعہ کا نام "جنان السیر فی احوالِ سید البشر" رکھا ہے۔ اس کتاب کی مقبولیت کا یہ عالم رہا ہے کہ وہ کرناٹک اور آندھرا میں مسلمانوں کے گھر گھر پہنچی اور لوگ اپنی

لڑکیوں کی شادی میں قرآن کریم کے ساتھ سیرِ شریف کا نسخہ بھی ضرور دیتے تھے۔ پروفیسر میر محمود حسین فرماتے ہیں:

''کرناٹک اور جنوبی ہند میں یہ کتاب گھر گھر پہنچی مسلمانوں میں قرآن مجید کے بعد اس کی تلاوت سب سے زیادہ رائج ہے۔ ہمارے یہاں لڑکی کو جہیز میں قرآن شریف کے ساتھ سیر شریف کا نسخہ بھی ضرور دیا جاتا ہے۔''

بقول ڈاکٹر حبیب النساء بیگم:

''شاید ہی ریاستِ میسور کا کوئی ایسا گھر ہوگا۔ جس میں قرآن شریف کے بعد اس کتاب کا پڑھنا اور رکھنا باعث خیر و برکت نہ سمجھا جاتا ہو۔'' (دار العلوم لطیفیہ کا ادبی منظر نامہ: ص:۲۳۱،۲۳۲)

غرض اس کتاب کے ساتھ جنوبی ہند کے مسلمانوں کے شغف اور قلبی ارتباط کا یہ عالم تھا کہ جو لوگ حجاز (سعودی عرب) ہجرت کر گئے تھے تو وہاں بھی اپنی عادت کے مطابق مخصوص مہینوں میں ''جنان السیر'' کے پڑھنے پڑھانے اور سننے سنانے کا اہتمام کیا کرتے تھے اور عازمین حج بھی اپنے ساتھ جنان السیر لے جایا کرتے تھے اور حرم مکی اور حرم مدنی کی پر کیف نورانی فضاؤں میں پڑھا کرتے تھے۔

مولانا عبدالقادر صوفی فرماتے ہیں:

خصوصاً جنان الیسر کے تئیں دیا ایسی شہرت خدائے متین

کہ دکن سے لے تا بہ ہندوستان ہے ہر شہر و قریہ میں اس کا نشان

حرم بیچ مکے مدینے کے بھی! پڑھا کرتے ہیں ہندیاں اس کو بھی

(جنان السیر: چمن ہفتم: ص:۴۵۲: بحوالہ احقر بنگلوری)

مولانا عبدالحی نے مختلف دینی اور اصلاحی موضوعات پر ''خطبات حرمین شریفین'' کے نام سے خطبات لکھا ہے۔ ان کی مقبولیت کا یہ عالم رہا کہ جنوب کی اکثر و بیشتر مسجدوں میں ائمہ کرام جمعہ میں یہی خطبات پڑھتے تھے۔ اس طرح مولانا عبدالحی کی ذات گرامی سے مسلکِ قطب ویلوری خوب پھلا اور پھولا۔

میر محمود حسین فرماتے ہیں:

''یہ اردو میں خطبوں کا پہلا مجموعہ ہے اس سے پہلے نہ جنوبی ہند میں ایسا کوئی مجموعہ منظر عام پر آیا

اورنہ شمالی ہند میں۔" (مقالاتِ محمود: ص:۱۱۳: بحوالہ دارالعلوم کا ادبی منظر نامہ)

مولانا عبدالحی کے علاوہ حضرت قطب ویلور کے دوسرے خلفاء مولانا عبدالرحیم ضیاؔ حیدر آبادی، مولانا عبدالغفار مسکینؔ، مولانا میر محی الدین (مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی کے پوتے) مولانا شاہ ولی اللہ دھارواڑ وغیرہ کی تقریری اور تحریری کاوشیں بھی مسلکِ قطب ویلور کی اشاعت اور بقاء میں موثر ثابت ہوئیں۔

پانچواں باب
حضرت قطبِ ویلور
کے تلامذہ و خلفاء کی علمی و ادبی اور دینی خدمات

مولانا شاہ عبدالحی واعظ بنگلوری

حضرت قطبِ ویلور کے خلفاء میں ممتاز ترین خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالحی واعظ احقر بنگلوری ہیں۔آپ اپنے وقت کے مشہور ومعروف عالمِ باعمل، فاضلِ بے بدل، معتبر ومحتاط مفسرِ قرآن، مستند و ماہر محدث، وسیع النظر وزمانہ شناس فقیہہ، متشرع ومتورع صوفی، قادرالکلام وبدیہہ گوشاعر، صاحبِ طرز انشاء پرداز وادیب اور منفرد سوانح نگار تھے۔

مولانا عبدالحیؒ کا خاندان سلطنتِ خداداد سے وابستہ تھا۔آپ کے فرجد حیدر بیگ تل، منگل اور سنٹی کپہ کے جاگیردار تھے آپ کے دادا کریم بیگ کے برادرِ حقیقی قادر علی بیگ اعظم پور ضلع چکمنگلور کے عملدار تھے اور آپ کے والد ماجد ابراھیم بیگ ترویکرہ کے عمل دار تھے۔

(علامہ احقر بنگلوری:ص:۵۲:ڈاکٹر سید قدرت اللہ میسور)

اس طرح سے یہ خاندان کئی پشتوں سے فوج داری اور دیوانی کے اعلیٰ منصب پر متمکن رہا۔آپ کی والدۂ ماجدہ کا سلسلہ نسب سات گڈھ، پیاری بیگم پیٹھ (موجودہ پیارم پیٹ شمالی آرکاٹ) کے ایک معروف صاحب علم وعرفان بزرگ حضرت شاہ آدم تک پہنچتا ہے۔آپ کے والدِ ماجد ابراھیم بیگ سلطنتِ خداداد کے سقوط کے بعد اپنے فوجی منصب سے معزول ہوکر بنگلور پہنچ گئے جہاں آپ کا سسرال اقامت گزیں تھا۔آپ کے دادیہال میں باپ، دادا سیاست وقیادت اور حرب وضرب کی دنیا سے جڑے ہوے تھے۔تو آپ کا نانیہال علم وفن اور سلوک وتصوف کی شمع فروزاں کئے ہوے تھا۔جس کی وجہ سے مولانا عبدالحیؒ کی ذات میں حرب وضرب، علم وادب اور رزم و بزم کی صفات وخصوصیات جمع ہوگئیں۔لیکن قوت سے فعل کے دائرہ میں علم وادب کی صفات کا ظہور ہوا۔

مولانا عبدالحیؒ کی تاریخ پیدائش میں بہت اختلاف ہے۔پروفیسر یوسف کوکن کی انگریزی

تصنیف ''عربک اینڈ پرشین ان کرناٹک، ص: ۵۰۲ میں ۱۳۳۴ ثبت ہے۔

ڈاکٹر حبیب النساء کا بیان ہے۔'' آپ (شاہ عبدالحی بنگلوری) کے ارشاد کے مطابق ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۸۸۴ء میں آپ کی عمر اٹھاون سال تھی۔ اس لحاظ سے آپ کا سن ولادت ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۱۶ء ہے۔ (ریاست میسور میں اردو کی نشونما: ص ۱۸۱: ڈاکٹر حبیب النساء)

علیم صبا نویدی کا کہنا ہے کہ حضرت احقؔر کی ولادت ۱۲۳۴ھ میں ہوئی۔''

(جنوب کا شعر و ادب: مرتب: ڈاکٹر محمد علی اثؔر حیدرآباد: ص: ۸۱: م: مطبوعہ ۱۹۹۳ء مدراس)

مولانا عبدالحیؒ بنگلوری کی تصنیف ''جواھر العقائد'' کے اختتامیہ میں جو تاریخ درج ہے وہ یہ ہے.

''شہر بنگلور میں بروز دوشنبہ ماہ جمادی الاول ۱۲۳۲ھ میں حضرت واعظؔ کا تولد ہوا۔ اور آپ کے والد نے اس نومولود کا نام بڈھن بیگ رکھا۔''

غرض ۱۲۳۴ھ کی تاریخ پر اکثر اہلِ قلم کا اتفاق ہے۔ حضرت عبدالحیؒ شہر بنگلور میں اپنے نانیہال کے گھر میں ماہ جمادی الاول ۱۲۳۴ روزِ دوشنبہ کو پیدا ہوئے۔

اسماء کی تصغیر اور والدین کی سادہ لوحی کے باعث آپ بڈھن کے نام سے موسوم ہو گئے، جسے بعد میں آپ کے اساتذۂ کرام نے آپ کا نام بدل دیا۔ بقول ڈاکٹر سید قدرت اللہ:

''لفظِ بڈھن غالباً برہان کا ترمیم شدہ لفظ ہے۔ جن اساتذہ کے روبرو آپ نے زانوئے ادب تہہ کیا، انھوں نے آپ کو بڈھن کے بجائے عبدالحیؒ نام رکھا۔ (علامہ احقر بنگلوری: ص: ۶۰)

آپ کی بسم اللہ خوانی بنگلور کے مشہور بزرگ حضرت مولانا شاہ محمد قادری سے ہوئی۔ ناظرہ قرآن قاری سید باقر اور مولانا محمد غوث سے پڑھا اور عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم مولانا قاضی محمد جعفر سے حاصل کی۔ شہ سواری، تیراندازی، پہلوانی اور سپہ گری کی تعلیم و تربیت کرناٹک کے مشہور ماہر فنون سپہ گری جناب استاذ خان سے حاصل کی اس طرح آپ نے بزم کے ساتھ رزم میں بھی آبائی نسبت پیدا کر لی۔

مولانا عبدالحیؒ جب پندرہ سال کے ہوئے تو والد ماجد نے آپ کو حضرت مولانا سید شاہ سجاد بخاری کی خدمت میں تحصیل علم کے لئے بھیج دیا اور آپ نے ان سے عربی و فارسی کی کتب متداولہ کا درس لیا اور ان کے اندر عبور پیدا کر لیا۔ جیسا کہ دیباچہ'' حدیقۃ الاحباب'' میں مرقوم ہے۔

''چوں نخل قامتش بخیابانِ شعور نہاد بخدمتِ قدوۃ العارفین زبدۃ الواصلین حضرت سید شاہ سجاد شطاری بخاری عبور کتب متداولہ فارسیہ وعربیہ نمود۔''

(دیباچۂ حدیقۃ الاحباب:ص:۶: مطبع محمدی۔ بنگلور ۱۲۸۹ھ)

بخاری صاحب کی خدمت میں آپ تین سال تک زیرِ تعلیم رہے اور آپ کے اندر علم کی تشنگی میں اضافہ ہوتا گیا۔ اور آپ بخاری صاحب کی زبان سے اکثر اوقات حضرت قطب ویلور کے علم وفضل اور تزکیہ سے متعلق تعریف سنا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے آپ کے قلب میں حضرت قطب ویلور کی عظمت و عقیدت پیدا ہوگئی اور غائبانہ طور پر ایک قلبی لگاؤ ہوگیا۔ ۱۲۵۳ھ مطابق ۱۸۳۷ء میں حضرت بخاری دارِ فانی سے کوچ کر گئے تو آپ کو بڑا گہرا صدمہ پہنچا۔ اس واقعہ پر پانچ سال بیت گئے۔ ایک رات خواب میں حضرت قطب ویلور کو دیکھا کہ ان سے استفادہ کررہے ہیں۔ اس کے چند دن بعد یہی خواب پھر دیکھا تو آپ نے اس کو لطیفۂ غیبی سمجھا اور حضرت قطب ویلور سے اکتسابِ فیض کا عزم صمیم کرلیا اور ۱۲۵۸ھ میں ویلور پہنچے اور حضرت قطب ویلور کے آبائی وخانقاہی مدرسہ میں داخل ہوئے۔ مولانا عبدالحیؒ نے حضرت قطب ویلور اور مولوی سید محی الدین قادری اور دیگر اساتذۂ روزگار سے مختلف ومتعدد علوم وفنون کی تکمیل کی اور سلوک کی تعلیم حضرت قطب ویلور سے حاصل کی۔ ۱۲۵۸ھ میں بیعت سے مشرف ہوئے۔ ۱۲۶۰ء میں سندِ خلافت واجازتِ وعظ سے سرفراز ہوئے اور تیس سال تک حضرت قطب ویلور کے زیرِ تربیت رہے اور اکتساب علم وفیض فرماتے رہے۔ چنانچہ دیباچہ ''حدیقۃ الاحباب میں مذکور ہے:

''درسنہ ہزار ودوصد پنجاہ وہشت وارد ویلور گردیدہ دستِ ارادت بدامن بیعت فرد یگانہ قطب زمانہ مشہور نزدیک ودور حیین ویلور حضرت مولانا مرشدنا مولوی حافظ سید عبداللطیف شاہ محی الدین قدّ سرہٗ درزدہ اقتباس انوار فیض ظاہری وباطنی کردن گرفت واشتغال دررسائل تصوف وسلوک نمودن ودیگر کتب تداول ضروریہ دینیہ ورسائل عربیہ عالیہ ورسمیہ پیش فیاض زماں سالک علم وعرفان حضرت مولوی سید محی الدین کہ بزیرآن قطب زماں بودودیگر اساتذۂ اجلہ تحقیق فرمودودرسن ہزار ودوصد وشصت اجازت وعظ و ارشاد گرفت خرقۂ خلافت بدستِ مرشدنا تازہ نمود۔'' (دیباچۂ ''حدیقۃ الاحباب:ص:۷)

مولانا عبدالحیؒ نے اپنی تعلیم، سفر ویلور اور تواریخ وغیرہ کی وضاحت درج ذیل اشعار میں کی ہے:

شاہ سجاد اس کا نام ہمام	لوگ بڑھتے تھے اس سے علم مدام
میرے والد نے پس مجھے بھی لے جا	اس کی خدمت سے بہرہ یاب کیا
تا کروں اس سے طالب علمی	پا نزدہ سال کی تھی عمر میری
الغرض تین سال تک مسرور	استفادہ کیا میں اس کے حضور
اور سنتا تھا اس سے میں ہر حال	شیخ ویلور کا بھی فضل وکمال
سن تھا بارہ سے اور ترپن جب	شاہ سجاد پایا رحلت جب
ایک مدت تک بشام وسحر	رہا اس کے فراق میں مضطرب
دیکھا یک رات بعد ازاں در خواب	شیخ ویلور کا رفیع جناب
مستفید اس سے درمنام ہوا	ہم جلیس وہم کلام ہوا
بعد ازاں عنقریب باردوم	پہنچا رویا میں اس سے فیض بہم
پس سفر میں کیا سوئے ویلور	اور پہنچا وہ رہنما کے حضور
سن تھا بارہ سے اوراٹھاون	پیر کی رات تھی وہ قطب زمن
قادریہ طریق بیچ بہ ھم	مجھ سے بیعت لیا بلطف اعم
مدت تیس سال مجھ کو خدا	زیر ظل ظلیل مجھ کو رکھا

(مطلع النور:ص:۶۲)

مولانا عبدالحی تعلیم وتربیت کی تکمیل اور بیعت وخلافت اور اجازت سے شرف یاب ہونے کے بعد ویلور سے رخصت ہوگئے۔ لیکن شیخ محترم سے اپنا ربط وضبط برابر قائم رکھا اور شیخ کی خدمت میں برابر حاضری دیتے رہے اور جب بھی کوئی علمی اشکال اور کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو مراسلت کے ذریعہ حضرت قطب ویلور کی جانب رجوع فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت قب ویلور کے مکتوبات میں بہت سارے خطوط مولانا عبدالحی کے نام پائے جاتے ہیں۔ جن میں مولانا عبدالحی نے کئی ایک غامض اور دقیق مسائل کی وضاحت طلب کی ہے۔

حضرت قطب ویلور، مولانا عبدالحی کو حد درجہ محبوب رکھتے تھے اور بہت سارے معاملات میں

آپ پر اعتماد کرتے تھے۔ شہر بنگلور میں ایک موقعہ پر بڑا فتنہ کھڑا ہو گیا تھا اور وہاں کے لوگ اختلاف اور انتشار کا شکار ہو چکے تھے تو حضرت قطب ویلور نے اس کے انسداد کے لیے وہاں کے چند بااثر حضرات کے نام ایک مفصل تحریر روانہ کی اور لکھا کہ اس مکتوب کو مولانا عبدالحی یا مولانا شاہ عبدالوہاب (بانی باقیات الصالحات، ویلور) یا مولانا محمد حنیف سے سنوائیں۔ یہ حضرات صاحب علم ہیں اور ان حضرات کو بھی روانگی سے قبل تاکید فرمائی کہ وہاں کے مسلمانوں میں صلح صفائی اور امن پیدا کریں۔

''این نامہ از زبانِ عبدالحی صاحب یا مولوی محمد حنیف صاحب یا مولوی عبدالوہاب شنوند کہ صاحبِ علم اند۔'' (مکتوبات لطیفی: قلمی مخطوطہ)

مولانا عبدالحی کے قلب میں اپنے شیخ مربی و مرشد روحانی حضرت قطب ویلور کے ساتھ والہانہ و عاشقانہ اور فداکارانہ و جان نثارانہ محبت و الفت تھی۔ جس کا اظہار انھوں نے اپنی شاعری میں جابجا کیا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی بعض منظوم تصانیف کے اندر حمد و نعت کے بعد حضرت قطب ویلور کی منقبت میں چند اشعار کا التزام کیا ہے۔ ''چہار گلشن'' کے شروع میں رقمطراز ہیں:

شیخ الشیاخ سید سادات — ذو الکمالات منبع برکات
مجمع سیرتِ حسینؓ و حسنؓ — خلف ابوالحسن، شہیرِ زمن
جامع علم و ظاہر و باطن — معدنِ فیض بارز و کامن

(چہار گلشن: ص: ۷؛ مطبوعہ ۱۳۰۳ھ مطبع محمدی بنگلور)

'جنان السیر' کے چمن اول میں بایں الفاظ حضرت قطب ویلور کی مدح و توصیف کی ہے:

اوج حقائق کا ہے بدر منیر — ملک کے معارف کا امیر و کبیر
ملتِ اسلام کا رکن رکین — صاحبِ دل حامیٔ دین محی الدین
عالم و فاضل ہے شریعت میں وہ — عارف کامل ہے طریقت میں وہ
پس ہے مرا شیخ مقدم وہی — رہبر اول ہے، معظم وہی

(جنان السیر فی احوال سید البشرؐ: ص: ۲۷)

''تنویر العقول فی اسلام آباء الرسول:'' میں لکھتے ہیں:

جس کا ہر نائب ہے فرد بے نظیر — خاص کر اس عصر میں میرا ہے پیر

عالم دیں، حافظ قرآن ہے — صاحب عرفان اور وجدان ہے

در علوم ظاہری و باطنی — اس کو اہل عصر بر ہے برتری

(تنویر العقول فی اسلام آباء الرسول: ص: ۳: تاریخ مصر کے ساتھ: مطبع مظہر العجائب مدراس سے شائع ہوی ہے)

حضرت قطب ویلور کے وصال کے بعد مولانا عبدالحی نے مزید اکتساب فیض جسمانی کے خیال سے حضرت سید احمد شہید کے خلیفۂ رشید حضرت مولانا سید محمد علی واعظ رامپوری کے ہاتھوں پر بیعت کی اور سلسلۂ نقشبندیہ میں خلافت حاصل کی اور اس طرح مولانا عبدالحی کی ذات گرامی سلسلۂ شاہ ولی اللہ اور سلسلۂ اقطاب ویلور کے روحانی فیوض و برکات کی مجمع البحرین بن گئی۔

اس مقام پر ایک حقیقت کا انکشاف فائدہ سے خالی نہیں۔ مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حضرت قربیؔ ویلوری یہ دونوں ہم عصر رہے اور دونوں کی ذات سے وسیع پیمانہ پر تعلیم و تزکیہ کا سلسلہ چل پڑا۔ شمال میں شاہ ولی اللہ کی ذات سے ایک مستقل مکتبۂ فکر وجود میں آیا جو سلسلۂ ولی اللہی کے نام سے موسوم و مشہور ہوا اور جنوب میں حضرت قربیؔ کی ذات سے ایک مکتبۂ فکر وجود میں آیا جو سلسلۂ اقطاب ویلور کے نام سے موسوم اور مشہور ہوا۔ جسے بعد میں حضرت قربیؔ کی اولاد اور خلفاء نے سارے جنوب میں پھیلا دیا اور شمال و جنوب میں دونوں مکاتیب فکر کے اثرات و برکات آج بھی پھیلے ہوئے ہیں اور ایک خاص بات یہ ہے کہ ان دونوں سلسلوں کے علماء و مشائخ کے درمیان ربط وضبط اور دینی امور معاملات میں حمایت کا سلسلہ بھی قائم رہا۔ چنانچہ تحریک ندوۃ العلماء اور تحریک سید احمد شہید، جس کی فکر و نظر اور فہم و بصیرت پر ولی اللہی رنگ رہا ہے جب یہ تحریکات جنوب کی سرزمین پر قدم رکھیں تو یہاں کے علماء و مشائخ اور عوام کی اکثریت نے ان کو وہابیت کے مترادف سمجھتے ہوئے رد کر دیا تھا۔ ان حالات میں سلسلۂ اقطاب ویلور کے علماء اور مشائخ نے ان کا ساتھ دیا۔ جس کی وجہ سے یہ تحریکات علاقۂ مدراس میں اپنے قدم جما سکیں چنانچہ حضرت قطب ویلور کے خلف صالح حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ محمد قادری سجادہ نشین خانقاہ حضرت قطب ویلور نے تحریک ندوہ کی حمایت فرمائی اور مولانا عبدالحی نے تحریک سید احمد شہید کی حمایت فرمائی اور اس

حمایت میں آپ کے پیر بھائی مولانا شاہ عبدالوہاب قادری خلیفہ حضرت قطب ویلور بانی مدرسۂ باقیات ویلور بھی آپ کے دوش بدوش تھے۔ سلسلۂ اقطاب ویلور کے علماء ومشائخ وسیع الخیال، وسیع النظر اور وسیع المشرب واقع ہوئے اور یہ حضرات مسلمانوں کے درمیان تعلیم وترقی، صلح وامن اور اتحاد واتفاق کے معاملہ میں اختلافِ فکر ونظر کے باوجود ایک دوسرے سے قریب ہوئے اور باہمی ربط وضبط اور تعاون وتناصر کی فضا قائم رکھی اور چھوٹی چھوٹی باتوں اور اختلافی وفروعی مسئلوں کو کبھی لائقِ اعتنا نہیں سمجھا اور ایک دوسرے کی تحقیر وتذلیل اور تکفیر کے درپے نہیں رہے۔

مولانا عبدالحی نے تحریک سید احمد شہید کی تائید وحمایت میں اپنی زبان وقلم کو جنبش دی رسالے لکھے اور اس کے مخالفین ومعترضین کے ساتھ مباحثے اور مناظرے کئے اور اس کے تعلق سے شکوک وشبہات کو رفع کیا۔ اور جب آپ اور حضرت قطب ویلور اور حضرت مولانا سید محمد علی واعظ رام پوری وغیرہ کی ذات سے متعلق اعتراضات ہوئے تو آپ نے علی الاعلان کہہ دیا:

''یہ احقر مولوی حافظ سید شاہ محی الدین قادری (حضرت قطب ویلور) مولانا سید محمد علی واعظ رام پوری (خلیفۂ سید احمد شہید بریلوی) اور مولانا مولوی نواب خوان عالم خان مدراسی (خلیفۂ سید واعظ رام پوری) کا بہ دل معتقد ہے۔ اگر ان بزرگوں کے ساتھ کسی کو کچھ کلام ہے تو اس احقر کے ساتھ بحث کریں۔ بعون اللہ جواب دینے حاضر ہوں۔ یہ بزرگان اکابرین اور پیشوایانِ اہل سنت وجماعت اور آثار سلف صالحین ہیں۔''

مولانا عبدالحی نے اپنی ساری زندگی دعوت وتبلیغ، رشد وہدایت، اصلاح وتذکیر اور تصنیف وتالیف میں گزاری اور جنوب کی تین ریاستوں آندھرا، تمل ناڈو اور کرناٹک کے اکثر وبیشتر شہروں، دیہاتوں اور قصبوں میں تبلیغی اور دعوتی سفر کرتے رہے اور ہر مقام پر آپ کے مواعظِ حسنہ ہوتے رہے۔ جن کی برکت اور اثر سے مسلم معاشرہ میں پھیلی ہوئی اکثر بدعات وخرافات ختم ہوگئیں۔ اور لوگوں میں سنتِ نبویؐ سے انس وشغف اور اس پر عمل کا جذبہ بیدار ہوگیا۔ مولانا ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی کا بیان ہے:

''چن رائے پٹن ضلع ہاسن کے باہر ایک چلہ گاہ تھی۔ ہر جمعرات مرد اور عورتوں کا ہجوم رہتا۔ عورتیں ڈھول بجاتی اور گایا کرتی تھیں۔ منتیں اور مرادیں مانگی جاتی تھیں۔ چلہ پرستی کا یہ سلسلہ قدیم زمانہ

سے چلے آرہا تھا۔ کسی کو روکنے کی جرأت نہ تھی۔ علامہ احقرؔ کو ۱۲۶۴ھ کے اواخر میں دعوت دی گئی۔ آپ کے وجد آفریں خطبات کا سلسلہ شروع ہوا۔ جس سے سامعین میں ایک اضطرابی کیفیت پیدا ہوگئی۔ لوگ اپنے اپنے گھر گئے اور بیلچے اور کدالی لے دوڑے اور چلّہ گاہ کو بیخ و بن سے اکھیڑ پھینک دیا۔''

''سرا، کرناٹک کا ایک اہم شہر ہے۔ اس جگہ ایک عرب شاہ کا مقبرہ تھا۔ جس میں ایک تصویر تھی۔ اس تصویر پر عقیدت کے پھول چڑھائے جاتے تھے۔ عوام کی غیر شرعی حرکات سے متاثر ہوکر علامہ احقرؔ ایسے دل سوز خطبہ دئے کہ محفل میں آنسوؤں کی جھڑیاں لگ گئیں۔ تیسری جمعہ خطبہ کے دوران سامعین بے قابو ہوگئے اور بعدِ نماز مجاور اٹھا اور اس مقبرہ میں لٹکی ہوئی تصویر کو پارہ پارہ کردیا۔''

(علامہ احقر بنگلوری: ص: ۹۳، ۹۵)

مولانا عبدالحیؒ کے قلم سے سو سے زائد کتابیں وجود پذیر ہوئیں۔ دعوت و تبلیغ کے باب میں آپ کا تاریخ ساز انوکھا کارنامہ جمعہ کے خطبات کی تدوین و ترتیب اور اشاعت ہے۔ آپ سے پہلے ایسی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ سب سے پہلے آپ ہی نے خطبۂ جمعہ کے تذکیری پہلو کے فائدے کو عام کرنے کے لئے جمعہ کے خطبہ کو اردو زبان میں دینے کا طریقہ رائج کیا اور ''خطبات حرمین شریفین'' کے نام سے ایک مجموعہ تیار کیا۔ آپ کی یہ اولین اور عدیم النظیر کوشش اس قدر بارآور اور مقبولِ خاص و عام ہوئی کہ جنوب کی تین ریاستوں آندھرا، کرناٹکا اور ٹمل نادو کی اکثر و بیشتر مساجد میں ائمہ مساجد یہی خطبات پڑھتے رہے اور یہ سلسلہ ربع صدی قبل تک جاری تھا۔ راقم الحروف کے دادا محترم حضرت مولانا مولوی منشی عبدالصمد قریشی، امام اعظم خواجہ مسجد ادھونی، ضلع کرنول، آندھرا، (متوفی ۱۹۳۸ء) نے بھی خطبات کی تدوین کی ہے۔ جن میں ہر ماہ کی مناسبت سے خطبے تحریر کئے ہیں اور اس میں مولانا شاہ عبدالحی کے خطباتِ حرمین شریفین کے اقتباسات نقل کئے ہیں۔

اردو زبان میں آپ کا اولین اور عظیم الشان تاریخی کارنامہ یہ ہے کہ سب سے پہلے آپ ہی نے رسولِ کریم ﷺ کی حیات مقدسہ کو نظم کے سانچہ میں ڈھالا اور ''جنان السیر'' کے نام سے بائیس ہزار ابیات پر مشتمل رواں دواں اور مسلسل و مربوط مثنوی تصنیف کی۔ اس کتاب کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ ربیع الاول میں گھر گھر، مسجد مسجد پڑھی اور سنی جاتی تھی۔ جس کی وجہ سے اس ماہ میں ہر طرف دینی و روحانی ماحول دیکھنے میں آتا تھا۔

جنان السیر (بارہ مجالس) کی طرح ''فوائد قدسیہ'' (گیارہ مجلس) نامی کتاب جو حضرت شیخ

عبدالقادر جیلانی کی منظوم سوانح ہے، ربیع الثانی میں بڑے ذوق وشوق اور اہتمام کے ساتھ بہت سارے گھروں میں پڑھی اور سنی جاتی تھی۔

اسی طرح ''شہادت نامہ'' (ترجمۂ سرّ الشہادتین'') بھی محرم الحرام میں پڑھی اور سنی جاتی تھی۔ جو حضرت حسینؓ کی شہادت اور اہل بیت کے فضائل ومناقب اور احوال پر مشتمل ہے۔

شہادت نامہ 'جنان السیر' فوائدِ قدسیہ کے پڑھنے اور سننے سے تذکرۂ صالحین کے فوائد سے امت بہرور ہورہی تھی۔ ماضی قریب میں ان مجالس پر بدعت کا حکم صادر کرتے ہوئے برخاست کردی گئیں۔

مولانا عبدالحیؒ نے پریس اور صحافت سے بھی اپنا رشتہ قائم رکھا۔ قومی وملی اور ملکی مسائل سے دل چسپی رکھتے تھے اور مختلف رسائل وجرائد میں اظہارِ خیال فرماتے تھے۔ آپ کی نگارشات متعدد رسالوں مثلاً منشورِ محمدیؐ، بزم غم، شمع سخن، کی زینت بنا کرتی تھیں اور آپ کی کتابوں پر تعارف وتبصرہ اور نقد ونظر اور تاریخی قطعات وغیرہ بھی وقتاً فوقتاً شائع ہوا کرتے تھے۔ شہر بنگلور کی ایک معروف تنظیم 'انجمنِ اسلام' جوردِ عیسائیت کے لئے کام کرتی تھی، آپ اس کے صدر تھے اور آپ اپنی صدارتی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دیتے تھے۔

مولانا عبدالحی کو فنِ حدیث اور صاحبِ حدیثﷺ کی ذاتِ بے نظیر کے ساتھ بے انتہا عشق تھا۔ آپ حافظ الحدیث تھے۔ ہزاروں حدیثیں از بر تھیں اور اپنے خطبات میں موضوع کی مناسبت سے بے شمار احادیث پڑھا کرتے تھے۔ آپ نے تقریر اور تحریر کے ذریعہ حدیث کی جو خدمت انجام دی ہے اس کی نظیر سارے جنوب میں ملنی مشکل ہے۔ آپ ہی نے سب سے پہلے اردو دان طبقہ کو بخاری شریف سے روشناس کروایا اور سب سے پہلے بخاری کی شرح لکھی۔ اس کے بعد ہی شمال اور جنوب میں بخاری کی شروحات کا سلسلہ چل پڑا اور اردو میں بخاری کے شارحِ اول ہونے کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ آپ اپنے محلہ کی مسجد میں روزانہ بعد نماز عشاء حدیث کا درس دیا کرتے تھے اور یہ سلسلہ اس قدر مقبول ومشہور ہوگیا کہ مختلف مساجد سے آپ کو درسِ حدیث دینے کے لئے مدعو کیا جاتا تھا اور آپ تشریف لے جاتے تھے اور ماہِ رمضان میں اس کام میں اور تیزی آجاتی تھی۔ نماز فجر، ظہر اور تراویح کے بعد بھی یہ سلسلہ چلتا رہتا تھا۔

علم الحدیث پر آپ کا شاہکار تاریخی، علمی اور افادی کارنامہ ''شرح بخاری فیض الباری'' ہے جو

آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ آپ نے یہ خدمت بڑے خلوص واہتمام اور آداب کے ساتھ انجام دی، جس نے امام بخاری کی تدوین حدیث کی یاد تازہ کردی۔ بقول مولانا اطہر:

"امام بخاری کو اجتماع حدیث میں جو انداز کہ ملحوظ تھا۔ دم تشریح واعظ کو بھی وہی لحاظ مرعی تھا۔ بخاری نے جب تک زمزم سے غسل نہ کیا حدیث تحریر نہ کیا۔ واعظ نے بھی اس کی شروح میں ہر روز شروحِ حدیث میں جب تک غسل نہ کیا، تسطیر نہ کی۔ بخاری نے حرمِ شریف میں تبعیض فی الحدیث ایک دوگانہ ادا کیا۔ واعظ نے بھی اس کی تفسیر میں بہ نیتِ اعتکاف خانۂ خدا میں وہی اہتمام پہنچایا۔

(دیباچہ فیض الباری: ص:۲)

مولانا عبدالحی عامل بالسنۃ اور فنافی الرسول بزرگ تھے۔ آپ کے دل میں مدینۂ منورہ میں دفن ہونے کی بڑی خواہش تھی اور یہ خواہش انھیں اپنے شیخ محترم حضرت قطبِ ویلور سے حاصل ہوی جنھوں نے آپ کے قلب میں یہ حقیقت بٹھادی کہ معراجِ جسمانی تو یہ ہے کہ سالک کے جسم کی خاک مدینۂ طیبہ کی خاک میں آمیختہ ہوجائے۔ (تذکرۂ مولانا عبدالوہاب: ص:۲۴)

مولانا عبدالحی نے رسول کریم ﷺ کی شان میں پچاس ہزار سے زائد اشعار کہا ہے۔ اور آپ کی زندگی کے آخری ایام میں جو اشعار صدور پذیر ہوئے انکے اندر صرف ایک ہی ذوق وشوق اور جذبہ وآرزو دکھائی دیتی ہے۔ کہ خدایا مجھے حرمِ نبوی میں دفن ہونے کی سعادت عطا فرما۔

یاالٰہی تری عنایت سے دولتِ حج و زیارت سے
دے مجھکو بہر عافیت کے ساتھ اور مدینہ میں دیجئے مجھ کو ممات
مجھ کو حرمین تک لے جا، یاں سے کہیں ہرگز لے جانہ پھر واں سے
مرا ملجا و مسکن کر مدینہ مرام بعث و مدفن کر مدینہ

(دلائل متقیہ: ص:۳۱) (زادالآخرت: ص:۲۱۸)

مولانا عبدالحی ۲، رجب ۱۳۰۰ھ کو حجازِ مقدس تشریف لے گئے۔ حج سے فارغ ہونے کے بعد دیارِ رسول پہنچ گئے۔ جہاں ۲۳، محرم الحرام ۱۳۰۱ھ مطابق ۱۸۸۳ء کو انتقال فرمایا اور اسی سرزمین میں دفن ہوئے۔

مولانا عبدالحی کو پانچ لڑکے اور ایک لڑکی تولد ہوئی۔ (۱) مولوی محمد عبدالقادر علی صوفی (۲) محمد

عبدالقیوم (۳) منشی محمد شمس الدین احمد (۴) مولوی محمد علی واعظ (۵) محمد ابراھیم (۶) امۃ اللہ

(علامہ احقر بنگلوری: ص: ۱۲۹؛)

مولانا عبدالحی کی اولاد میں فرزندِ اول حضرت مولانا مولوی محمد عبدالقادر علی صوفی پسر نمونۂ پدر است کے مصداق صاحبِ علم، صاحبِ قلم اور صاحبِ سخن تھے آپ کی بسم اللہ خوانی حضرت قطب ویلور سے ہوئی اور ان ہی کی دعا کی برکت تھی کہ حضرت صوفی نے علم و ادب میں ایک خاص مقام حاصل کیا۔

حضرت صوفی نے حضرت قطب ویلور سے اکتساب علم کا اعتراف بایں الفاظ کیا ہے:

تھا اس زمانہ کا وہ شیخ کبیر   وہی میرا اور میرے والد کا پیر

ملا اس کا دامن لڑکپن میں ہی   کہ بسم اللہ خوانی اسی سے ہوی

لڑکپن سے تا بحدِ شباب   اسی کی توجہ سے تھا فیض یاب

(علامہ احقر بنگلوری: ص: ۱۲۸)

مولانا عبدالحی کو مختلف علوم و فنون کے اندر کمال اور اختصاص حاصل تھا۔ آپ کے قلم سے ایک سو سے زائد کتابیں صدور پذیر ہوئیں۔ اس مقام پر آپ کی تمام کتابوں کا مکمل و مفصل تعارف و تبصرہ، نقد و نظر اور علمی احتساب ایک مشکل مرحلہ ہے۔ اس لئے ہم یہاں صرف پچاس کتابوں کے مختصر تعارف پر اکتفا کر رہے ہیں۔ مولانا عبدالحیؒ کی تصنیفات پر ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی نے اپنی گراں مایہ علمی و تحقیقی تصنیف ''علامہ احقر بنگلوری'' میں سیر حاصل جائزہ پیش کیا ہے۔

۱۔ تفسیر الجواھر: اردو زبان میں کلام پاک کی یہ پہلی مکمل منظوم تفسیر ہے۔ آپ سے پہلے کسی عالم و فاضل نے تفسیر کو نظم کے قالب میں پیش نہیں کیا۔ تفسیر الجواھر ۱۲۸۲ھ میں لکھی گئی ہے اور یہ نایاب ہے۔ صرف بعض تذکروں میں اس کے متعلق تہنیتی نظمیں اور قصیدے ملتے ہیں۔ یہ تفسیر منشی سید قادر پاشاہ قادری معسکر بنگلور سے شائع ہوی تھی۔ اور اس کا مادۂ تاریخ ''یاقوت تفسیر'' ہے۔

مژدہ اے دل ہوی تفسیر جواہر تیار   جس پہ ہوتے ہیں تصدق مہ و خورشید لیل و نہار

۲۔ تفسیر سورۃ فاتحہ: سورۂ فاتحہ کے فضائل نظم کئے گئے ہیں۔ خطبات حرمین شریفین میں اس کا خلاصہ درج ہے سورۂ فاتحہ سے متعلق فرماتے ہیں:

اور لطائف سے یہ سورہ کی ہے جان کہ نہیں ہیں سات حرف اس میں پہچان
یعنی ثا جیم خا ہے اور زا اور نہیں ہیں اس میں شین وظا و فا

۳۔تفسیر سورۃ المزمل: سورۃ المزمل کے مضامین کو نظم کے قالب میں ڈھالا گیا ہے۔

جو ذکر کا حکم اے مکمل آیا ہے بہ سورۂ مزمل
تفسیر میں اس کی یہ لکھا ہوں کرتا ہوں یہاں وہ نقل مضمون

۴۔فیض الباری شرح صحیح البخاری: اردو زبان میں بخاری شریف کی یہ پہلی مبسوط اور مکمل شرح

۵۔شرح ثلاثیات: اس رسالہ میں ایسی بائیس حدیثوں کی شرح کی گئی ہے جن میں امام بخاری اور حضور اکرم ﷺ تک صرف تین راوی ہیں۔ یہ رسالہ ۱۲۸۹ھ میں مطبع محمدی بنگلور سے شائع ہوا ہے۔

۶۔اربعینات: اس رسالہ میں ایسی چالیس احادیث کی شرح بیان کی گئی ہے جو عقائد، اعمال، اخلاق اور آداب کو گھیری ہوی ہیں۔

۷۔احادیث موجزہ: یہ رسالہ نثر میں ہے جس میں قلیل لفظ اور کثیر معانی کی حامل حدیثوں کو جمع کیا گیا ہے۔

۸۔شرح حدیث الدین النصیحۃ: شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی فارسی کتاب کا ترجمہ ہے۔

۹۔سعادتِ ابدیہ فی وظائف محمدیہ: یہ کتاب نثر میں ہے۔ جس میں نبی کریم ﷺ کے شب و روز کے اعمال و وظائف اور ماثور دعاؤں کو نقل کیا گیا ہے۔ مصنف نے لکھا ہے کہ میں نے اس کتاب میں علامہ ابن شیبہ، امام بیہقی، امام سمعانی، امام نووی اور ملا علی قاری کی اتباع میں مسنون دعاؤں کو جمع کیا ہے۔ یہ کتاب مطبع مسلمانی ویلور سے شائع ہوی ہے۔

۱۰۔تنبیہ العوام: یہ مثنوی ایک ہزار دو سو پچاس اشعار پر مشتمل ہے جس کے اندر مسلمانوں میں پھیلے ہوئے خرافات و بدعات کی نشان دہی کرتے ہوئے ان کے ترک کرنے کی ترغیب و تحریص اور تنبیہ و تاکید کی گئی ہے اور اسی کے ساتھ اسلام کے صحیح عقائد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کتاب کی اشاعت متعدد بار ہوی ہے۔ علمی پریس، لاہور سے چھپی ہے۔ جس کی کتابت کاتب محمد الدین اکبر الہ آبادی سیالکوٹی نے کی ہے اور یہ مطبوعہ نسخہ مولانا سید شاہ قدرت اللہ باقوی کے ذاتی وخانگی کتب خانہ کی زینت ہے۔

۱۱۔ تحفۃ المؤمنین: اس رسالہ میں فقہ کے احکام اور مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ مطبع محمدی، بنگلور لشکر گاہ سے شائع ہوا ہے۔ یہ کتاب فارسی نثر میں ہے اور فقہی مسائل واحکام پر مشتمل ہے۔ ''مفتاح الصلوۃ'' اسی کا دوسرا نام ہے۔ ہمدرد بک ڈپو، بنگلور سے شائع ہوی ہے۔

۱۲۔ مجموعۂ فتاوی: یہ مجموعہ فقہی احکام اور مسائل سے متعلق ہے اور تین ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔

۱۳۔ ترجمہ ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح: اس رسالہ میں میت کے احکام وغیرہ سے متعلق بحث ہے۔ یہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے رسالہ کا اردو ترجمہ ہے۔

۱۴۔ حکمت ماہ رمضان: رمضان کی فضیلت وعظمت اور مسائل واحکام پر ایک مختصر رسالہ ہے۔ اور کافی مشہور ہے مطبع محمدی، بنگلور سے شائع ہوا ہے۔

۱۵۔ خطبات حرمین شریفین: جمعہ کے خطبات کا ایک مجموعہ ہے اور یہ منظوم ہے۔ مولانا عبدالحی کے عہد میں عوام کے اندر نظم سے دلچسپی زیادہ تھی۔ اسی ذوق کو سامنے رکھتے ہوئے انھوں نے خطبات کو نظم کیا ہے۔ اردو زبان میں یہ اپنی طرز کی پہلی تصنیف ہے۔

۱۶۔ زادالآخرت: امام غزالی کی معروف کتاب ''زادالآخرت'' کو نظم کیا گیا ہے۔ اس میں دو ہزار شعر ہیں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد وغیرہ سے متعلق تفصیلات ہیں۔ ۱۲۷۰ میں مطبع محمد یہ بنگلور سے شائع ہوی ہے۔

۱۷۔ قرآن السعدین فی حقوق الزوجین: یہ منظوم رسالہ دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصہ میں تقریباً آٹھ سوابیات ہیں جن میں شوہر کے حقوق جو بیوی پر واجب ہیں، وہ بیان کئے گئے ہیں۔ دوسرے حصہ میں تقریباً ڈھائی سوابیات ہیں جن میں بیوی کے حقوق جو شوہر پر واجب ہیں، وہ بیان کئے گئے ہیں۔ مطبع فتح الکریم، بمبئی سے ۱۲۷۱ھ میں شائع ہوا ہے۔

تاریخ کہا زروئے جرأت آرام   کیا خوب رسالہ ہے حقوق الزوجین

۱۸۔ ترجمۂ حقیقت الاسلام: حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی فارسی کتاب ''حقیقت الاسلام'' کا ترجمہ ہے جس میں حقوق اللہ، حقوق العباد اور دیگر مختلف فقہی مسائل مثلاً نذر، مہر، قرض، امانت وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۲۰۔ تحقیق المحققین فی میلاد سید المرسلینؐ: اردو نثر میں ایک مختصر رسالہ ہے جس میں میلاد النبیؐ کے مسئلہ کا شرعی جائزہ لیا گیا ہے۔ کتب خانۂ دار العلوم لطیفیہ میں موجود ہے۔

۲۱۔ رسالۂ یاروف: ''نثر میں مختصر رسالہ ہے۔ جس میں اذکار اور وظائف بیان کئے گئے ہیں۔ ۱۲۷۹ھ میں مطبع محمدی، بنگلور سے شائع ہوا ہے۔ کتب خانۂ دار العلوم لطیفیہ میں موجود ہے۔

۲۲۔ رسالۂ سلام: حدیث اور فقہ کی روشنی میں سلام کے فضائل و مسائل اور آداب بیان کئے گئے ہیں۔

۲۳۔ رسالۂ مصافحہ: مصافحہ سے متعلق پر از معلومات رسالہ ہے۔ رسالۂ سلام، رسالہ مصافحہ اور رسالۂ فوائد قدسیہ یہ تمام رسالے ایک ہی مجموعہ میں شامل ہیں۔

۲۴۔ فضیلت علم و علماء: قرآن و حدیث کی روشنی میں علم اور اہلِ علم کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

۲۵۔ فوائدِ قدسیہ: یہ وہی کتاب ہے جو گیارہ مجالس کے نام سے عوام میں کافی مقبول اور معروف ہے۔ جس میں سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کی زندگی کے حالات نظم کئے گئے ہیں۔ ماضی قریب تک بھی یہ کتاب جنوبی ہند کے اکثر شہروں میں گھر گھر ربیع الثانی کے مہینے میں پڑھی اور سنی جاتی تھی۔

۲۶۔ مصباح الھدایت: علامہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی مشہور فارسی کتاب ''شرح سفر السعادت'' کا اردو ترجمہ ہے۔ ۱۲۹۷ھ میں مطبع محمدی بنگلور سے شائع ہوا ہے۔

۲۷۔ تحقیق الشفاعت: مولانا عبد الحی کے زمانہ میں اہل سنت و جماعت کے متفقہ مسئلہ شفاعتِ نبویؐ سے متعلق گمراہ کن اشخاص نے اشکالات اور اعتراضات کی مسموم فضا پیدا کر دی تھی آپ نے کتاب و سنت کی روشنی میں شفاعت کا سیر حاصل جائزہ پیش کیا۔ یہ مفید رسالہ نثر میں ہے اور اس کی زبان بڑی سلیس اور عام فہم ہے۔ ۱۲۷۹ھ میں مطبع فردوس بنگلور سے شائع ہوا۔

۲۸۔ چہار گلشن: اس کتاب کے تین حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں ائمہ اربعہ کی حیات و خدمات کو نظم کیا گیا ہے۔ دوسرے حصہ میں اصحاب ستہ (امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ترمذی، امام ابن ماجہ) کی حیات و خدمات کو نظم کیا گیا ہے اور تیسرے حصہ نثر میں ہے جس میں مذاہبِ اربعہ کی صداقت و حقانیت اور ائمہ اربعہ کی تقلید کی ضرورت و اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔

یہ کتاب ۱۲۷۶ھ میں لکھی گئی ہے۔ اس کے دو سال بعد قومی پریس، معسکر بنگلور سے شائع ہوی

ہے۔اس کے ابیات تقریباً ساڑھے چار ہزار ہیں۔

۲۹۔جنان السیر فی احوال سید البشر ﷺ: یہ کتاب چودہ ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔سیرت کے موضوع پر ایسی مفصل و مبسوط کتاب آج تک اردو میں نہیں لکھی گئی۔ایک صدی تک سارے جنوب میں اس کا غلغلہ بلند رہا۔اس کی غیر معمولی مقبولیت اور شہرت کا یہ عالم تھا کہ لڑکیوں کو جہیز کے ساتھ قرآن شریف کے ساتھ جنان السیر کا نسخہ بھی پیش کیا جاتا تھا اور اس کی شہرت ہند کی سرحد سے نکل کر حجاز مقدس تک بھی پہنچ گئی تھی اور لوگ وہاں بھی پڑھا کرتے تھے۔اس کی اشاعت متعدد مرتبہ لاکھوں کی تعداد میں ہوئی ہے۔ مولانا عبدالقادر علی صوفی فرماتے ہیں:

کیا ان کو مشہور ربِّ ایام ۔۔۔ بھی مقبول طبع خواص وعوام
مصنف کی نیت بھی جب نیک تھی ۔۔۔ ہدایت تھی منظور حق خلق کی
نہیں کوئی شہر اور قریہ کہیں ۔۔۔ کہ تصنیف اس کی وہاں پر نہیں
خصوصاً جنان السیر کے تئیں ۔۔۔ دیا ایسی شہرت خدائے متین
کہ دکن سے لے تابہ ہندوستاں ۔۔۔ ہے ہر شہر اور قریہ میں اس کا نشاں
حرم بیچ مکے مدینے کی بھی ۔۔۔ پڑھا کرتے ہیں ہندیاں اس کو بھی
بھی اس ملک کے شہر و دیہات میں ۔۔۔ وہی مسجدوں، محفلوں میں پڑھیں

(جنان السیر :ص:۴۴۰: بحث معجزات محمدی ﷺ)

۳۰: حدیقۃ الحباب فی احوال الاصحاب: شاعری کی دنیا میں عبدالحیؒ کا گراں قدر مذہبی تحفہ جنان السیر ہے تو نثر کی دنیا میں آپ کا مایہ ناز سوانحی عطیہ ''حقیقت الاحباب'' ہے۔یہ کتاب اپنے اندر سوانح نگاری کے بہترین اصول رکھتی ہے جس کی جھلک علامہ شبلی اور ان کے ہم عصر اہلِ قلم کی تحریروں میں نظر آتی ہے۔حدیقۃ الاحباب ایک مقدمہ، چار ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔۱۲۸۹ھ میں مطبع محمدی بنگلور سے شائع ہوی ہے۔

۳۱۔خلاصۃ السیر: سیرت کے موضوع پر نثر میں ایک بہترین رسالہ ہے۔جو تقریباً دو سو صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

۳۲۔مثنوی مطلع النور: حضرت قطب ویلور اور ان کے دودمان عالی شان کی حیات اور خدمات پر محیط ہے جس میں تقریباً دو ہزار اشعار ہیں۔ یہ کتاب اقطابِ ویلور کا اولین تذکرہ ہے۔ اور ایک مستند ماخذ ہے۔ مطبع محمدی، معسکر بنگلور سے شائع ہوئی ہے۔

۳۳۔تنویر العقول فی اثبات اسلام آباء الرسولؐ: اس منظوم رسالہ میں مولانا عبدالحیؒ نے آنحضرت ﷺ کے آباء واجداد اور امہات کا مسلمان ہونا ثابت کیا ہے۔

چنانچہ اس رسالہ سے متعلق مقدمہ فیض الباری میں فرماتے ہیں:

''حضرت آدم علیہ السلام تا زمان نبی خاتم ﷺ آپ کے تمام آبائے کرام کے اسلام کا ثبوت آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویؐ کے استدلال سے اس رسالہ میں مذکور ہے اور چند اعتراضات کے جوابات بھی مسطور ہیں۔ جس کو مطلب ہو اس میں دیکھ لیں۔'' (مقدمۂ فیض الباری شرح بخاری: ص:۲۹)

۳۴۔ردّ الملحدین: مولانا عبدالحی نے ردّ الملحدین کے نام سے نظم اور نثر میں علاحدہ علاحدہ دو رسالے لکھا ہے۔ منظوم رسالہ میں تقریباً چار سو ابیات ہیں۔ جن میں بہتر باطل فرقوں کے عقائد کی نشان دہی کی ہے۔ اور رسالۂ نثر میں نفس کی تعریف اور اس کی اقسام اور روح وغیرہ سے متعلق روشنی ڈالی ہے۔

۳۵۔رسالۂ نصرۃ التوحید: موضوع کتاب کے عنوان ہی سے ظاہر ہے۔ اس رسالہ میں کتاب و سنت اور دلائلِ عقلیہ کی روشنی میں توحید کی وضاحت کی گئی ہے۔ اور وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کو جن لوگوں نے توحید کے منافی خیال کیا، ان کی اصلاح کی ہے۔

۳۶۔تحفۃ البنات ۳۷: رسالۂ ردِّ بدعات

مذکورہ دونوں رسالوں کے ذریعہ خواتین کے اندر پھیلی ہوئی خلاف شرع رسومات اور بدعات کو ختم کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ یہ دونوں مثنویاں تقریباً چار سو ابیات پر مشتمل ہیں۔ مطبع محمدی، معسکر، بنگلور سے شائع ہو چکی ہیں۔

۳۸۔گلزارِ شہادت: یہ رسالہ امام کشفی کی فارسی تصنیف ''فضائل حسین'' کا اردو ترجمہ ہے جس میں حضرت حسینؓ کے فضائل و مناقب اور یوم عاشورہ کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔ مولانا عبدالحی نے یہ رسالہ مولانا سید شاہ محمد قادری ہمشیرہ زادے و دامادِ حضرت قطب ویلور کے ارشاد پر لکھا ہے۔ یہ رسالہ جنوبی

ہند میں غیر معمولی مقبولیت اختیار کر گیا تھا۔ بالخصوص محرم میں منعقد ہونے والی مجالس میں پڑھا اور سنا جاتا تھا۔ بقول مولانا عبدالحی:

ہے مرے شیخ کا داماد والا ضیائے مسندِ ارشادِ والا
وہ شرح فارسی کشفی کی تھی جو تلطف سے عنایت کر کے مجھ کو
ہو باعثِ خیر و نیک محضر کہ اس کا نظم ہندی ترجمہ کر
صحیح منظوم نسخے اس بیان میں بہت کمیاب ہیں ہندی زبانوں میں
تبھی ویلور میں از فضلِ مولا کیا میں ترجمہ آغاز وس کا
ہوا جب ختم وہ منظور پُر نُور نقول اس کے ہوئے لوگوں میں مشہور
مجالس اور محافل میں اے مکرم پڑھا جاتا تھا در سال محرم

(علامہ احقر بنگلوری: ص:۱۴۵)

۳۹۔ روضۃ الابرار: خلفائے راشدین کے احوال و کوائف، فضائل و مناقب، اوصاف و کمالات اور مذہبی و سیاسی خدمات پر پھیلی ہوئی ایک طویل مثنوی ہے۔ جس میں پانچ ہزار اشعار ہیں۔ اس میں بعض مقامات پر حضرات شیخین سے متعلق پھیلی ہوی بعض غلط اور بے بنیاد روایتوں کی تردید کی گئی ہے۔ حضرت عمرؓ سے متعلق پھیلی ہوئی یہ روایت کہ حضرت عمرؓ نے اپنے صاحب زادے پر حد جاری کی اور وہ دورانِ سزا ہی انتقال کر گئے تو حضرت عمر نے ان کی قبر پر باقی کوڑے مار کر حد کی تکمیل کی، اس کے متعلق مولانا عبدالحیؒ فرماتے ہیں:

بھی جو باقی رہے درّے مقرر عمرؓ مارا ہے اس کی قبر کے اوپر
نہیں یہ بات مشروع اے برادر کہ ماریں حد کسی کی قبر پر
غلط ہے یہ غلط ہے یہ غلط ہے یہ اثناء عشریہ اسہی نمط ہے

(روضۃ الابرار: ماخوذ علامہ احقر بنگلوری: ص:۱۶۳)

۴۰: تحفۂ مرغوب شرح محبوب القلوب: علامہ باقر آگاہ کی یہ کتاب ''محبوب القلوب'' جو سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے فضائل و مناقب پر مشتمل ہے۔ منظر عام پر آئی تو اس کے بعض مقامات اور مجملات

نشانۂ اعتراض بن گئے جس کی وجہ سے مولانا عبدالحیؒ نے اس کتاب میں مذکورہ کتاب کے مجملات کی تفصیل فرمائی اوراس پر کئے گئے اعتراضات کے جوابات قلم بند کیا۔

۴۱۔قرۃ العینین بذکر شہادۃ الحسنینؓ: اس رسالہ میں امام حسن اور امام حسینؓ کی شہادت کے واقعات نظم کئے گئے ہیں۔امام حسینؓ کا واقعہ تو تاریخی اعتبار سے غیر معمولی شہرت کا حامل ہے لیکن امام حسنؓ کی شہادت کا واقعہ غیر معروف ہے۔صرف بعض روایات میں ہے کہ جعدہ نے آپ کو زہر دے دیا تھا، جس کے سبب آپ کی شہادت ہوئی۔غالباً اسی روایت پر اعتماد کرتے ہوئے مولانا عبدالحی نے حسنین کی شہادت کے لفظ کو کتاب کا سر نامہ قرار دیا ہے۔جہاں تک محققین کی رائے ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے

۴۲۔ذخیرۃ الکونین شرح سرّ الشہادتین: مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی کتاب ''سر الشہادتین'' کا منظوم ترجمہ ہے اور یہ پانچ ہزار ابیات پر مشتمل ہے۔مولانا عبدالحیؒ نے صرف ایک ماہ میں یہ کتاب نظم کی ہے۔چنانچہ فرماتے ہیں:

سن ہجری نبوی تھا سنوتم — ہزار و دو صد ہفتا دوسوم
بعون اللہ پایا حسنِ انجام — یہ نسخہ یک مہینے بیچ انجام

(ذخیرۃ الکونین: خاتمہ)

۴۳۔گلشنِ غم: یہ منظوم تذکرۂ حسینؓ ہے۔فرماتے ہیں:

اور بذکرِ شہادت حسنینؓ — لکھا اک نسخہ قرہ العینین
اور بذکرِ حسینؓ اے اکرم — اک رسالہ لکھا ہوں گلشنِ غم

(چہار گلشن: ص: ۸)

۴۴۔فیضِ روحانی: مولانا عبدالحی اپنے شیخ طریقت حضرت قطب ویلور کی وفات کے بعد حضرت مولانا محمد علی واعظ رام پوری خلیفۂ رشید حضرت سید احمد شہید سے وابستہ ہو گئے۔اس کتاب میں اپنے شیخ ثانی کے مرشد حضرت احمد شہید کی سیرت نظم کی ہے۔فرماتے ہیں:

اور فردِ العصر قطب الواصلین — سید احمد امام العارفین
تیرھویں صدی کا مجدد اور امام — رکنِ شرع و ملتِ خیر الانام

وہ دیا اس طرح سنت کا رواج   کہ ہوا تاراج بس بدعت کا راج

(جنان السیر :ص:۳۱۲)

۴۵۔ رسالۂ مباحثہ: مولانا عبدالحی نے اس رسالہ میں ''تقویۃ الایمان'' سے متعلق بحث کی ہے۔ اور اپنے شیخ ثانی مولانا محمد علی واعظ امپوری اور ان کے شیخ محترم سید احمد شہید پر عائد شدہ اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ یہ رسالہ نثر میں ہے اور چالیس صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔

۴۶۔ یدِ بیضا: ''بقول پروفیسر سید قدرت اللہ باقوی، اہلِ ظاہر و باطن کا طریقۂ تفسیر، صراط مستقیم کے مسائل تصوف، وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کی حقیقت، شاہ ولی اللہ، شاہ اسماعیل دہلوی اور سید احمد شہید کا صحیح موقف، حضرت قطب ویلور کی کتاب 'جواہر الحقائق' پر وارد شدہ اعتراضات کا جواب، شاہ کمال الدین کے منکرین کی مدافعت اور بالخصوص تحریک ولی اللہی کی موافقت وحمایت پر ایک جامع رسالہ ہے۔ یہ ایک انمول کتاب ہے، جو دینی تحریکات میں جنوب اور شمال کے مربوط رشتہ کی واضح اور کھلی دلیل ہے۔

(علامہ احقرؔ بنگوری: ص:۱۶۵)

۴۷: رسالۂ طرفین: نثر میں ایک مختصر و مفید اور متوازن و معتدل رسالہ ہے۔ جس میں حضرت سید احمد شہید، مولانا محمد علی واعظ رامپوری اور مولانا شاہ اسمٰعیل شہید سے متعلق علاقۂ مدراس میں پھیلے ہوئے اعتراضات کا علمی تجزیہ کیا گیا ہے۔ بقول ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی:

''اس کتاب کی اشاعت سے دو مخالف جماعتوں کے جذبات میں توازن پیدا ہو گیا اور باہمی کشمکش ختم کر کے محبت و ہمدردی کی راہ پر گامزن ہو گئیں۔   (علامہ احقرؔ بنگلوری: ص:۱۶۷)

۴۸: کلیدِ معرفت: حضرت مولانا عبدالحی کے شیخ اول حضرت قطب ویلور نے خود شناسی، خدا شناسی، دنیا شناسی اور آخرت شناسی سے متعلق نثر میں ایک جامع رسالہ ''خلاصۃ العلوم'' کے نام سے لکھا ہے۔ اسی کو مولانا عبدالحی نے بھی نظم کیا ہے۔ جس میں تقریباً ڈیڑھ ہزار شعر موجود ہیں۔ یہ رسالہ راہِ سلوک کے راہ رو کے لئے رہنما ہے۔ مطبع محمدی، بنگلور سے شائع ہوا ہے۔

۴۹۔ تبشیر النبیؐ فی اثبات میلاد النبیؐ: یہ نثر میں ہے۔ اور ڈھائی سو صفحات پر مشتمل ہے۔

۵۰۔ دیوانِ احقرؔ: مولانا عبدالحی کا یہ دیوان مطبع محمدی، معسکر بنگلور سے ۱۲۹۸ھ میں شائع ہوا ہے۔ نعت، غزل، قصیدہ، قطعہ، مسدس وغیرہ جیسی اصناف پر حاوی اور محیط ہے۔ بقول ڈاکٹر راہیؔ فدائی

''حضرت احقرؔ قادرالکلام اور پرگوشاعر تھے۔ طبیعت بے حد موزوں پائی تھی۔ خدائے برتر نے شعر وسخن کا ملکہ آپ کو ودیعت فرمایا تھا۔ آپ نے صوفی شعراء کی طرح شاعری کو تبلیغ وارشاد اور اصلاحِ معاشرت کے لئے استعمال کیا۔ مگر دیگر شعراء سے آپ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ آپ نے شاعری کو نہ صرف اشاعتِ دین بلکہ علوم وفنون کی ترویج کا ذریعہ بھی بنایا جس کی وجہ سے اردو زبان کا علمی ذخیرہ مختلف علوم سے مالا مال ہوگیا۔'' (مدارس عربیہ ویلور کی علمی وادبی خدمات: ص: ۳۳۷، ۳۳۸)

حاصلِ کلام!

حضرت مولانا عبدالحی ایک کثیر الجہات، کثیر الصفات اور کثیر التصانیف شخصیت کے مالک تھے اور اس شخصیت کے تمام پہلوؤں اور گوشوں کا احاطہ اس مختصر تذکرہ میں مشکل ہے۔ لہذا آپ کا یہ مختصر ذکر جمیل مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید شاہ ابوالحسن علی ندوی حسنی مرحوم کی اس جامع تحریر پر ختم کیا جارہا ہے۔

''علامہ عبدالحی احقرؔ جو مولانا واعظ بنگلوری کے نام سے زیادہ جانے اور پہچانے جاتے ہیں علامہ موصوف اپنے عہد کے ایک ممتاز عالم بھی تھے۔ قادرالکلام شاعر وادیب بھی اور کثیر التصانیف بزرگ بھی۔ سیرت کو نظم میں پیش کرنے میں انھوں نے کم از کم جنوب میں اولیت کا شرف حاصل کیا۔ جو بہت مقبول ہوئی۔ اردو میں خطبات جمعہ کا پہلا مجموعہ غالبًا سب سے پہلے انھوں نے مرتب کیا جو بہت مقبول ہوا اور مساجد میں اس کا رواج عام ہوا۔ ان کی نمایاں خدمات میں عقائد کی اصلاح، مسائل کی نقاب کشائی، تصوف کی بے اعتدالیوں کی وضاحت اور صحیح نکات کی نشان دہی۔ انگریزوں کے خلاف تحریکوں کی تائید، حضرت سید احمد شہید کے مسلک وتحریک کا دفاع اور اس کی تائید (جو اس عہد میں خاص طور پر جنوبی ہند میں ایک جرات مندانہ اور حق پسندانہ اقدام تھا۔) اس کے ساتھ انگریزوں کے جبر وستم پر جرات کے ساتھ تنقید اور وہابیت کے بارے میں خواص کی تہمتوں اور بدعنوانیوں اور عوام کی غلط فہمیوں اور زبان درازیوں کی تردید۔ جو ایک دلیرانہ اور قلندرانہ عمل تھا۔

اسی طرح ان کا ایک اہم کارنامہ اردو کے ذریعہ اپنی قوم میں عملی روح پیدا کرنا اور اسلامی معاشرہ کو کتاب وسنت اور شریعت کے مطابق بنانے کی کوشش ہے۔'' (پیش لفظ: کتاب علامہ احقرؔ بنگلوری: ص: ۶)

حضرت مولانا شاہ عبدالوہاب قادری ویلوری

حضرت مولانا شاہ عبدالوہاب قادری ویلوری حضرت شاہ مدار کی اولادِ امجاد سے ہیں۔ حضرت شاہ مدار مدورائے کے متوطن اور باشندہ تھے۔ ترک وطن فرما کر آتور (ترچناپلی تملناڈو) میں سکونت پذیر ہوگئے۔ یہ اپنے وقت کے عارف باللہ اور صاحبِ علم بزرگ تھے۔ آپ کا مزار آتور میں واقع ہے۔ حضرت شاہ مدار اور ان کے آباواجداد کے حالات پردۂ خفاء میں ہیں۔ حضرت مولانا شاہ عبدالوہاب ویلوری کی وجہ سے اس خاندان کو تاریخی عظمت اور علمی شہرت حاصل ہوئی۔ حضرت مولانا شاہ عبدالوہاب کے والدِ بزرگوار حضرت مولانا مولوی حافظ شاہ عبدالقادر آتوری نے اپنی ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد مزید تحصیلِ علم کے خیال سے مدراس کا رخ کیا اور قاضی القضاۃ وافضل العلماء مولانا مولوی ارتضا علی خان بہادر صفوی خوشنود مدراسی (۱۱۹۸ھ تا ۱۲۷۰ھ) سے عربی و فارسی کی متداولہ کتابوں کا درس لیا اور تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ ویلور پہنچے اور حضرت محویؔ سے سلوک طے کیا اور بیعت و خلافت سے فیض یاب ہوئے۔ آپ کو اپنے شیخ مربی حضرت محوی سے غیر معمولی انس تھا اور آپ نے خود کو مستقل طور پر شیخ کے آستانہ سے وابستہ کردیا۔ تو حضرت محویؔ نے آپ کو ویلور میں نکاح کرنے کا حکم دیا۔ حالاں کہ آپ کے آبائی وطن آتور میں آپ کی اہلیہ اور بچے تھے۔ شیخ کے حکم پر آپ نے نکاحِ ثانی کیا۔ مولانا فدویؔ باقوی فرماتے ہیں:

''حضرت محویؔ نے اپنے مرید خاص مولانا عبدالقادر کو نکاحِ ثانی کا حکم کشف والہام کی بنیاد پر دیا تھا۔ انھیں اس بات کا القاء ہوا کہ اس مردِ صالح سے فرزندِ صالح پیدا ہوگا جس سے ایک علاقے کا علاقہ فیض یاب ہوگا۔ اور شاید یہ بھی القاء ہوا کہ وہ فرزند ویلور ہی سے ہوگا۔ لہٰذا شیخ نے'' ان سے بہ اصرار ان کی شادی ویلور میں کرادی۔'' (مجدِ جنوب: ص: ۳۸: مولانا فدوی باقوی: ناشر: دارالاشاعت مدرسۂ باقیات الصالحات ویلور: برموقعۂ جشنِ صدرسالہ، مدرسۂ باقیات ویلور: ۱۹۸۰ء)

''حضرت مولانا مولوی محمد عبدالصمد صاحب علمی باقوی رقم طراز ہیں:

''یہ نکاح مرشد (حضرت محویؔ) قدس سرہٗ کے خلیفۂ خاص مولانا مولوی شاہ محمد امین قادری کی لڑکی حضرت فاطمہ سے ہوا۔ جو بہت لائق تھیں۔ چند دنوں کے بعد انہی کے عفت مآب بطن سے حضرت مولانا وہاب العلوم شاہ عبدالوہاب بانی مدرسۂ باقیات الصالحات ویلور قدس سرہٗ نے پہلی تاریخ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۸ھ میں تاجِ مجددی زیب تن کئے احیائے علوم عربیہ کا ذمہ لئے ہوئے عالم ملکوت سے عالم ناسوت میں قدم رکھا۔'' (رحلت شیخ: مولانا علمی باقوی: ص:۹: مطبوعہ ۱۹۱۹ء مطبع شاہ الحمید مدراس)

مولانا عبدالقادر نے نکاحِ ثانی کے بعد اپنے اہل وعیال سے تعلق برقرار رکھا تھا اور برابر اپنے وطن آتور جایا آیا کرتے تھے۔ اپنے وطن آتور ہی میں ۱۹ محرم الحرام ۱۲۵۱ھ کو سفر آخرت پر روانہ ہوگئے۔ آپ کا مزار آتور میں ہے۔ ''آفتابِ علم زیرِ زمین'' سے تاریخ وفات برآمد ہوتی ہے۔ مولانا عبدالقادر اپنے وقت کے جید عالم و فاضل اور صوفی تھے۔ اور آپ کی ذاتِ گرامی سے اصلاح وتزکیہ کا سلسلہ بھی چل پڑا۔ آپ کے مریدین کا حلقہ مدورائی، ترچناپلی اور شمالی آرکاٹ کے علاقہ میں پھیلا ہوا تھا۔ آپ سے کسی قدر تحریری کام بھی ہوا ہے۔ بقول ڈاکٹر راہی فدائی:

''حضرت شاہ عبدالقادر اپنے قیام ویلور کے دوران ۱۲۴۹ھ میں حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی فارسی تفسیر کو عربی جامہ پہنایا۔ اوراس کا نام ''التعریب القادری لتفسیر العزیزی'' رکھا۔ راقم الحروف کے پاس اس نایاب تفسیر کے چند اوراق کا زیراکس موجود ہے۔''

(مدرسۂ باقیات کے علمی وادبی کارنامے: ص:۸،۲۱)

مولانا عبدالوہاب کی عمر جب چار سال ہوئی تو والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والدۂ ماجدہ نے آپ کی تعلیم وتربیت فرمائی۔ آپ کی والدہ حضرت قطب ویلور کی مریدہ تھیں۔ جب بھی وہ اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو اپنے ہمراہ آپ کو لے جایا کرتیں۔ حضرت قطب ویلور آپ کو دیکھ کر بہت مسرور ہوتے اور فرماتے۔'' طاطمہ بٹی! اس نونہال کو پڑھاؤ، انشاء اللہ تعالےٰ اس بچے کے فیض سے ایک عالم فیض یاب ہوگا۔'' (مجدد جنوب: ص:۴۰: مولانا ندوی باقوی۔ دارالاشاعت مدرسۂ باقیات ویلور ۱۳۹۴ء)

مولانا عبدالوہاب کی عمر جب بارہ سال کی ہوئی تو والدۂ ماجدہ بھی رحلت کر گئیں۔ اس کے بعد

آپ اپنے حقیقی ماموں حضرت مولانا شاہ محمود شطاری، جو حضرت قطب ویلور کے مرید خاص تھے، ان کی کفالت میں رہنے لگے۔ انھوں نے بھی آپ کی پرورش و پرداخت اور تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ مبذول کی اور آپ کو حضرت مولانا حکیم شاہ زین العابدین قادری ویلوری کی خدمت میں بھیج دیا۔ جنھوں نے آپ کو عربی اور فارسی کی درسی کتابوں اور دیگر کتبِ متداولہ کی تعلیم دی۔

مولانا عبدالوہاب مزید علوم وفنون کی تکمیل کے خیال سے ۱۲۷۱ھ میں مدراس تشریف لے گئے اور حضرت مولانا غلام قادر مدراسی کے حلقۂ درس میں شریک ہوگئے۔ بقول سخاوت مرزا مولانا غلام قادر عالم وفاضل اور علوم معقول ومنقول کے ماہر تھے۔ قرآن وحدیث کے سخت پابند تھے۔ قاضی القضاۃ مولانا ارتضاء علی خان سے شرف تلمذ تھا۔ جامع مسجد مدراس میں طلباء کو درس دیا کرتے تھے۔

(حدیقۃ المرام: ص: ۶۱: انجمنِ ترقی اردو پاکستان: بابائے اردو روڈ: کراچی)

مولانا عبدالوہاب نے سات سال تک مدراس میں مولانا غلام قادر اور دیگر اساتذہ سے علمی استفادہ کیا۔ اس کے بعد اپنے شہر ویلور تشریف لائے۔ جیسا کہ انھوں نے اپنی قلمی بیاض میں لکھا ہے۔

''سفرِ فقیر بمدراس برائے طالب علمی ۱۲۷۱ ہجری ماہِ رجب المرجب و مراجعت بعد فراغت ۱۲۷۸ھ''۔ (قلمی بیاض)

مولانا عبدالوہاب نے علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد علوم باطنی کی جانب توجہ کی اور اپنے والد کے مرشد زادے اور اپنی والدہ کے مرشد حضرت قطب ویلور سے سلوک کی منزلیں طے کیں اور بیعت و خلافت سے شرف یاب ہوئے اور شیخ کی زبانِ فیض ترجمان سے ''وہاب خیر'' کا لقب پایا۔

مولانا شاہ محمد اسماعیل اپنی مثنوی میں رقم طراز ہیں:

گفت او را شیخ او وہاب خیر　　لاجرم شد خیر ذاتش بہر دین

اے زہے خوش قسمتے ''وہاب خیر''　　داد او را خرقۂ عرفان دین

(باقیات کے علمی وادبی کارنامے: ص: ۱۲)

مولانا عبدالوہاب نے ۱۲۷۹ھ مطابق ۱۸۶۲ء میں اپنے مکان نمبر ۲۹ لبّے تروویلور میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ (مجدّدِ جنوب: ص: ۴۰: فدوی باقوی) یہی سلسلہ آگے چل کر ایک مستقل درس گاہ کی

شکل اختیار کر گیا اور آج باقیات صالحات کے نام سے مشہور ہے۔ مولانا عبدالوہاب ۱۲۸۴ھ م ۱۸۶۷ء میں حجاز مقدس تشریف لے گئے اور وہاں مختلف بزرگوں سے علمی و روحانی استفادہ کیا۔ جن میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی بھی ہیں۔ مولانا کیرانوی سے آپ نے سفر حجاز سے پہلے ہندوستان ہی میں شرف تلمذ حاصل کیا تھا۔ چنانچہ حضرت فدوی باقوی ''مجد دجنوب'' میں فرماتے ہیں:

''پھر آپ نے مسجد دربار کیرانہ میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فیض حاصل فرمایا اور وطن لوٹ آئے۔'' (مجد دجنوب: ص: ۴۰: فدوی باقوی)

لیکن مذکورہ بیان سے سفر کی تاریخ اور اکتساب علم کی مدت وغیرہ سے متعلق کوئی روشنی نہیں ملتی۔ بہر حال تاریخی اعتبار سے یہ بات ثابت ہے کہ ۱۸۵۷ء کے قیامت خیز حالات کی وجہ سے متعدد علماء و مشائخ ہندوستان سے حجاز ہجرت کر گئے تھے اور بعض نے وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ غدر کے دس سال بعد مولانا عبدالوہاب بھی حجاز پہنچ گئے اور انھوں نے وہاں بھی مولانا کیرانوی سے استفادہ کیا۔

مولانا کیرانوی اپنے اس شاگرد رشید سے غیر معمولی محبت رکھتے تھے اور انھوں نے ان کی خصوصی تربیت کی اور مناظرہ واصول مناظرہ کی تعلیم دی۔ مولانا کیرانوی کا شان دار تاریخ ساز علمی کارنامہ ''ازالۃ الشکوک'' کی تصنیف ہے جس سے عیسائی دنیا متزلزل ہوگئی۔ اس کتاب کی اشاعت کی تمام کارروائیاں مولانا عبدالوہاب کی زیر نگرانی پایۂ تکمیل کو پہنچیں اور اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ ہنوز مولانا عبدالوہاب صاحب کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

مولانا عبدالوہاب نے مولانا کیرانوی کے علاوہ دیگر بزرگوں کی صحبت سے بھی استفادہ کیا۔ مولانا حکیم سید عبدالحی لکھنوی ''نزھۃ الخواطر'' میں فرماتے ہیں:

'ثم سافر الی مکة المکرمة واخذ عن الشیخ رحمة الله بن خلیل العثمانی الکیرانوی والعلامة ملّا محمد نواب الهندی المهاجرین الٰی مکة واخذ الحدیث عن الشیخ احمد دحلان شافعی مدرس الحرم الشریف والسید حسین المهاجر.''

(نزهة الخواطر: ج:۸: حکیم سید عبدالحی لکھنوی: ص: ۳۱۷)

یعنی مولانا عبدالوہاب نے مکہ مکرمہ کا سفر کیا اور وہاں مولانا رحمت اللہ ابن خلیل عثمانی کیرانوی

اور علامہ ملا محمد نواب ہندی سے اکتساب علم فرمایا اور شیخ احمد دحلان شافعی مدرس حرم شریف اور حضرت مولانا مولوی سید حسین پشاوری سے سندِ حدیث حاصل کی۔

مولانا عبدالوہاب نے حجاز مقدس کے دورانِ قیام ہندوستان کی مشہور بزرگ شخصیت حضرت مولانا حاجی شاہ امداداللہ مہاجر مکی قادری سے بھی علمی اور روحانی استفادہ کیا۔ چنانچہ مولانا عبدالوہاب کے شاگرد رشید وخلیفۂ سعید حضرت مولانا شاہ عبدالقادر شاکر وانم باڑی نے درج ذیل ابیات میں وضاحت کی ہے:

ہوا مکے میں آپ کا جو ورود جو کہ ہے اک جہان کا مسجود
جس کو کہتے ہیں بیت ربِّ ودود دو مہاجر ولی تھے واں موجود

چاہی دونوں سے رحمت و امداد
فیض سے ان کے پائی، دل کی مراد

آپ کے جملہ مشائخ سے حاجی امداد ایک حضرت تھے
گرچہ مکے میں وہ رہا کرتے تھے جمعہ لیکن مدینہ میں پڑھتے تھے

کیا ہی تاثیر فیض صحبت تھی
آپ میں بھی وہی کرامت تھی

الغرض شوقِ درسِ عرفاں میں کی رسائی ہر اک دبستاں میں

(مرثیہ انتقال: ص:۲۰: حضرت شاکر وانم باڑی مطبوعہ ۱۳۲۷ھ مطبع نامی مدراس)

مولانا عبدالوہاب حجازِ مقدس میں تقریباً اٹھارہ ماہ اقامت پذیر رہے اور اس دوران ہمیشہ یہ سوچا کرتے تھے کہ ہندوستان لوٹنے کے بعد گھر پر جاری کردہ سلسلہ درس کو از سرِ نو زندہ کیا جائے۔ چنانچہ حجاز سے جب لوٹنے کا عزم کیا تو اس نیت خیر پر ثبات و استقامت اور اس کارِ خیر میں فلاح و برکت کے لئے اپنے مشائخ کرام سے دعا کی درخواست کی۔ ایک شیخ محترم آپ کو اپنے ہمراہ بیت اللہ شریف لے گئے اور وہاں خصوصی دعا فرمائی جیسا کہ مولانا عبدالوہاب کے تلمیذ حضرت مولانا محمد اعظم سفیرؔ بلیچوری نے ''فغان اعظم'' میں ذکر کیا ہے۔

فارغ ہوئے جب آپ تو عزم وطن ہوا استاد سے جا عرض کئے اپنا مدعا

استاذ جو تھے شیخ زمانہ شفیق تر ہمراہ لے کے آپ کو کعبہ آں کر

کی ہے دعا الٰہی انھیں کامیاب کر فیض ان کا جاری جہاں میں ہو سر بسر

(فغانِ اعظم: ص: ۵: مولانا اعظم سفیر بلیغ پوری: مطبوعہ ۱۹۱۹ء: مطبع شوکت الاسلام: بنگلور)

مولانا عبدالوہاب ۱۲۸۶ھ میں حجاز مقدس سے ویلور پہنچے اور پھر اپنے شیخ اول حضرت قطب ویلور کی صحبت اختیار فرمائی۔ اکتساب علم کا سلسلہ جاری رکھا۔ چنانچہ مولانا عبدالحی لکھنوی ''نزھۃ الخواطر'' میں فرماتے ہیں۔

ثم رجع الهند و صحب الشيخ محی الدين عبداللطيف الويلوری ''

(نزہۃ الخواطر: مولانا حکیم سید عبدالحی لکھنوی: ص: ۳۱۷۔ ج: ۸)

مولانا خطیب عبدالمجید باقوی ویلوری رقمطراز ہیں:

''مرشدِ ویلور (حضرت قطب ویلور) نے اصلاح و تربیت کے ساتھ مسائل تصوف کی تعلیم دی اور اپنی دو بلند پایہ کتابیں ''جواھر الحقائق''، ''جواھر السلوک'' کو سبقاً سبقاً پڑھا کر طائرِ فکر کو حقائق و معارف کی سمتوں سے آگاہ کیا اور نفس وجدان کو سنوار اور نکھار کر اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت شاہ اسماعیل فرماتے ہیں:

ہر دو تصنیفات خود تلقین دہ مطمئن کرداز بدیہات حین

پس حوالت کرد و گفت این طبع کن من سپردم ترا جوہر عرش برین

من ترا دادم کہ این گنجِ سلوک ایں حقائق مایۂ روح الامین

(تذکرہ مولانا عبدالوہاب: ص: ۲۱۔ ناشر دار الخطیب ویلور: ۱۴۰۴ھ)

مذکورۃ الصدر ابیات سے ایک حقیقت یہ نمایاں ہو رہی ہے کہ مولانا عبدالوہاب حضرت قطب ویلور کے قابل اعتماد خلیفہ تھے اسی لئے انھوں نے ''جواھر الحقائق'' اور ''جواہر السلوک'' کی طباعت کا کام ان کے حوالہ فرمایا اور مولانا عبدالوہاب نے اپنی نگرانی میں ''جواہرین'' کی طباعت کی ''جواہر السلوک'' کے آخر میں مولانا عبدالوہاب کا بیان اس طرح موجود ہے۔

''الحمدللہ وحدہٗ والصلوۃ والسلام علی من لانبی بعدہ' براصحاب فطنت

وارباب خیرت مخفی ومحجب نماند کہ بندۂ مسکین خاکپائے علمائے شریعت مآب، عبدالوہاب کان اللہ لہ، ولا سلافہ بحسب ارشاد واجازت مطلقہ جناب مصنف مدظلہ، محبی ومخلصی بابا میاں صاحب تاجر راترغیب وتشویق طبع این کتاب مسمی بہ ''جواہر السلوک'' نمودہ۔ بصرف مبلغ خطیر واہتمام بلیغ بمطبع مظہر العجائب مدراس طبع کنانید۔'' (ضمیمۂ جواہر السلوک: ص: ۲۴۶۔ مطبع مظہر العجائب۔ مدراس ۱۲۸۳ھ)

مولانا عبدالوہاب حجاز مقدس سے لوٹنے کے بعد حیدرآباد دکن تشریف لے گئے جہاں علماء اور فضلاء کی بڑی پذیرائی ہورہی تھی، اور سلطنت آصفیہ میں بلند مناصب تفویض کئے جارہے تھے۔ اس وقت فیاض زمان نواب میر تہنیت علی خان افضل الدولہ آصف جاہ خامس (متوفی ۱۸۶۹ھ) کی حکمرانی اور نواب سالار جنگ بہادر (متوفی ۱۸۸۳ھ) کی وزارت قائم تھی۔ ارباب اقتدار علم دوست ہونے کے باعث اور فارسی سرکاری زبان ہونے کی وجہ سے دکن میں علماء کی بڑی مانگ تھی۔ مولانا عبدالوہاب کو ڈپٹی کلکٹر کا عہدہ مل گیا۔ اور آپ نے یہ خوشخبری اپنے شیخ محترم حضرت قطب ویلور کو بذریعہ مکتوب سنائی تو شیخ نے آپ کا سرکاری ملازم ہونا پسند نہیں کیا اور ویلور واپس چلنے آنے کی ہدایت دی اور لکھ بھیجا کہ علم کی خدمت میں لگے رہو۔ اسی میں تمہارے لئے خیر ہے۔ شیخ کے فرمان کے مطابق مولانا عبدالوہاب اس عہدۂ جلیل سے دست بردار ہوگئے اور ویلور لوٹ آگئے اور پھر سے درس وتدریس کا کام شروع کیا۔

مولانا خطیب عبدالمجید باقوی لکھتے ہیں:

''مولانا کے چند بہی خواہوں نے اپنے اثر ورسوخ کو کام میں لاکر آپ کو دولتِ عثمانیہ سے وابستہ کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ احباب کی پرخلوص کوشش کا نتیجہ ڈپٹی کلکٹری کی صورت میں سامنے آیا۔ منصب کو اپنے قریب پاکر مولانا نے اس کے حسن وقبح کو جانچا۔ مجوزہ منصب کو قبول نہ کرنے کا فیصلہ آسان تھا لیکن اس کو رد کرنا دشوار کیوں کہ اس میں احباب کی دل شکنی تھی۔ چنانچہ مولانا نے بطور خود اس پیش کش کو مسترد کرنے کی بجائے مرشدِ ویلور (قطب ویلور کا سہارا لیا) مراسلت کے ذریعہ اس بارے میں استصواب فرمایا۔ جواب باصواب عین توقع کے مطابق آیا اس (ملازمت) پیش کش کو قبول مت کرو۔ دین کی خدمت میں لگے رہو۔ (تذکرۂ مولانا عبدالوہاب: ص: ۲۲)

مولانا عبدالوہاب کو اپنے مرشدِ روحانی، وشیخ مربی حضرت قطب ویلور سے بڑی محبت والفت

تھی۔ ۱۲۸۸ھ میں حضرت قطب ویلور جب حج بیت اللہ کو روانہ ہو رہے تھے اس وقت مولانا عبدالوہاب نے ہمراہ چلنے کی خواہش ظاہر کی۔ لیکن حضرت قطب ویلور نے انھیں جنوب کے علاقہ میں دعوت و تبلیغ اور اصلاح و تزکیہ کے کام میں مشغول رہنے کی ہدایت دی بقولِ مولانا خطیب ویلوری:

مولانا عبدالوہاب کے لئے اپنے مشفق و محبوب پیر و مرشد سے جدائی کا تصور رسوہانِ روح تھا۔ تابِ فراق نہ لا کر ساتھ چلنے کی خواہش ظاہر کی تو اس پر حضرت قطب ویلور نے ویلور کی جنوبی سمت انگشتِ شہادت سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''تم سے اس طرف کے پورے علاقہ کو ہدایت ملنے والی ہے۔ لہذا تم میرے ساتھ نہ چلو یہیں ٹھہر کر اصلاحِ خلق کی خدمت میں لگے رہو۔'' چنانچہ مولانا عبدالوہاب نے مرشدِ محترم کی حسبِ ہدایت جنوب (موجودہ تامل ناڈو) میں اصلاح و ارشاد کا کام شروع کر دیا۔ شہر شہر۔ گاؤں گاؤں گھوم پھر کر وعظ و نصیحت فرماتے، بدعات و معاصی سے اجتناب کی تلقین کرتے اور اتباعِ شریعت کی ترغیب دیتے۔

(تذکرۂ مولانا عبدالوہاب: ص:۲۴)

مولانا شاہ عبدالوہاب کے قلم سے علمی و فقہی موضوعات پر چیدہ چیدہ متفرق تحریریں معرض وجود میں آئیں۔ جو آپ کے ایک اچھے مصنف ہونے کا ثبوت پیش کرتی ہیں۔ لیکن ہنوز آپ کی کسی مستقل تصنیف کا پتہ نہیں لگ سکا۔ آپ ایک بالغ النظر، صاحبِ فہم و بصیرت اور احوال شناس مفتی تھے۔ آپ نے بے شمار فتاویٰ لکھا ہے۔ ایک مختصر مستقل رسالہ محمد ابراھیم بن بڑے علی محمد پیراں ساکن تنکاسی کے استفسار پر لکھا ہے۔ اور یہ ''معرفت الاوقات'' کے نام سے موسوم ہے۔ جس کے تعلق سے خود فرماتے ہیں۔:

''یہ رسالہ معرفت الاوقات'' میری ہی تصنیف ہے۔ اس میں جو شبہات تم کو آتے ہیں وہ میرے روبرو آ کر دریافت کرنے سے رفع ہو جائیں گے۔ اس کو لکھ کر روانہ کرنا دشوار ہے۔''

(مجدِدِ جنوب: ص:۷۳: مولانا فدوی باقوی)

یہ رسالہ ریّن پریس مدراس سے ۱۸۹۸ء میں طبع ہوا۔

مولانا عبدالوہاب کی تحریری کاوشوں کے تعلق سے حضرت فدوؔی کا بیان ہے:

''مولانا عبدالوہاب نے درسی کتب کے بہت سے حواشی و شروحات تحریر فرمائے لیکن انھیں

علاحدہ مستقل کتاب کی صورت دینے کا کسی کو خیال نہ آیا اور وہ کتابوں کے ساتھ اور بعضوں کے مسودے تلف ہو گئے۔ آپ کے ملفوظات، آپ کے مواعظ و پند، تدریسی نوٹ وغیرہ اتنے تھے کہ انھیں قلم بند کر لیا جاتا تو دفتر مرتب ہو جاتے۔ کئی ایک جلدوں میں آپ کے فتاویٰ کے نقول موجود تھے۔ جو بے احتیاطی اور زیادت زمانی کی وجہ سے تلف ہو گئے۔ اس احقر نے دو جلدیں دیکھیں جن کے کاغذات ہاتھ لگاتے ہی بھوسہ بن جاتے تھے۔" (مجد دِجنوب: ص:۷۱، ۷۲: مولانا فدوی باقوی)

مدرسۂ باقیات کے سابق استاذ اور لائق و فائق عالم حضرت مولانا مولوی محمد یعقوب وشارمی بانئ مدرسہ کاشف الہدیٰ، چنئی، نے حال ہی مولانا عبدالوہاب کے فتاویٰ کی تدوین وترتیب فرمائی ہے اور ایک مبسوط اور وقیع مقدمہ بھی لکھا ہے۔ فتوؤں کا یہ مجموعہ مدرسۂ باقیات کی جانب سے ۱۴۰۸ھ میں شائع کیا گیا ہے۔ اس مجموعۂ فتاویٰ کو مولانا عبدالوہاب کی ضخیم فقہی تصنیف قرار دیا جائے تو یہ بیجا نہ ہوگا۔

مولانا عبدالوہاب نے ۱۲۷۹ھ میں درس کا جو سلسلہ جاری فرمایا تھا وہ ان کے سفرِ حجاز اور دیگر عوارض کی وجہ سے منقطع ہو چکا تھا۔ پھر سے آپ نے اس کو جاری کیا اور ایک مستقل مدرسہ کی تعمیر فرمائی۔ مولانا خطیب عبدالمجید فرماتے ہیں:

"مولانا عبدالوہاب نے ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۸۷۵ء میں ویلور کی ایک مسجد (بڑی گلی کی مسجد) کے ایک حصہ میں جو ان دنوں مسافر خانہ کہلاتا تھا نظام تدریس قائم فرمایا اور بیرونی طلباء کے قیام کا انتظام فرمایا۔ مولانا نے اپنے ہی مکان میں بیرونی اور مقامی طلباء کو عربی اور فارسی کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ ۱۲۹۹ھ مطابق ۱۸۸۲ء میں محلّہ کی مسجد کے قریب ایک وسیع قطعۂ ارضی خرید کر مدرسۂ کی اولین عمارت کا سنگِ بنیاد رکھا۔ چنانچہ مولانا سید عبدالحی لکھنوی نے لکھا ہے: **واسس مدرسة عظيمه بمدينة ويلور سنة تسع و تسعين مأتين الف**۔" (تذکرہ عبدالوہاب: ص:۲۶)

مولانا عبدالوہاب کو طب سے بھی گہرا لگاؤ تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی قائم کردہ درس گاہ میں درس نظامیہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ علم طب کا شعبہ بھی قائم کیا۔ تا کہ فارغ ہونے والے طلبا طب کے ذریعہ معاش حاصل کر سکیں۔ بقول حضرت فدویؔ:

"شاہ عبدالوہاب قدس سرہٗ طلبۃ العلوم مدرسہ کو علم طب کا درس خود دیا کرتے تھے۔" (مجد دجنوب: ص:۵۸)

پروفیسر یوسف کوکن عمری مدرسۂ باقیات صالحات سے متعلق فرماتے ہیں:

''مدارسِ عربیہ میں باقیات کی حیثیت ایک مدرسہ کی نہیں بلکہ ایک جامعہ کی ہے کیوں کہ مختلف جگہوں کے عربی پڑھنے والے یہیں پہنچ کر اپنی تعلیم کی تکمیل کرتے ہیں اور یہیں سے سند لینا عزت و برتری کا باعث سمجھتے ہیں۔ تامل ناڈو، کیرلا، کرناٹک اور آندھرا میں اس کے فاضلیں پھیلے ہوئے ہیں اور اپنی مقدور بھر علم دین کی خدمت کر رہے ہیں۔''

(باقیات ایک جہاں: ص:۲۷: مرتب مولوی ظہیر احمد: ۱۹۸۰: انجمن ترقی اردو باقیات ویلور)

مولانا عبدالوہاب ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۹ء بروز شنبہ دار فانی سے کوچ کر گئے۔ شنبہ کی رات حضرت قطب ویلور کے پوتے، حضرت مولانا سید عبداللطیف قادری المعروف حضرت مکی نے خواب دیکھا قلعہ ویلور کی خندق کا پانی خشک ہو چکا ہے۔ صبح ہونے کے بعد آپ نے لوگوں کے سامنے خواب کی تعبیر یہ بیان کی کہ فیاض زماں مولانا عبدالوہاب کے انتقال کی جانب اشارہ ہے۔''

(رحلت شیخ: ص:۱۳: مولانا پٹ عبدالصمد علی علمی باقوی: ۱۹۱۹ء مطبع شاہ الحمید پریس مدراس)

چنانچہ دن چڑھتے چڑھتے مولانا عبدالوہاب کے انتقال کی خبر ہر طرف پھیل گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے انسانوں کا سیلاب امنڈ پڑا۔ کثرتِ ہجوم کے باعث نماز جنازہ قلعۂ ویلور کے وسیع میدان میں ادا کی گئی۔ حضرت سید شاہ عبداللطیف مکی نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ حضرت سفیرؔ بلنج پوری فرماتے ہیں:

سادات نے پڑھائی جنازے کی تب نماز   اور مغفرت کی مانگی دعا حق سے بے نیاز

(فغانِ اعظم: ص:۱۲: مولانا محمد اعظم سفیر بلنجپوری: ۱۳۳۷ھ: مطبع شوکت الاسلام بنگلور)

مولانا عبدالوہاب کی تدفین بڑی مسجد کے صحن میں مدرسہ کی عمارت کے بغل میں ہوئی۔ مزار شریف پر خوب صورت گنبد ہے، جس کے دروازے پر درج ذیل شعر موجود ہے۔

اذاقال عبدالوهاب علمه   هو القطب للهند خلد انعیماً

ففکرت فی ارخة اقتباساً   بدالی فقد فاز فوزاً عظیماً

مولانا عبدالوہاب کی وفات حسرت آیات پر آپکے تلامذہ اور دیگر شعراء نے مراثی و قطعات لکھا ہے۔ جن کے مطالعہ سے مولانائے مرحوم کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی نظر پڑتی ہے۔

چند شعر ملاحظہ ہو: حضرت اماؔنی فرماتے ہیں:

حسرتا آج ہے اک مردِ خدا کا ماتم   خضرِ راہ وسراج العرفاء کا ماتم

مرشد و قبلہ گاہ شمع ہدیٰ کا ماتم   عبدوہاب کا شمس العلماء کا ماتم

ایں چہ شوریست کہ دور قمری بینم

ہمہ آفاق پر از خوف و خطری بینم

مولانا حکیم محمد اسماعیل تروپتی فرماتے ہیں:

خسرو ملک علم و فضل و کمال   زہے علامۂ علوم حسن

حامی دین و ماحی بدعت   ہادیٔ قوم و کاملِ ہر فن

بانی باقیات و مسیحِ زمان   با یزید زمان جنیدِ زمن

از وجودش علم عربیہ   زندہ شد کرد یک جہان روشن

ہم ز خلفائے شاہ محی الدین   قطب ویلور بود قطب زمن

شیخ دیں خرقۂ خلافت را   کرد از دستِ خاص زیب بدن

ملہم غیب گفت سال وصال   غاب قطب زمان ولی دکن

۳۷ـ ھ ـ ۱۳

مولانا عبدالصمد علمی فرماتے ہیں:

آن کاشف راز فقہ و تفسیر   آن واقف سر شرع و دین ست

آن مالک ملک علم عرفان   آن سالک جادۂ مبین ست

آن مرد محدث و محقق!   آن فرد مفسرّ مہین ست

بہ تبدیل حرفے ز مصحف بخواں   لقد فاز فوزاً عظیما سنش

۳۷ـ ھ ـ ۱۳

من چہ گویم وصفِ شاگردانِ او   ہر یکے چوں گوہر نایاب گشت

بادلِ مجبور ہاتف گفت سال   اتصال عبد وہاب گشت

۳۷ـ ھ ـ ۱۳ (مجدد جنوب: ص:۱۱۱ تا ۱۱۵)

مولانا عبدالوہاب کا عقد مسعود جناب پٹیل محمد مصطفےٰ صاحب کی صاحب زادی رضیہ امیر بی بی کے ساتھ ۲۵، شعبان ۱۲۸۰ھ میں ہوا۔ جن کے بطن سے حضرت مولانا ضیاء الدین کی ولادت ہوی۔ ضیاء الدین علوم شرقیہ کے ساتھ ساتھ علوم غربیہ کے بھی ماہر تھے۔ انھوں نے مدرسۂ باقیات کی ترقی میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ مولانا عبدالوہاب کی اولاد و امجاد کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔ اور ان کے پڑپوتے مولانا رئیس الاسلام باقوی حیات ہیں۔ یہ بھی اپنی آبائی درس گاہ کے فارغ ہیں اور آپ ایک عرصہ دراز تک مدرسۂ باقیات میں درس دیتے رہے اور اب اپنی پیرانہ سالی کے باعث عہدۂ تدریس سے وظیفہ یاب ہوچکے ہیں۔ مولانا عبدالوہاب کی زندگی کا عظیم الشان تاریخ ساز اور دائمی فیض رساں کارنامہ مدرسۂ باقیات صالحات ویلور کا قیام ہے۔ باقیات اپنی عمر کے سو سے زائد بہاریں دیکھ چکا ہے اور آج بھی اس سرچشمۂ علم سے ہزاروں تشنگانِ علم سیراب ہورہے ہیں۔ جو دراصل حضرت قطبِ ویلور کا بالواسطہ علمی و روحانی فیض ہے۔

حضرت مولانا مسکین قادری بنگلوریؒ

حضرت مولانا مخدوم ثانی محی الدین سید شاہ عبدالغفار مسکینؔ چشتی القادری نظامی سہروری سادات حسنی و حسینی سے ہیں ۔ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا سید شاہ زین العابدین جیلانی مشہور و معروف صوفی بزرگ حضرت سید محمد شاہ عالم گجراتی (المتوفی ۸۸۰ ہجری) کی اولادِ امجاد سے ہیں اور آپ کا سلسلہ نسب امام حسینؓ سے ملتا ہے اور آپ کی والدہ ماجدہ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کی اولاد وامجاد سے ہیں ۔ اور ان کا سلسلہ نسب امام حسنؓ سے ملتا ہے ۔ حضرت مسکینؔ کی پیدائش روز شنبہ، غرّہ رمضان المبارک ۱۲۵۱ھ بوقت صبح صادق شہر بنگلور میں ہوئی ۔ آپ کے والد ماجد حضرت زین العابدین ذی علم اور صاحبِ عرفان بزرگ تھے ۔ انھوں نے اپنے فرزند دلبند کی تعلیم اور تزکیہ کی جانب خاص توجہ فرمائی ۔ جس کی وجہ سے حضرت مسکینؔ قلیل مدت میں علوم ظاہری اور علوم و باطنی سے بہرہ یاب ہو گئے اور جب ان کی عمر اٹھائیس سال کی ہوئی تو ۱۲۷۹ھ میں والدِ ماجد نے خلافتِ آبائی سے نوازا اور اس وقت یہ نصیحت فرمائی کہ جب بھی تم سے ممکن ہو حضرت قطب ویلور کی صحبت اور خدمت میں رہو ۔ آج وہی علاقۂ دکن کے قطب ہیں اور اپنی وفات سے پہلے بھی صاحب زادے کو وصیت فرمائی ۔ کہ حضرت قطب ویلور کی خدمت میں رہو تا کہ انوارِ ربانی تم پر منکشف ہوں ۔ حضرت زین العابدین ملازمت کے سلسلہ میں سکندرآباد میں رہائش پذیر تھے ۔ وہیں ۱۲۸۲ھ میں انتقال فرمایا ۔

حضرت مسکینؔ اپنے والد ماجد کے انتقال کے تین سال بعد ۱۲۸۵ھ میں ویلور پہنچے اور تقریباً چار سال حضرت قطب ویلور کی صحبت و خدمت میں رہے ۔ حضرت قطب ویلور جب حج کے لئے روانہ ہو گئے تو آپ ویلور سے مدراس پہنچے اور وہیں بود و باش اختیار کرلی ۔ حضرت قطب ویلور نے حرم مدنی میں اپنی وفات سے پہلے اپنے صاحب زادے حضرت رکن الدین کو جو آپ کے ہم سفر تھے، حضرت مسکینؔ کے لئے خرقۂ خلافت اور پیرہن مبارک عطا فرمایا اور حضرت رکن الدین نے یہ امانت ویلور پہنچ کر حضرت مسکینؔ کے حوالہ کی ۔

اس مقام پر حضرت مسکینؔ کے شاگرد رشید مولانا مولوی عبدالسلام عینی کی کتاب ''حیات المسکین'' کے بعض اقتباسات نقل کرنا فائدہ سے خالی نہیں۔ جن کے مطالعہ سے ایک طرف حضرت مسکینؔ اور حضرت قطب ویلور کے درمیان باہمی محبت والفت کا علم ہوتا ہے۔ تو دوسری طرف حضرت قطب ویلور کی زندگی کے احوال وکوائف کا علم ہوتا ہے۔ اور حضرت مسکینؔ کے مرید ہونے کی تاریخ اور ان کی شیخ نوازی وخدمت گذاری کا بھی علم ہوتا ہے۔

• '' فقیر ویلور پہنچا اور آستانہ حضرت قطب الہند پر کھڑا رہا۔ تھوڑے عرصہ بعد میرے مولا برآمد ہوئے۔ فقیر نے قدم بوسی کی۔ فرمایا۔ سید کھانا کھائے ہو کہ نہیں۔ عرض کیا حضور کو دیکھا، طبعیت سیراب ہوگئی۔ فرمایا: یہیں ٹھرو ابھی آتا ہوں۔ مکان تشریف فرما ہوئے۔ ایک ظرف میں کھانا اور اس پر بالائی ڈال کر چند آم ڈھانکے ہوئے لے آئے اور اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلوایا'۔

• ''فقیر اپنے وطن سے پیدل ویلور کو روانہ ہوا اور تین رات دن کے سفر کے بعد ویلور پہنچا۔ آستانۂ مبارک پر کلمۂ طیبہ لکھا ہوا پایا۔ دل میں گذرا وہم دوئی تک دروازۂ مبارکہ کے اندر گذر نہیں ہوسکتی اور ہر آنے والے پر بمصداق ''لکل داخل دهشة '' ایک خوف خدا طاری ہوجاتا ہے۔ مسجد میں دوگانہ شکرانہ ادا کیا اور دریافت پر معلوم ہوا کہ آفتاب حقیقت حجرہ مبارکہ میں پنہاں ہے۔ فقیر خود کو سنبھالے ایک گوشہ میں کھڑا رہا۔ اس عرصہ میں آفتاب حقیقت طلوع ہوا۔ یعنی قطب الھند امام المشائخین، فخر العلماء الشیخ عبداللطیف حجرۂ مبارکہ سے برآمد ہوئے اور مسجد کا رخ فرمایا۔ روئے مبارک آئینہ حقائق تھا۔ علمائے کاملین اور فقرائے متوکلین کوئی پچاس ساٹھ تھے۔ فقیر نے دوڑ کر قدم بوسی فرمائی۔ فرمایا: ہاں ہاں سید صاحب خیریت سے ہو۔ فقیر پر رقت طاری ہوئی۔ اور عرض کیا کہ فقیر کے والد نے انتقال کیا اور حضور کی ملازمت و صحبت اختیار کرنے کی وصیت فرمائی ہے۔ فرمایا: خدا تو زندہ ہے نا۔ پھر مرحوم کا ذکر کرتے ہوئے مسجد میں آئے۔ فقیر نے بعد نماز عرض کیا۔ سلسلۂ غلاماں میں فقیر کو داخل فرمالیا جائے۔ حضور نے فرمایا۔ جزاکم الله و بارک الله۔ پھر اپنا ہاتھ بڑھایا اور فقیر نے دستِ حق پر بیعت کی۔ فقیر کو مولوی محی الدین صاحب کے بازو والا کمرہ عنایت فرمایا اور یہ مسرت ۴، ربیع الثانی ۱۲۸۵ھ کو نصیب ہوئی۔''

''ہمارے قطب الھند بعد نصف شب بیدار ہوجاتے اور فقیر بیت الخلاء میں پانی اور کلوخ مہیا

کردیتا تھا۔ بعد فراغت وضو کے لئے پانی تیار کردیتا تھا۔ حضور وضو فرما کر حجرہ میں چلے جاتے اور نماز صبح کے لئے مسجد کو تشریف فرمایا کرتے۔ نماز صبح کے بعد ذکر اور مراقبہ میں مشغول رہتے اور اشراق پڑھ کر مسجد کے باہر نکلتے اور مدرسہ و خانقاہ میں تشریف فرما کر مسافروں کے کھانے پینے کا انتظام فرمایا کرتے تھے۔ پھر مکان میں داخل ہوتے اور مسافروں کے آرام، مریدوں کی آسائش اور طلباء کے خورد و نوش کا سامان مہیا فرما کر مدرسہ میں آتے اور تفسیر و حدیث کا درس بارہ بجے تک دیا کرتے تھے۔

دوپہر کے کھانے کے بعد تالیف و تصنیف اور مطالعہ میں مشغول رہتے تھے۔ اگر فتاویٰ ہوتے تو ان کے جواب تحریر فرما دیتے اور ظہر کے بعد مریدوں اور مسترشدوں کی تعلیم و تفہیم میں مصروف رہا کرتے اور بعدِ عصر تا مغرب وظائف میں مشغول رہتے اور مغرب اور عشاء میں نماز کے سوا کوئی کام نہ کرتے تھے۔ بعد عشاء تناول ماحضر فرماتے۔ ہفتہ میں دو مرتبہ وعظ مدرسہ میں فرمایا کرتے تھے۔

ہمارے قطب الہند کے ہزاروں مرید اور متوسلین تھے۔ قطب الہند کو جو بھی ایک مرتبہ دیکھ لیتا پھر حضرت کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ آپ کثیر البکاء، قوی التوجہ، روشن دل اور صاحبِ باطن تھے۔

حضرت قطب ویلور کے سفر حج سے متعلق رقم طراز ہیں:

یہ سفر آخرت تھا لہذا دو لاکھ آدمی حضرت کی قدم بوسی کے لئے ویلور میں جمع ہو گئے فقیر بھی حاضر تھا۔ جاتے وقت فرمایا: سید کیا چاہتے ہو؟ عرض کیا: ترا می خواہم: فرمایا جزاک اللہ۔ مفارقت جسمانی ہے۔ روحانی ملاقات تو روز ہوگی۔ اللہ پاک ساتھ ساتھ ہے۔ گھبرانا نہیں۔ فقیر رونے لگا اور حضرت ادھر روانہ ہو گئے۔

حضرت قطب الہند کی ہجرت کے بعد فقیر نے ایک روز خواب میں حضرت قطب الہند اور میرے دادا حضرت شیر علی کو آسمان پر مشرقی سمت جاتے ہوئے دیکھا۔ صبح کو فقیر مضطر ہو گیا شام تک حضرت کی رحلت کی خبر پھیل گئی۔ حضرت قطب الہند نے یازدہم محرام الحرام ۱۲۸۹ھ کو عصر اور مغرب کے مابین حرم نبویؐ میں رحلت فرمائی۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔''

(حیات المسکین: مولانا محمد عبدالسلام عینی شاہ نظامی حیدرآبادی: اللطیف ۱۴۰۰ھ: ڈاکٹر عابد صفی)

حضرت مسکین ۲۴، صفر المظفر ۱۳۳۲ھ مطابق ۲۸، مارچ ۱۹۰۸ء روز شنبہ، اپنے معبود حقیقی سے جا ملے۔ وفات سے ایک روز قبل ۲۳ صفر نماز جمعہ کے بعد غسل دینے کی فرمائش کی۔ غسل کے بعد حضرت

قطب ویلور کا عنایت کردہ پیرہن مبارک زیبِ تن فرمایا۔ رحلت کے وقت عمر شریف ۷۶ سال تھی۔ حضرت مخدوم ساوی دستگیر صاحب کی درگاہ شریف میں حوض کے مشرقی کنارے آسودۂ خاک ہیں۔ منشی انصر الدین بےخود مدراسی نے درجِ ذیل قطعۂ تاریخِ وفات موزوں کیا ہے۔

عبد غفار حضرتِ مسکیںؔ	زین سید خانہ شد بعالم نور
فکر تاریخ کردم اے بےخودؔ	سال وصلش برآمدہ مغفور

(دیوانِ مسکین: ص: ۱۶۸: مطبوعہ ۱۹۲۴ء: مدراس)

حضرت مسکیںؔ عربی، فارسی اور اردو کے ممتاز عالم و فاضل تھے۔ آپ کو علم تصوف سے بڑا گہرا لگاؤ اور شغف تھا۔ آپ ایک متشرع عالم اور صوفیٔ کامل تھے۔ اور حضرت قطب ویلور کی نگاہِ کیمیا ساز نے آپ کی زندگی کو علمیت و عملیت اور جامعیت کا پیکر بنا دیا تھا۔ آپ کی ذاتِ گرامی سے وسیع پیمانے پر سلسلۂ ارشاد چل پڑا اور بہت سارے افراد نے فیض پایا۔ آپ کے شاگردوں، مریدوں اور معتقدوں کا حلقہ کافی وسیع رہا۔ اور آپ کے بعض تلامذہ بہترین عالم و فاضل اور شاعر و ادیب بھی رہے۔ جن سے علم و ادب کی بڑی خدمت ہوئی۔ مثلاً مولانا ابو محمد عبدالسلام عینیؔ صاحب، ''حیات المسکیںؔ'' اور مولانا غلام محی الدین ،قہرانی دین وغیرہ۔

حضرت مسکین کی سیرت و شخصیت اور ان کے علمی مقام و مرتبہ سے متعلق ڈاکٹر سید صفی اللہ (عابد صفی) رقمطراز ہیں:

''شریعت کے سخت پابند تھے۔ فرمان و سنن رسولؐ کی دل و جان سے پیروی کرتے تھے اور اپنے مریدوں سے فرماتے تھے، جہاں تک ہو سکے سرکارِ رسالت ﷺ کی پیروی کرو۔ زبانی، قلبی، روحی، فعلی اور حالی پیروی۔ ایسے بنے رہو کہ مجسم سنت نظر آنے لگو۔ یہی دولت ہے۔ یہی نعمت ہے، یہی شریعت ہے۔''

بعض ہم مشربوں کے اس خیال سے ''شریعت پوست ہے اور حقیقت مغز ہے۔ مغز حاصل کرنے کے بعد پوست کی کیا ضرورت ہے!'' آپ اس پر سخت ناراض تھے۔

دست بوسی اور قدم بوسی کو جائز سمجھتے تھے۔ لیکن کسرِ نفسی کا یہ عالم تھا کہ اپنے لئے اسے مکروہ کر رکھا تھا۔ فرماتے تھے:

''کسی مرشد کی مجلس میں اگر کوئی اجنبی آجائے اور وہ پہچانے کہ مرشد کون ہے اور مرید کون کون ہیں تو اس مجلس پر خدا کی رحمت نہیں اترتی۔''

آپ کا علمی مرتبہ بہت بلند تھا۔ ''حیات المسکین'' میں منصور بن حلاج، علامہ ابنِ عربی مولانا روم اور حضرت غوث الاعظم کے ملفوظات سے آپ کی وسیع معلومات، نکتہ رس نگاہ اور ذہن رسا کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ ایسی بلند مرتبت ہستی کی نجی زندگی کا حال ایک ہی جملہ میں صاحبِ ''حیات المسکین'' کی زبانی ملاحظہ فرمایئے:

''ہمارے شیخ الاسلام کو ہفتہ بھر میں کم از کم چار دن کھانا نہ ملتا تھا اور ان ایام میں آپ بہت خوش رہتے اور حقائق و معارف بہت بیان فرماتے تھے۔''

(حضرت قطب ویلور کے نامور خلیفہ: ڈاکٹر عابد صفی: سالنامۂ اللطیف، ۱۴۰۰ھ: ص: ۵۸)

حضرت مسکینؔ فارسی اور اردو زبان کے قادر الکلام شاعر تھے۔ آپ نے شاعری میں مولوی شمس الدین خان فیضیؔ حیدر آبادی سے استفادہ کیا۔ آپ کی شاعری عشقِ حقیقی اور عشق مجازی دونوں رنگ لئے ہوئے ہے۔ کلام کا بیشتر حصہ تصوف پر مشتمل ہے۔ ''دیوان مسکین'' کے نام سے ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۴ء میں شائع ہو چکا ہے۔ (ٹمل ناڈو میں اردو: ص: ۹۳: علیم صبا نویدی: مطبوعہ: ۱۹۹۸ء مدراس)

آپ کے چند اشعار اور مرزا غالبؔ کی زمین میں کہی ہوی تصوف بیز غزل نمونۂ کلام کے طور پر یہاں نقل کی جارہی ہے۔

ٹھکانہ ان کا بتلایا نہ کوئی — خدا مجھ کو تو دکھلایا نہ کوئی
اٹھا کر آنکھ دیکھا شش جہت میں — بجز میرے نظر آیا نہ کوئی
معمہ ہے عجب یہ عبد و رب کا — بجز مرشد کے سمجھایا نہ کوئی
دل و جان کھو دیا، ایماں گنوایا — کہیں اپنے سوا پایا نہ کوئی

جمالِ یار سے اکثر ہیں غافل
کہیں آئینہ ہاتھ آیا نہ کوئی

(ٹمل ناڈو میں اردو: ص: ۹۴: علیم صبا نویدی: مطبوعہ ۱۹۹۸ء مدراس)

کونین ہے کیا آئینہ خانہ مرے آگے | حیرت یہ ہے کہ میں نظر آیا مرے آگے
ہوں ایک دو عالم ہیں مرے مظہر اسماء | ہر شئے سے عیاں ہے مرا جلوہ مرے آگے
گو عالمِ پستی میں ہوں، عالم ہے مرا اور | ہے عالم بالا کا تماشا مرے آگے
جس وقت کہ مکشوف ہوا سرِّ انا الحق | آیا نہ نظر میں کوئی بندہ مرے آگے
معلوم ہوئے سورۂ اخلاص کے معنی | ہے احمد بے میم کا نقشہ مرے آگے
میں ناظر و منظور ہوں، دیدہ ہوں نظر میں | جز میرے، نہ مجھ کو کوئی دیکھا مرے آگے
خاکی ہوں و لے مجھ میں سمائی ہے خدائی | ناری ہے وہ، جو سر نہ جھکایا مرے آگے
ہوتا نہ وہ مردودِ ابد عابد ِ جاہل! | ہیں ایک ہی کعبہ و کلیسا مرے آگے
وہ رندِ سبو کش ہوں کہ تعظیم کو میرے | گردن ہی جھکا دیتا ہے شیشہ مرے آگے
انسان جسے کہتے ہیں وہ دیدہ ہے خدا کا | انسان ہی سے مسکینؔ ہوا بینا مرے آگے

(دیوان مسکین: ص: ۱۲۸: مطبوعہ ۱۳۴۳ھ م ۱۹۲۴ء: مدراس)

دیوان کے علاوہ حضرت مسکینؔ کی فارسی میں دو طویل مثنویاں ''کہنہ مرغوب'' اور ''عیون المظاہر'' ہیں جو ۱۳۱۳ھ اور ۱۳۲۳ ہجری میں لکھی گئی ہیں۔ اور ان کا موضوع تصوف ہے۔ مطبع نامی اور ہکن بوگھام کمپنی مدراس سے شائع ہوئی ہیں (عربک اینڈ پرشین ان کرناٹک: ص: ۵۱۰: پروفیسر یوسف کوکن عمری مطبوعہ ۱۹۷۴ء)

حضرت مسکینؔ نے ''کہنہ مرغوب'' میں دو، تین مقامات پر حضرت قطبِ ویلور کی تعریف و توصیف میں بڑے عمدہ شعر کہے ہیں: ایک پورا قطعہ ملاحظہ ہو جس سے حضرت قطب ویلور کی شخصیت کے پہلو نمایاں ہوتے ہیں:

مرشدِ دوراں زبس وصف منیف | اسم پاکش سید و عبداللطیف
شہ محی الدین معروف و علم | قطب ہندش وصف در عرب و عجم
پیشوائے عارفاں و واصلاں | مقتدائے عاشقاں و کاملاں!
عاملِ شرعِ محمد مصطفےٰ | واصلِ حق طالباں را حق نما
ترک از وے سنتِ نبوی نشد | ہیچ در عالم چنیں تقوی نشد

اوشریعت را مقدم داشتے — یک سرِ موشرع را نگذاشتے
بود محمودِ زماں باکروفر — ازحسودانش یکے درنیست خیر
صلح کل اخلاقِ او مشہور بود — شہرۂ آفاق نزدو دور بود
ہرکہ فاضل تر بود محسودتر — از زبانِ خود بگفتے زودتر
زاہدان از زہداو حیراں شدند — عابداں مبہوت وسرگردان شدند
از عبادات ریاشتند دست — پیش او بر بستہ استادند دست
عالماں درپیش اوافتادہ سر — عاشقاں راخاک پاش اندر بصر
طالبان حق کمالش یافتند — جلوۂ حق در جمالش یافتند
عاشق از دیدار اوحق رایافت — از جمالش دید مطلق رایافت
بندۂ از بندگانِ آن شہم — کمترین مسکین سگِ آن درگہم
خاکپایش کحل چشم جاں ماست — جان فدا برنام او ایمان ماست
حامی ٔما اوست دردنیا ودین — محی الدین است محی دین است محی دین
در مدینہ مشہد پاکش بدان — نزد روضۂ سیداہل جنان

(حضرت امام حسینؓ)

بود سال رحلت قطب زبان — دوصد ہشتادونہ برالف دان
یاز دہ ماہِ محرم باقیات — درمیانِ عصرومغرب شدوفات
روز پنجشنبہ وفاتش بعدعصر — گشت روز جمعہ مدفونش بقبر

رحمتِ حق باد بے حدوشمار

برروآن پاک تاروزشمار (رو۔روح)

(کہنہ مرغوب: بحوالہ اللطیف: ۱۴۰۰ھ:ص:۵۹)

اردو زبان میں آپ کی یادگار تاریخ ساز تحریر ''من لگن'' کی شرح ہے۔ ''مگن لگن'' دنیائے تصوف کی مشہور ومعروف مثنوی ہے۔ جو قاضی سید محمود بحری (متوفی ۱۱۳۰) ابن شیخ بحرالدین کے قلم سے

صادر ہورہی ہے۔اور اکثر و بیشتر صوفیائے کرام نے اپنی کتابوں میں تصوف کے مطالب و معانی کی تشریح اور دقیق و غامص مسائل کی توضیح میں اسی مثنوی کا سہارا لیا ہے اور حضرت قطب ویلور نے بھی اپنی کتابوں میں کئی ایک مقامات پر اس مثنوی سے استدلال کیا ہے۔

حضرت مسکینؔ نے یہ شرح مولانا سید شاہ افتخار علی حیدرآبادی کی خواہش پر ۱۳۱۶ھ میں لکھی ہے ۔۱۲۵۳ھ میں شائع ہوی ہے۔حضرت مسکینؔ کی اردو نثر کا نمونہ اوران کا اندازِ تشریح ملاحظہ ہو:

حل اللغات: من لگن کا شعر

اے روپ ترا رتی رتی ہے　　　　پربت پربت پتی پتی ہے

ا۔روپ بہ معنی تشبیہ،روپ بہ معنی تنزیہہ

بہ معنی جمال وظہور ونور وشکل وآثار وطور وصورت ونقش

۲۔۔رتی رتی = بہ معنی ذرّہ ذرّہ

۳۔پربت = کوہ،کوہ بمعنی ہندی پہاڑ

۴۔پتی پتی کاہ کاہ = یعنی برگ = ہندی تنکا یعنی پتا اور تھوڑی چیز

اے ذاتِ باری تیرا جمال وظہور ذرّہ ذرّہ،کوہ کوہ برگ برگ یعنی کاہ کاہ

روپ یعنی اے ذاتِ مطلق واجب الوجود، یا اے ذات ساذج، یا اے وجود مطلق روپ تیرا یعنی ظہور تیرا رتی رتی یعنی ذرہ ذرہ تیرا ہی ظہور ہے اور تیرا ہی نور ہے۔

ب مراد لفظ اے، خطاب بوجود مطلق ہے۔تعریف وجود کی جاننا چاہئے کہ وجود عربی لفظ ہے۔ مراد وجود سے ذاتِ واجب سبحانہٗ تعالےٰ ہے۔اور وجود عین حقیقت وسبحانہٗ تعالیٰ شانہٗ کی ہے۔

اور مراد وجود سے وہ مصدری معنی نہیں جو مفہوم 'بودن' کا ہے۔کیوں کہ یہ معنی انتزاعی ہے۔اور وجود عربی لفظ ہے اس کے معنی لغت میں ہونا۔اور صوفیاے کرام کے نزدیک وجود ایک حقیقت کو کہتے ہیں کہ اپنی ذات سے آپ موجود اور ہستی دوسروں کی اسی ذات سے ہو اور اس کا خارج میں منتفی ہو۔

پس صوفیائے کرام اسی معنی کی راہ اللہ تعالےٰ کو وجود کہتے ہیں اور غیر حق کو اسی معنی کی راہ کرتے وجود نہیں اس وجود کو نہ شکل ہے اور نہ حد اور نہ نہایت باوجود اس کے ظاہر ہوا لباس شکل وحد سے اور متغیر

نہیں ہوا، اپنے وصف اصلی اور بے شکلی اور بے حدی اور بے نہایتی سے بلکہ وہ وجود ابھی ویسا ہی جیسا تھا۔

(شرح من لگن: بحوالہ دار العلوم لطیفیہ کا ادبی منظر نامہ: ص: ۲۵۰، ۲۵۱)

حضرت مسکینؔ کی کتابوں کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ انھوں نے بے شمار کتابوں سے استفادہ کیا ہے اور جا بجا ان کے اقتباسات اپنی تصانیف میں نقل فرمایا ہے۔ ان کے تصنیفی کام کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے بہت ساری کتابیں جمع کی ہوں گی۔ اگر وہ ذخیرہ محفوظ رہ جاتا تو آج حضرت مسکینؔ کے باقیات صالحات میں شمار ہوتا اور فیض رسانی کا باعث بن جاتا۔ ڈاکٹر سید عابد صفی کا بیان ہے کہ:

''آپ کا ایک کتب خانہ تھا۔ جس میں پتہ نہیں کیسی کیسی قیمتیں کتابوں کا ذخیرہ رہا ہوگا آپ کے بعد یہ کتب خانہ آپ کے خلیفہ سید برہان الدین حسینی کے پاس پہنچایا گیا، جو آپ کے رشتہ دار تھے اور ملازمتِ سرکارِ انگریزی میں افسرِ جنگلات تھے۔''

(حضرت قطب ویلور کے نامور خلیفہ حضرت مسکین: اللطیف: ص: ۵۹: مطبوعہ ۱۴۰۰ھ)

حاصلِ کلام!

حضرت مسکینؔ، قطب ویلور اسکول کے ایک روشن چراغ تھے جس کی روشنی دور دور تک پھیلی۔

✿✿✿

حضرت مولانا مولوی سید شہاب الدین شہابؔ ویلوری

حضرت مولانا مولوی سید شہاب الدین شہابؔ ویلوری، حضرت سید شاہ فتح اللہ قادری ابن سید محی الدین قادری بغدادی کی اولاد امجاد سے ہیں۔ آپ کے جد امجد فتح اللہ اپنے آبائی وطن بغداد سے نکل کر ہندوستان تشریف لائے اور صوبہ کرناٹک کے شہر انکولہ کو اپنے قدم میمنت لزوم سے عزت بخشی اور اسی کو اپنا وطن بنالیا۔ اور دعوت وتبلیغ اور اصلاح وتزکیہ کا کام شروع کیا جس سے بے شمار بندگانِ خدا نے اسلام قبول کیا اور ان گنت مسلمانوں نے فسق وفجور کی زندگی ترک کی اور کتاب وسنت کی راہ لی۔ اس طرح ان کی ذات سے دور دور تک فیض پھیلایا۔ اللہ نے حضرت فتح اللہ کی دو صالح فرزند حضرت مولانا سید شاہ محمد قاسم قادری اور حضرت مولانا سید شاہ محی الدین قادری عطا فرمایا۔ جن میں سے بڑے صاحب زادے حضرت قاسم نے جزائر لکادیپ کا رخ کیا اور وہاں پہنچ کر اسلام کی شمع روشن کی جو آج تک جل رہی ہے۔

ڈاکٹر حبیب النساء بیگم فرماتی ہیں کہ:

''اس وقت وہاں کوئی مسلمان نہ تھا۔ ان کے فیوض و برکات سے چھ جزائر میں اسلام پھیلا۔''

(ریاستِ میسور میں اردو کی نشونما: ص:۲۲۷: ڈاکٹر حبیب النساء بیگم)

دوسرے صاحب زادے حضرت شاہ محی الدین نے انکولہ سے ہجرت کی اور مختلف شہروں کا سفر کرتے ہوئے ''کیسر مڑ گو'' علاقہ ممکور پہنچے اور یہاں دعوت وتبلیغ کا آغاز فرمایا۔ جس سے ہزاروں لوگ مستفیض ہوئے اور آپ کے تقدس و بزرگی کی خبر دور دور تک پھیلتی چلی گئی۔ جسے سن کر آپ کے ہم عصر نواب حیدر علی خان، والد سلطان ٹیپو شہید، موسسِ سلطنتِ خداداد آپ کی خدمت میں آ پہنچے اور باصرار دارالسلطنت سری رنگا پٹن چلنے کی دعوت دی۔ جسے آپ نے قبول فرمایا اور سری رنگا پٹن تشریف لے گئے۔

ے آپ کا بڑا اعزاز اور اکرام ہوا اور آپ کی سکونت و رہائش کے شاہی انتظامات کئے گئے۔ سلطان ٹیپو بھی آپ کے علم و فضل اور زہد و تقویٰ سے بہت متاثر ہوئے اور انھوں نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ (دارالعلوم لطیفیہ کا ادبی مناظر نامہ: ص:۲۵۵: ڈاکٹر راہی فدائی)

سلطان ٹیپو اور شاہی خاندان کے افراد کے ساتھ حضرت محی الدین کا ربط وضبط اس قدر گہرا تھا کہ سلطان ٹیپو کی شہادت کے بعد شہزادوں اور بیگمات کو قید کر کے ویلور لایا گیا تو آپ بھی شاہی خاندان کے اشخاص کے ساتھ ویلور چلے آئے اور یہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ یہاں تک کہ ۱۲۴۰ھ میں فوت ہو گئے۔

مولانا شہاب ویلوری آپ کے حقیقی پوتے اور آپ کے فرزند اول حضرت سید شاہ عبداللہ قادری عرف بڈھن صاحب کے صاحب زادے ہیں۔ حضرت شہاب عرف حسن پاشاہ کی ولادت شہر ویلور میں ۱۲۴۰ھ مطابق ۱۸۲۴ء کو ہوی۔ (دارالعلوم لطیفیہ کا ادبی مناظرہ: ص:۲۵۶: ڈاکٹر راہی فدائی) ۔ آپ کی ابتدائی تعلیم حضرت قطب ویلور کے آبائی مدرسہ (لطیفیہ) میں ہوی۔ پھر آپ علوم و فنون کی تحصیل و تکمیل کے لئے مدراس تشریف لے گئے جہاں حضرت مولانا غلام قادر مدراسی کے حلقۂ درس میں شریک ہو گئے۔ علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد آپ ویلور لوٹ آئے اور حضرت قطب ویلور کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے۔ ۱۴، شعبان ۱۲۸۶ھ میں خلافت و اجازت سے شرف یاب ہوئے۔

(شجرۂ کلماتِ طیبہ: شرح گلدستۂ توحید اربعہ: ص:۱۴: مولانا حبیب اللہ قادری باقوی ندوی، مطبع کوثر پریس، بنگلور)

حضرت شہاب ایک عرصہ تک ویلور میں رہے۔ اس کے بعد سری رنگا پٹن چلے گئے تا کہ اپنے آباء و اجداد کی جائیداد کی حفاظت کی جائے جو نواب حیدر علی بانئ سلطنتِ خداداد کی جانب سے ان کے دادا حضرت شاہ محی الدین کو بطور جاگیر انعام ملی تھی۔ پھر آپ سری رنگا پٹن سے میسور منتقل ہو گئے۔ آپ نے دو شادیاں کیں۔ پہلی بیوی عزت النساء بنتِ حضرت سید شاہ محمد قادری (جو آپ کے حقیقی چچا تھے۔) سے چھ اولاد ہوئیں۔ ان سب میں سید شاہ عبدالرزاق قادری عرف تاج پیراں مرحوم سابق انسپکٹر جنرآف پولیس ریاستِ میسور بہت نامور گزرے ہیں۔ حضرت تاج پیراں مرحوم جناب سید صداقت پیراں، جنرل سکریٹری ''الامین ایجوکیشنل ٹرسٹ'' ...ر کے جدّ اعلیٰ ہوتے ہیں۔ حضرت شہاب کی دوسری اہلیہ سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی تولد ہوئی۔ (دارالعلوم لطیفیہ کا ادبی منظر نامہ: ص:۲۵۶)

حضرت قطب ویلور نے اپنے دوسرے حج کے سفر کے موقعہ پر بعض خلفاء کے ہاتھوں اصلاحی و دعوتی مکتوبات مختلف شخصیتوں کی خدمت میں بھیجا۔ ان میں سے ایک مکتوب، دکن کی با اقتدار شخصیت نواب مختار الملک بہادر حیدرآباد کے نام بھی تھا۔ جسے مولوی سید شہاب الدین نے نواب موصوف تک پہنچایا۔ حضرت قطب ویلور حج کے لئے ویلور سے روانہ ہوئے تو آپ کے ہمراہ بہت سارے تلامذہ و خلفاء بھی بمبئی تک پہنچے اور آپ کے جہاز میں سوار ہونے کے بعد وہاں سے واپس لوٹے اور بعض حضرات نے آپ کی معیت میں حجِ بیت اللہ کا فریضہ ادا کیا۔ اس سفر کے موقعہ پر مولوی سید شہاب الدین بھی حضرت قطب ویلور کے ہمراہ تھے۔ جس کا ذکر مولانا عبدالرحیم ضیاؔ حیدرآبادی نے اپنی تصنیف ''مقالاتِ طریقت'' میں بایں الفاظ کیا ہے۔

''سنہ یک ہزار و دوصد و ہشتاد و دو ہجری روز شنبہ سوم شوال کو (حضرت قطب ویلور) ارادہ حج مکرر کا کر کے وطن (ویلور) سے روانہ ہو کر گلبرگہ میں تشریف فرما ہوئے، وہاں حضرت سید محمد گیسودراز قدس سرہٗ کی زیارت سے فارغ ہو کر اپنے خلیفہ مولانا مولوی سید شہاب الدین عرف حسن پاشاہ سلمہٗ اللہ تعالیٰ کو چند دعوت نامے اور ایک مکتوب علاحدہ بنام نواب مختار الملک بہادر کہ اس میں امور ہدایت جو کہ انکو مفید ہوں، مندرج تھے۔ یعنی اصلاح قوانین مجاریہ نوابِ موصوف کے موافق، ضابطہ شریعت غرّا کے، اور تخویف نافرمانی شریعت کے، اور فرماں برداری میں امیدِ ثوابِ آخرت کی دے کر حیدرآباد کو روانہ فرما کے کہ آپ بمبئی کو تشریف فرما ہوئے۔''

''مولوی شہاب الدین نے راقم کے مکان کو اپنے اقدام فیض الیتام سے رونق بخشی بوساطت جناب حضرت استاذی مولوی حاجی محمد زمان صاحب کے، معیت جناب مولوی مسیح الزماں برادر استاذیٔ موصوف حضرت شہاب الدین کی ملاقات نواب صاحب سے ہوئی۔ نواب صاحب بہت اکرام سے پیش آئے اور مکتوب ہدایت اسلوب کو پڑھا۔ حضرت پر و مرشد کی ہدایت و خیر خواہی پر نہایت تحسین و آفرین کی اور حضرت پیر و مرشد کا ذکر خیر پوچھتے رہے بعد چندے حضرت معز (مولوی شہاب الدین) کو رخصت کیا۔ انھوں نے اس کام سے فارغ ہو کر دعوت نامے یہاں کے بعض نصرانیوں کو پہنچا کر بمبئی کو روانہ ہوئے۔''

(مقالاتِ طریقت: ص: ۲۷۵، ۲۷۶: مطبوعہ ۱۲۹۱ھ: مطبع متین حیدرآباد)

حضرت شہاب عربی، فارسی اور اردو کے بہترین عالم و فاضل اور علم تصوف کے ماہر تھے۔ آپ کو شعر و سخن سے بڑی دل چسپی تھی، شہابؔ تخلص فرماتے تھے۔ آپ ایک روشن خیال اور وسیع النظر شاعر تھے۔ آپ کی شاعری میں صوفیانہ خیالات کے علاوہ روشن خیالات، تعمیری نظریات بھی ملتے ہیں۔ آپ کا کلام بوقلمون کیفیت کا حامل ہے۔

تصوف کے موضوع پر آپ کی بہترین واحد فارسی تصنیف ''گل دستہ توحید اربعہ'' ہے۔ یہ کتاب پچاس صفحات پر پھیلی ہے ۔ ہے۔ مولانا مولوی حبیب اللہ باقوی نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ ۱۳۸۳ھ میں برقی کوثر پریس بنگلور سے شائع ہوی ہے۔ مہاراجہ میسور کرشناراج اوڈیار نے حضرت شہاب کو سالانہ دسہرہ کے جشنِ شاہی میں ''سراج العلماء'' کا خطاب پیش کیا۔

حضرت شہاب ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۵ء میں شہر بنگلور میں واصل بحق ہوگئے ۔ جناب محمودؔ نے درج ذیل قطعۂ تاریخ کہا ہے۔

مضطرب محمود سال انتقالش حسب حال مولوی سید شہاب الدین مکین خلد گفت

(دار العلوم لطیفیہ کا ادبی منظر نامہ: ص:۲۵۹: ڈاکٹر راہیؔ فدائی)

نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

- پتہ بتادوں نشیمن کا کہاں میں خانہ خراب ہے اب تو ہاتھ مرا، میرا آشیاں صیاد
- ہاتھ میرے نہ پہنچے وہ یہ پہنچا تا گوش ہوا نالے کا گذر زلف رسا سے پہلے
- مانند بید خم ہے نہالِ چمن کی شاخ پیوند شاید اسی سے ہے مجنوں کے بن کی شاخ
- مانگی جو مشک زلف، دیا خال گال نے یہ سوال شام عجب اور جواب صبح
- شعر لکھنے سے ضعیفی ہے جوانی میں شہابؔ دستگیری ہوی خامہ کی عصا سے پہلے
- قدِ جاناں کے تصور کو شہابؔ ناتوانی میں عصا کرتے ہیں!
- مل گیا گرفتاری کا بدلہ الٹا کاندھے پہ زخم کی زنجیر لئے پھرتے ہیں
- ناتوان مرغ نظر مژگاں سے بڑھ سکتا نہیں مانع پرواز بہ خارِ سر دیوار ہیں

(دار العلوم لطیفیہ کا ادبی منظر نامہ: ص: ۲۵۸،۲۵۹)

- بنی آدم ہیں باہم مرد و زن سب — نہیں انسانیت میں فرقِ مذہب
- مسلمان، عیسوی، ہندو سب اقوام — جدا مذہب ہے، پر انسان ہے نام

(ریاستِ میسور میں اردو کی نشو و نما: ص: ۲۳۰)

❁❁❁

حضرت مولانا فقیهه محی الدین

حضرت مولانا محی الدین علمی دنیا میں فقیہہ محی الدین اور عوام میں دُبلے محی الدین کے نام سے مشہور تھے۔ حضرت قطب ویلور کی آبائی درسگاہ (لطیفیہ) میں تعلیم حاصل کی اور مختلف علوم وفنون میں کامل دستگاہ پیدا کرلی۔ بالخصوص فقہ کے اندر آپ کو گہری بصیرت تھی۔ شاید اسی لئے فقیہہ کے نام سے معروف ہوئے۔ آپ نے دارالعلوم لطیفیہ میں مدتِ مدید تک درس وتدریس کا فریضہ انجام دیا۔ آپ کا سلسلۂ درس حضرت قطب ویلور کے عہد سے لے کر دارالعلوم لطیفیہ کی تشکیل نو کے بعد ۱۳۱۶ھ تک جاری رہا۔ آپ نے حضرت قطب ویلور کے زیرِ سایہ سلوک طے فرمایا۔ اور خرقۂ خلافت زیبِ تن کیا۔

(سالنامۂ اللطیف: ص: ۴۳: مطبوعہ ۱۳۸۸)

آپ کو نثر نگاری میں بڑا ملکہ حاصل تھا۔ اردو میں کئی ایک کتابیں لکھیں۔ جو دینی موضوعات پر ہیں۔ ان میں سے ''سفرنامۂ حرمین شریفین'' کافی مشہور ہے۔

آپ کو طب میں علمی وفنی مہارت وبصیرت اور کمال ودرک حاصل تھا۔ طبِ جسمانی کے نام سے ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے۔ جس میں تشخیص وعلاج کے اصول ومبادیات، مختلف امراض کے لئے نسخے، نسخہ سازی اور دوا و پرہیز سے متعلق تفصیلی معلومات قلم بند کی ہیں۔ یہ کتاب مطبع فردوسی مدراس سے ۱۳۲۰ھ میں شائع ہوی ہے۔ اس کا ایک نسخہ راقم الحروف کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

شہر ویلور میں آپ نے اپنا مطب کھول رکھا تھا۔ جس سے بے شمار مریض صحت یاب ہوتے رہے۔ غرض آپ کی ذاتِ گرامی سے درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور تشخیص وعلاج کے ذریعہ قوم وملت کو بے حد فائدہ پہنچا۔ حضرت مکان کے احاطہ میں واقع قبرستان میں آسودۂ خاک ہیں۔

مولانا الحاج شاہ محمد قادری دھارواڑ

مولانا الحاج شاہ محمد قادری دہارواڑ کرناٹک کی مشہور علمی و عرفانی شخصیت ہے۔آپ حضرت قطب ویلور کی صحبت وخدمت میں چودہ سال رہے اور سلوک طے کیا اور بیعت وخلافت سے مشرف ہوئے ۔آپ کے صاحب زادے حضرت مولانا شاہ ولی اللہ قادری خلفیۂ حضرت مولانا رکن الدین صاحب زادۂ حضرت قطب ویلور، مصنف ''جواہر العرفان'' (ترجمۂ جواہر السلوک) فرماتے ہیں:

''والدِ بزرگوار قطب الاقطاب (حضرت قطب ویلور) کی تربیت کے طفیل سے علم معارف و اسرار میں مدارج ومراتب سلوک ابرار واخیار میں دستگاہِ کامل حاصل کی۔''

(جواہر العرفان: ص:۲: اردو ترجمہ جواہر السلوک شائع شد از مطبع حجازیہ بمبئی)

✿✿✿

مولانا عبدالرحیم ضیاؔ حیدر آبادی

مولانا عبدالرحیم ضیاؔ حیدر آبادی، حضرت قطب ویلور کے لائق وفائق، عالم وفاضل اور صاحبِ قلم مرید ہیں۔حضرت قطب ویلور سے آپ کی بیعت واردات کا ثبوت آپ کی تحریروں سے ملتا ہے۔ چنانچہ آپ نے ہر جگہ حضرت قطب ویلور کے اسم گرامی کے ساتھ پیرومرشد کا لفظ استعمال کیا ہے۔لیکن آپ حضرت قطب ویلور کے خلفیہ ہیں اس بات کی صراحت آپ کی تحریروں میں نہیں ہے۔البتہ بعض تذکرہ نگار مثلاً مولوی محمد زکریا ادیب خاورؔ نے آپ کو حضرت قطب ویلور کے خلفاء کی فہرست میں شامل کیا ہے۔

(خانوادہ اقطاب ویلور: ص:۶۳)

حضرت قطب ویلور کے ساتھ مولانا عبدالرحیم کا ربط وضبط اور ان کی شیخ نوازی وخدمت گزاری اور حاضر باشی اور استفادہ اور استفاضہ کے احوال وکوائف اور ان کے نام حضرت قطب ویلور کے تحریر کردہ

مکتوبات وغیرہ کو دیکھتے ہوئے قیاس یہی چاہتا ہے کہ حضرت قطب ویلور نے آپ کو خلافت واجازت سے سرفراز کیا ہوگا۔ اردو نثر میں مولانا عبدالرحیم حضرت قطب ویلور کے پہلے سوانح نگار ہیں۔ آپ ہی نے اپنی کتاب مقالاتِ طریقت میں حضرت قطب ویلور کے تقریباً پچاس خلفاء کے نام اور بعض کا مختصر ترین تعارف پیش کیا ہے۔ بجز اس تذکرہ کے کسی کتاب میں خلفائے حضرت قطبؒ ویلور کے نام نہیں ملتے۔

حضرت قطب ویلور کے اولین منظوم سوانح نگار مولانا شاہ عبدالحی بنگلوری نے دو چار خلفاء کے نام کی صراحت کی ہے۔ مولانا عبدالرحیم نے جن خلفاء کی فہرست دی ہے۔ اس میں اپنا نام شامل نہیں کیا ہے۔ شاید یہ آپ کی کسر نفسی ہوسکتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

مولانا عبدالرحیم کا یہ تذکرہ ''مقالاتِ طریقت'' چھ ابواب اور ایک مبسوط خاتمہ پر مشتمل ہے۔ چھ ابواب میں انھوں نے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کے خانوادہ کی علمی خدمات وغیرہ کو پیش کیا ہے۔ خاتمہ میں حضرت قطب ویلور کی حیات وخدمات پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ یہ کتاب مطبع متین حیدرآباد سے ۱۲۹۱ھ میں شائع ہوئی ہے۔

اس مقام پر مولانا عبدالرحیم کی کتاب ہی سے خلفاء کی تفصیل بیان کی جارہی ہے:

۱۔ حضرت مولانا سید شاہ علی محمد قادری عرف بڑے صاحب: آپ حضرت قطب ویلور کے بھائی تھے۔

۲۔ حضرت مولانا رکن الدین حاجی سید شاہ محمد قادری آپ حضرت قطب ویلور کے صاحب زادے جائے نشین اور سجادہ نشین تھے۔

۳۔ حضرت مولانا حاجی سید شاہ محمد قادری آپ حضرت قطب ویلور کے ہمشیر زادے اور داماد تھے۔

۴۔ حضرت مولانا حاجی سید شاہ فضل اللہ قادری آپ حضرت قطب ویلور کے ہمشیر زادے تھے۔

۵۔ حضرت مولانا حاجی سید شاہ محمد قادری آپ حضرت قطب ویلور کے ہمشیر زادے تھے اور مدینہ منورہ میں آپ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

۶۔ حضرت مولانا سید شاہ شہ میر قادری حضرت قطب ویلور کی ہمشیرہ کے نواسے تھے۔ آپ عالم باعمل، فاضل کامل، حافظِ قرآن اور علوم شریعت وحقیقت کے جامع تھے۔

۷۔ حضرت مولانا شیخ محمد استنبولی (ترکی) ثم مکی آپ شیخ کامل، عالم باعمل، جامع شریعت وحقیقت تھے۔

۸۔ حضرت مولانا محمد خان بدخشانی ثم مدنی آپ عالم باعمل، فاضل کامل، یکتائے زمانہ، پیشوائے جہان اور متبع سنت تھے۔

۹۔ حضرت مولانا محی الدین فقیہہ قادری آپ کو استاد محی الدین اور دبلے محی الدین بھی کہتے ہیں۔ حضرت قطب ویلور کے خلفاء میں وحید العصر بلکہ اس ملک میں فرید الدہر تھے۔

۱۰۔ حضرت مولانا شاہ عبدالحی واعظ بنگلوری صاحب تصانیف کثیرہ۔

۱۱۔ حضرت مولانا پیر محی الدین قادری۔ آپ حضرت شاہ من اللہ کے صاحبزادے تھے جو مشائخ بالا گھاٹ سے تھے۔

۱۲۔ حضرت مولانا حاجی سید شاہ شہاب الدین قادری میسوری عرف حسن پاشاہ

۱۳۔ حضرت مولانا خطیب شاہ محمد یعقوب قادری۔

۱۴۔ حضرت مولانا سید شاہ عبدالقادر قادری عرف قادرو میاں۔ عالم اور صوفی تھے۔

۱۵۔ حضرت مولانا سید جلال الدین محمد بن سید عبدالمجید بمبئیؒ

۱۶۔ حضرت مولانا حافظ غلام محی الدین ابن حافظ عبدالقادر انوری

۱۷۔ حضرت مولانا سید شاہ ابوالحسن قادری بیجاپوری

۱۸۔ حضرت مولانا شاہ ولی محمد قادری ابنِ میر بخش اورنگ آبادی

۱۹۔ حضرت مولانا محمد عبدالعزیز قادری۔

۲۰۔ حضرت مولانا حاجی عبداللہ صاحب عرف سید شاہ عالم ساکن تاڑپتری

۲۱۔ حضرت مولانا عبدالوہاب قادری (بانی مدرسہ باقیات صالحات، ویلور)

۲۲۔ حضرت مولانا سید احمد قادری، برادرزادۂ سید اکبر صاحب

۲۳۔ حضرت مولانا سید شاہ اکبر قادری

۲۴۔ حضرت مولانا شاہ علی احمد

۲۵۔ حضرت مولانا حافظ سید مصطفےٰ قادری ہمشیرزادۂ شاہ ولی اللہ ہترنگری

۲۶۔ حضرت مولانا لعل محمد قادری۔ دامادِ مولوی اسداللہ بیگ

۲۷۔ حضرت مولانا سید عبداللہ قادری، دہلوی بھوپالی۔ فاضل جلیل۔ حامیِ دینِ مصطفوی، واقفِ اسرارِ نبویؐ

۲۸۔حضرت مولانا حاجی محمد حنیف قادری۔عالم باعمل، فاضلِ کامل، زاہد و متقی

۲۹۔حضرت مولانا شیخ محمد ابن ابی بکر

۳۰۔حضرت مولانا عبداللہ مشتاق نزیل فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن

۳۱۔حضرت مولانا حافظ سید عبداللہ قادری عظیم آبادی

۳۲۔حضرت مولانا سید شاہ کریم اللہ قادری نیلوری نزیل حیدرآباد

۳۳۔حضرت مولانا سید شاہ محمد قادری، محمد قادری نانگ پٹی

۳۴۔حضرت مولانا عبدالرحمٰن فقیہہ مدراسی

۳۵۔حضرت مولانا مفتی سید علی بخش قادری

۳۶۔حضرت مولانا غلام حسین قادری متولی مسجدِ چنداصاحب ویلور

۳۷۔شیخ احمد بن مبارک سحری جیرانی قبیلۂ بنوسعد

۳۸۔حضرت مولانا حاجی عبدالعزیز قادری، ساکن وانم باڑی

۳۹۔حضرت مولانا سید شاہ ابراھیم قادری

۴۰۔حضرت مولانا محمد میران ساکن تنکاسی

۴۱۔حضرت مولانا محمد یوسف امّاپٹی

۴۲۔حضرت مولانا سید شاہ مرتضٰی قادری مدراس

۴۳۔حضرت مولانا محمد ابوبکر بنگلوری

۴۴۔حضرت مولانا محمد شاہ علی قادری

۴۵۔حضرت مولانا مرزا محمد علی قادری

۴۶۔حضرت مولانا شاہ محمد قادی عرف یوسف صاحب ساکن وانم باڑی

۴۷۔نواب الحاج محمد داؤد خان نبیرۂ نواب الف خان مغفور والئی کرنول۔آندھرا

حاصلِ کلام!

حضرت قطب ویلور نے اپنے آٹھ لاکھ مریدوں اور شاگردوں میں سے صرف چار سو اشخاص کو

خرقۂ خلافت اور اجازتِ دعوت سے نوازا۔ مولانا عبدلرحیم ضیا حیدرآبادی کی پیش کردہ مذکورہ فہرست کا جائزہ لینے سے یہ حقیقت بخوبی آشکار ہوتی ہے کہ حضرت قطب ویلور نے خلافت دینے کے مسئلہ میں کئی پہلوؤں اور گوشوں کو اپنے پیشِ نظر رکھا ہے، جس کی وجہ سے ایک ایسی جماعت کی تشکیل ہوی، جس کے افراد علمی، ادبی، اصلاحی، دعوتی، تدریسی، تقریری، تحریری اور تربیتی صلاحیتوں اور قابلیتوں کے مالک تھے۔ اوران حضرات نے شہر شہر، گاؤں گاؤں اور قریہ قریہ میں درس وتدریس، تصنیف وتالیف، وعظ ونصیحت اور اصلاح وتربیت کا کام حسن وخوبی اور بڑی جامعیت وتوازن اور اعتدال کے ساتھ انجام دیا جس کی برکت سے سارے جنوب میں ایمان وعرفان کی شمعیں روشن ہوگئیں۔

اس مقالہ میں ان تمام خلفاء کی مساعیٔ جمیلہ اور خدماتِ جلیلہ کو حیطہ تحریر میں لے آنا ایک مشکل ترین مرحلہ ہے۔ جس کے لئے ہزاروں صفحات کا دامن بھی تنگ ہوجائے گا۔ لہذا ان ہی مختصر کلمات پر یہ ذکرِ جمیل اختتام پذیر ہے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

اختتامیہ

حضرت قطب ویلوراوران کے خلفاء کی علمی وادبی، دینی ملی اوراصلاحی وتجدیدی خدمات کے کئی پہلو ہیں۔حضرت قطبِ ویلور ایک ایسے دودمانِ عالی شان کے چشم و چراغ تھے جوعربی و فارسی اور اردو زبان وادب اورعلومِ شریعت وطریقت کی دنیامیں ایک منفردوممتاز مقام حاصل کرچکا تھا۔اس خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت سید شاہ عبداللطیف بیجاپوری کی زندگی ہی سے ویلورمیں تعلیم وتربیت اوردعوت واصلاح کا کام شروع ہو چکا تھا۔پھران کی اولاد امجاد سے یہ کام مزید آگے بڑھتا رہا۔

حضرت قطبِ ویلور کے پردادا حضرت قربؔی ویلوری اس علاقہ کے پہلے صاحبِ دیوان اردو شاعر تھے۔جن کی ذات سے یہاں اردوشاعری کوفروغ حاصل ہوا۔اس علاقہ کے متعددعلماء،شعراءاور ادباءآپ کے بلاواسطہ یابالواسطہ شاگرد تھے۔حضرت قطبِ ویلور کے داداحضرت ذوقؔی ویلوری نےعربی، فارسی اوراردو میں ساٹھ سے زائد کتابیں مختلف علوم وفنون میں تصنیف کیں اورتین لاکھ اشعار کاادبی سرمایہ چھوڑا۔اورحضرت قطبِ ویلور کے والدِ ماجد حضرت محوؔی ویلوری نے فارسی کےعلاوہ اردوزبان میں متعدد مذہبی واصلاحی رسائل تصنیف کئےاورعورتوں کی تعلیم وتربیت کے لئے اپنے قلم کوجنبش دی۔

حضرت قطبِ ویلور نے جب میدانِ عمل میں قدم رکھاتو آپ کے لئے مختلف جہتوں میں کام کے لئے زمین ہموار ہوچکی تھی ۔ البتہ نئی صورتِ حال یہ پیش آئی کہ آپ کے زمانہ میں ہندوستان پر انگریزوں کے اقتدار کے باعث متعدد ومختلف مسائل پیدا ہوچکے تھے۔شمال میں آپ کے ہم عصر عالم حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے ہندوستان کودارالحرب قراردے دیا تھا۔جس کے نتیجہ میں جہاد کا غلغلہ بلند ہو چکا تھا۔اورانگریزوں کے خلاف نفرت وحقارت اورعداوت کی فضا پھیل رہی تھی۔حتیٰ کہ ان کی زبان وادب،تہذیب وتمدن،علم وفن اور مصنوعات سے بھی کنارہ کشی کا ماحول پیدا ہو چکا تھااور انگریز سرکاراپنی پوری قوت کے ساتھ ہنگاموں اورشورشوں کوختم کررہی تھی۔جس کی وجہ سے قید و بند اور

کشت وخون کا بازار گرم تھا۔

اس نازک مرحلہ پر حضرت قطب ویلور کی ذاتِ گرامی سے جو دعوتی تحریک وجود میں آئی وہ بڑی حد تک شیخ احمد سرہندی حضرت مجدد الف ثانی کی تحریک سے مماثلت اور مناسبت رکھتی ہے۔ چنانچہ حضرت قطبِ ویلور کے کام کی نوعیت بھی وہی نظر آتی ہے جو شیخ مجدد کے کام کی تھی۔ دسویں صدی ہجری میں شیخ مجدد کا ظہور ہوا تھا۔ اس کے تین سو سال بعد یعنی تیرھویں صدی ہجری میں حضرت قطب ویلور کا ظہور ہوا تھا اور ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں یہ دونوں صدیاں سیاسی، علمی اور مذہبی حیثیت سے غیر معمولی اہمیت رکھتی ہیں۔ دسویں ہجری میں ہندوستان مغل خاندان کی حکومت کے قبضہ میں تھا۔ جب شہنشاہ اکبر تخت پر بیٹھا تو حالات نے ایک دم پلٹا کھایا اور وقت کا یہ مطلق العنان شہنشاہ اپنے نظریات اور احکام میں اسلام سے دور اور دوسرے ہندوستانی مذاہب سے قریب پہنچ چکا تھا۔ اور ایک نیا مذہب "دینِ الٰہی" کے نام سے ایجاد کر رکھا تھا۔ بقول اے۔ سی۔ چٹرجی:

"اکبر کے قوانین دینِ اسلام سے زیادہ ہندو مذہب کی موافقت اور حمایت میں ہوتے تھے۔"

(مختصر تاریخ ہند: ص: ۲۵۱)

اور اکبر کی حمایت میں ذہین و فطین علماء کی ٹولی سرگرم عمل تھی۔ حکومتِ وقت کی طاقت اور علم و ذہانت کی قوت دونوں اسلام کو اپنی رو میں بہالے جانے کے درپے تھی اور ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ہندوستان سے اسلام کے قدم اکھڑ جائیں گے۔

ان حالات میں شیخ مجدد نے اسلام کے احیاء اور سرمایہ ملت کی نگہبانی کے لئے حکومتِ وقت سے محاذ آرائی کے بجائے اپنے لایق و فائق تلامذہ و خلفاء کو ساتھ لے کر خاموشی کے ساتھ ذہن سازی و کردار سازی کا عمل شروع کیا اور بااقتدار لوگوں کے نام مکتوبات لکھنا شروع کئے۔ آخر کار یہ داعیانہ کوشش برگ و بار لائی اور حکومت و ذہانت کی قوت کم زور پڑ گئی اور اسلام کی لچک دار فطرت بن کر ابھرنے لگی۔

تیرھویں صدی ہجری کا زمانہ بھی ایک ایسا ہی زمانہ تھا۔ جس میں ہندوستان پر انگریزوں کی دھاک بیٹھی ہوی تھی۔ حکومت اور عیسائی مشنری دونوں عیسائیت کی توسیع کیلئے سرگرم عمل تھے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ہندوستان سے اسلام کے قدم اکھڑ جائیں گے۔

ان حالات میں حضرت قطب ویلور نے اسلام کے احیاء اور سرمایۂ ملت کی نگہبانی کے لئے انگریز حکومت سے محاذ آرائی کے بجائے اپنے لائق و فائق تلامذہ و خلفاء کو ساتھ لے خاموشی کے ساتھ دعوتِ اسلام کی تحریک میں لگ گئے۔ جیسا کہ تیسرے باب ''حضرت قطب ویلور کی سوانح میں یہ ساری تفصیل پیش ہو چکی ہے۔

حضرت قطبِ ویلور نے انگریزوں کو اسلام کی جانب مائل کرنے کی کوششوں کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے راجاؤں کو بھی اسلام کی دعوت دی۔ یہی نہیں بلکہ یہاں کے غیر مسلم طبقوں کو بھی اسلام سے روشناس کرانے کی مہم شروع کردی۔ چنانچہ ہندی زبان کے ساتھ ساتھ علاقائی زبانوں مثلاً تلیگو، ٹمل، ملیالم، مرہٹی وغیرہ میں توحید ورسالت، نجات، اسلام کی حقانیت وصداقت، اس کی انسانیت نوازی اور امن پسندی پر دعوت نامے ترتیب دے کر اپنے خلفاء کے ذریعہ بڑی بڑی غیر مسلم شخصیتوں کی خدمت میں یہ ترتیب روانہ کئے اور اشاعت کے ذریعہ بھی اسلام کے پیغام کو عام کیا۔ یہ تفصیل مقالہ کے تیسرے باب میں آچکی ہے۔ حضرت قطب ویلور کی خدمت کا یہ وہ مفید اور منفرد پہلو ہے جو آپ کے معاصر اہلِ قلم کے تصانیف میں نظر نہیں آتا۔

حضرت قطب ویلور کے کام کا ایک مفید اور تعمیری پہلو یہ بھی ہے کہ آپ نے مسلمانوں کی مذہبی زندگی میں پھیلے ہوئے اختلافات اور انتشار کو ختم کرنے کی سعی کی۔ آپ کے عہد میں مسلمانوں کی زندگیِ برطانوی سیاست اور اس سے پیدا ہونے والے مثبت اور منفی حالات واثرات میں گھری رہنے کے علاوہ داخلی اعتبار سے بھی کئی ایک مسائل کا شکار تھی۔ ائمہ متبوعین کی تقلید کو تنگ نظری و کوتاہ بینی قرار دیا جارہا تھا۔ مذاہبِ اربعہ میں سے ایک مذہب پر عامل رہتے ہوئے اپنی نفسانی اغراض وخواہشات کے تحت دوسرے مذہب کے بعض احکام پر عمل کیا جارہا تھا اور فقہا کے مذاہب میں باہم ایک دوسرے کے مذہب پر ترجیح اور فوقیت دی جارہی تھی جس کے نتیجہ میں تنقیص کی فضا پیدا ہورہی تھی اور عامی شخص بھی قرآن وحدیث سے احکام اور مسائل استخراج کرنے لگا تھا۔ اہل سنت و جماعت کے فروعی و جزوی اختلافات کو کفر وایمان کا اختلاف تصور کیا جارہا تھا اور ہر طرف افراط وتفریط، غلو وتعصب اور تکفیر وتضلیل کا ماحول پیدا ہو چکا تھا۔ تصوف اور اہل تصوف کے علوم ومعارف کا انکار ہونے لگا تھا اور وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود کی فروعی بحثوں

میں الجھ کر خود اہلِ تصوف کے ہاتھوں سے اعتدال وتوازن کا دامن چھوٹ چکا تھا۔ جس کی وجہ سے دنیائے تصوف بھی افراط وتفریط کی نذر ہو چکی تھی۔ گمراہ کن اور بے علم اور بے عمل اور خام صوفیوں کی بداعتقادی اور بداعمالی کے باعث شریعتِ مطہرہ کے آبگینے چور چور ہو چکے تھے۔

یہ تھے وہ حالات جن میں حضرت قطب ویلور نے اصلاح وتجدید کا علَم بلند کیا اور اس متعفن و مسموم فضا کو اپنی زبان وقلم کے ذریعہ ختم کر دیا۔

حضرت قطب ویلور کی خدمت کا ایک زندۂ جاوید پہلو یہ بھی ہے کہ آپ کی افراد سازی کی خدمت کے باعث علم وادب، اصلاح وتجدید، دعوت وتبلیغ اور درس وتدریس اور تعلیم وتربیت کا کام تسلسل کے ساتھ آج بھی جاری ہے۔ آپ کے خلفاء میں سے جن حضرات نے درس وتدریس کی مسندیں آراستہ کیں وہ ہنوز بجھی ہوئی ہیں۔ جن میں سے قابلِ ذکر درس گاہ دارالعلوم لطیفیہ، ویلور اور مدرسۂ باقیات الصالحات ویلور ہے۔ اوران دونوں درس گاہوں میں تدریسی کام کے علاوہ تصنیفی واشاعتی کام بھی ہو رہا ہے ۔اوران کی کوکھ سے نکلنے والے علماء وفضلاء کی تقریری وتحریری اور تدریسی خدمت کے باعث اردو زبان و ادب بھی پروان چڑھ رہا ہے اور ایک عظیم ادبی سرمایہ وجود میں آ رہا ہے۔

جہاں تک حضرت قطب ویلور کی ادبی خدمات کا تعلق ہے، یہ تینوں زبانوں پر پھیلی ہوی ہیں۔ عربی اور فارسی میں آپ کی معرکۃ آراء کتابیں ملتی ہیں۔ جن پر تفصیلی بحث پچھلے ابواب میں آ چکی ہے۔ ان کے مقابلے میں آپ کی اردو تصانیف کم ہیں اور ان کی تعداد صرف سات ہے اور یہ ''بقامت کہتر بقیمت بہتر'' کے مصداق ہیں۔

دراصل مصنف کے پاس ہر تصنیف کا ایک خاص مقصد ہوتا ہے۔ اس مقصد کے پیش نظر مصنف اپنی تصنیف کے لئے زبان اور اس کے معیار کو اختیار کرتا ہے۔ حضرت قطب ویلور کی تصانیف حقائق و دقائق پر بھی مبنی ہیں اور خواص وعام دونوں کی رہبری کے مقصد سے بھی لکھی گئی ہیں۔ ان تصانیف میں کچھ خالص علمی حیثیت کی بھی ہیں اور کچھ تفہیمی وتہدیدی انداز کی بھی۔ مسائل بحث کا بھی معاملہ یہ ہوتا ہے کہ کچھ دقیق ہوتے ہیں اور کچھ عام سے اور جیسے مسائل ہوتے ہیں۔ انھیں پیش کرنے کے لئے ویسی ہی مناسب زبان کی ضرورت پڑتی ہے۔ کہیں محسوس ہوتا ہے کہ ان مسائل کو فارسی یا اردو میں ضبطِ تحریر پر لانا۔

بہ نسبت عربی کے مشکل ہوگا۔ ایسے مسائل کے لئے لازمی طور پر عربی زبان ہی کو اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح جو مسائل فارسی میں زیادہ سہولت اور صحت کے ساتھ ضبط تحریر لائے جاسکتے ہیں، ان کے لئے فارسی زبان ہی اختیار کرنی پڑتی ہے۔

تصنیف و تالیف کے سلسلہ میں ایک مسئلہ مخاطب کی رو سے بھی سامنے ہے۔ تصنیف کا مخاطب کہیں عالم طبقہ ہوتا ہے اور کہیں عام لیاقت رکھنے والا طبقہ۔ جس تصنیف کا مخاطب عام آدمی ہوگا، اس کے لئے وہی زبان اختیار کی جائے گی، جو عوام کی ہوگی، پھر لب ولہجہ و معیار بھی وہی ہوگا جو مخاطب کا ہوگا۔ تا کہ پڑھنے والا سمجھ بھی سکے۔

یہی اصول تھا جن کی بناء پر جہاں دقیق مسائل کی بحث درکار تھی، وہاں حضرت قطب ویلور نے عربی و فارسی زبانیں اختیار کیں اور جہاں کتاب کی تصنیف کا مقصد عوام کی فہمائش تھی، وہاں آپ نے اردو زبان کو اختیار کیا اور لہجہ کو بھی عوامی رہنے دیا۔ یہ اصول آپ کی تصانیف میں کارفرما نظر آتا ہے۔ ان تصانیف میں سوائے ''خلاصۃ العلوم'' کے سبھی کا عام انسانوں سے تعلق ہے۔ کسی میں احادیث پر عمل پیرا ہونے کی تاکید ملتی ہے۔ کسی میں جذبۂ توحید کی تقویت پہنچانے کی کوشش، کسی میں آثارِ شریف کے سلسلہ میں فتویٰ جاری ہوا ہے تو کسی میں عوام الناس میں پھیلی ہوئی خرافات کو دور کرنے کی کوشش۔ ظاہر ہے یہ سارے کے سارے رسالے عوام کے لئے ہیں۔ اس لئے آسان زبان میں بلکہ عوامی لب ولہجہ میں ہیں ان میں ضخامت سے بھی بچنے کی کوشش ملتی ہے۔ کیوں کہ عوام زیادہ ضخیم کتابیں پڑھ نہیں سکتے۔

آپ اس راز سے واقف تھے کہ عوام الناس جس قدر اردو سے فائدہ اٹھا سکتے تھے، اس قدر عربی و فارسی سے نہیں۔ ان تصانیف کے لئے اردو زبان اختیار کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے۔

آپ کے مکتوبات سے اردو زبان کا تاریخی سیکولر کردار بھی ہمارے سامنے آتا ہے کہ آپ کے عہد میں اردو کے تعلق سے آج کے ماحول کی طرح کسی قسم کا تنفر اور تعصب نہیں پایا جاتا تھا۔ اور فرقہ واریت کے نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ ہندوستانی غیر مسلم باشندوں کو اردو زبان میں دعوتِ اسلام دینا، اس بات کا ثبوت ہے کہ اس عہد میں اردو نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ غیر مسلموں میں بھی بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ ورنہ داعی کا مدعو کو دعوت دینا بے فائدہ اور بے نتیجہ عمل ہوگا۔

آپ کا ایک ادبی کارنامہ یہ بھی ہے کہ اپنے خلفاء میں ادبی وشعری ذوق پیدا کیا۔آپ کے بعض خلفاء جن میں حضرت احقرؔ بنگلوری، حضرت مسکینؔ مدراسی اور عبدالرحیم ضیاؔ حیدرآبادی قابلِ ذکر ہیں۔اردوزبان کے اچھے شاعراورادیب نکلے جن کا ذکر متعلقہ باب میں ہو چکا ہے۔

آپ کا تدریسی سلسلہ اور وعظ بیان بھی اردو ہی کے جامہ میں ہوتا تھا۔جس کی وجہ سے مریدوں اور خلفاء نے بھی اپنے مرشد کی زبان کو سینے سے لگایا۔حضرت قطب ویلور اوران کے تلامذہ کی ان تدریسی، تقریری اور تحریری سرگرمیوں نے اردوزبان کو نئی توانائی بخشی ،نئی راہیں اورنئی جہتیں عطا کیں۔جن سے زبان کی مقبولیت بھی بڑھی اور حسن بھی۔اگر چہ یہ ساری خدمات بالراست نہ تھیں بلکہ بالواسطہ تھیں۔لیکن ان بالواسطہ مساعی کا یہ عالم تھا تو سوچنے کی بات ہے کہ بالراست کوشش کا کیا عالم ہوتا؟

غرض اردوزبان وادب کی نشونما اور ترقی میں حضرت قطب ویلور کا بالراست حصہ قلیل سہی لیکن بالواسطہ جواثر اور حصہ رہا ہے وہ اتنا مستحکم ومفید اور وسیع ہے کہ تاریخ اسے نظرانداز نہیں کرسکتی اور بالخصوص آپ کے خلفاء وتلامذہ جواپنے عہد کے ممتاز ادباء وشعراء اور مصنفین گزرے ہیں ۔جنھوں نے مذہبی خدمات اردوزبان کے ذریعہ انجام دیں اور متفرق علمی وادبی موضوعات پر اردوزبان کی جو معیاری تصانیف پیش کی ہیں،وہ اپنی آپ مثال ہے۔

ان حضرات کے علمی وادبی سرمایہ کے باعث تصنیف وتالیف کے باب میں ایک صالح معیار قائم ہوا جو دینی رجحانات اور صالح اقدار کے سایہ پروان چڑھا اورانھیں کی تصانیف کے ذریعہ دین اور ادب کا ایک حسین وجمیل امتزاج دیکھنے میں آیا اور یہی وہ امتیازی پہلو ہے، جو حضرت قطب ویلور اوران کے شاگردوں کی اردوخدمات کو تاریخ ادبِ اردو میں ایک ممتاز مقام بخشتا ہے۔

کتابیات

نام کتاب	مصنف/مترجم/مرتب/مطبع/سن اشاعت
۱۔احیاء السنہ	حضرت قطب ویلور، مطبع اسلامیہ، ویلور ۱۲۲۹ھ
۲۔انوار اقطاب ویلور	مولوی محمد طیب الدین اشرفی، قومی پریس بنگلور۔۱۹۶۳ء
۳۔اجلاس دہم ندوۃ العلماء بمقام مدراس	۳،۴،۵ جنوری ۱۹۰۴ء، اسلامی پریس شاہ جہاں پور
۴۔انشائے عقائد ذوقیؔ (حصہ اول)	مترجم سید حمید اشرف کچھوچھوی، دارالتصنیف والاشاعت ویلور ۱۹۶۹ء
۵۔بیعت غائب و حاضر	حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری محویؔ ویلوری، دارالتصنیف والاشاعت ویلور، ۱۹۶۴ء
۶۔بیعت و ارادت کا ایک تحقیقی جائزہ	مولوی حافظ بشیر الحق، دائرۃ المعارف السنیہ، ادھونی، ۱۹۸۲ء
۷۔بدعت نامہ و ہدایت نامہ	حضرت ابوالحسن قربیؔ ویلوری، ۱۳۰۵ھ
۸۔باقیات ایک جہاں	مرتب ڈاکٹر راہی فدائی، انجمن ترقی اردو، مدرسۂ باقیات، ویلور، ۱۹۸۰ء
۹۔تذکرۂ بہار اعظم جاہی	مولوی عبدالقادر ناظر مدراسی، مدراس یونیورسٹی، مدراس ۱۹۶۱ء
۱۰۔تذکرہ عبدالوہاب ویلوری	مولوی خطیب عبدالمجید باقوی، دارالخطیب، ویلور، ۱۴۰۳ھ
۱۱۔تاریخ جنوبی ہند	محمود خان محمودؔ بنگلوری

کتاب	مصنف / ناشر	سنہ
	نامی پریس، لاہور،	۱۹۴۷ء
۱۲۔ تعلیقات حدیقۃ المرام	افسر صدیقی	
	انجمن ترقی اردو، پاکستان،	۱۹۷۹ء
۱۳۔ تکملۂ مثنوی مطلع النور	مطبع محمدی بنگلور۔	۱۲۹۰ھ
۱۴۔ تصوف اور کلامِ قربی	ڈاکٹر نجم الھدیٰ	
	پٹنہ، بہار،	۱۹۸۴ء
۱۵۔ تذکرۂ گلزارِ اعظم	نواب محمد غلام غوث خان اعظم	
	مطبع سرکاری، مدراس،	۱۲۷۲ھ
۱۶۔ ٹمل ناڈو میں اردو	علیم صبا نویدی	
	کونسل برائے فروغ اردو، گورنمنٹ آف انڈیا نئی دہلی۔ ۱۹۹۸ء	
۱۷۔ جواہر الحقائق	حضرت قطب ویلور	
	مطبع مظہر العجائب۔ مدراس۔	۱۲۷۴ھ
۱۸۔ جواہر السلوک	حضرت قطب ویلور	
	مطبع مظہر العجائب، مدراس،	۱۲۸۵ھ
۱۹۔ جواھر العرفان	مولوی شاہ ولی اللہ دھارواڑ	
	مطبع حجازیہ، بمبئی	
۲۰۔ جنوب کا شعر وادب	علیم صبا نویدی،	۱۹۹۳ء
۲۱۔ چہار گلشن	مولانا عبدالحی واعظ بنگلوری	
	مطبع محمدی، بنگلور	۱۳۰۳ھ
۲۲۔ حدیقۃ المرام (عربی)	مہدی واصف مدراسی، مترجم۔ وجاہت مرزا	
(تذکرۂ علمائے مدراس) اردو	انجمن ترقی اردو، پاکستان	۱۹۷۹ء
۲۳۔ خانوادۂ اقطابِ ویلور	مولوی محمد زکریا ادیب خاور	۱۹۵۸ء

	ناشر: انجمن دائرۃ المعارف ویلور، قومی پریس۔ بنگلور	
۲۴۔ خانوادۂ حضرت قطب ویلور کی تاریخ ساز مایہ ناز شخصیت	مولوی حافظ بشیر الحق	۱۹۸۷ء
۲۵۔ دکن میں اردو	مولوی نصیر الدین ہاشمی	
	مطبوعہ لکھنو،	۱۹۹۱ء
۲۶۔ دارالعلوم لطیفیہ کا ادبی منظر نامہ	ڈاکٹر راہی فدائی، مطبوعہ	۱۹۹۷ء
۲۷۔ دیوانِ تراب	ڈاکٹر سلطانہ بخش،	
	انجمن ترقی اردو پاکستان۔	۱۹۸۲ء
۲۸۔ دیوان قربی	مرتب پروفیسر سید فضل اللہ	
	ناشر مہتاب عارفی ترویتی (آندھرا)	۱۹۶۴ء
۲۹۔ دیوانِ مسکین	مدراس ۱۳۴۳ھ م	۱۹۲۴ء
۳۰۔ روئدادِ جلسۂ دستار بندی جلسہ بنائے مدرسۂ لطیفیہ ویلور		۱۹، شعبان ۱۳۱۱ھ
۳۱۔ رحلتِ شیخ	مولانا پٹ عبد الصمد باقوی	
	مطبع شاہ الحمید۔ مدراس	۱۹۱۹ء
۳۲۔ زاد الآخرت	مولانا واعظ بنگلوری	
	مطبع محمدیہ بنگلور،	۱۲۷۰ھ
۳۳۔ شہر آشوب یوم النشور		
وفات نامۂ قطب زماں ویلور	نظام المطابع۔ بنگلور	
۳۴۔ شجرۂ کلمات طیبہ (مثنوی)	مولانا حبیب اللہ ندوی، ویلوری	
(شرح گلدستۂ توحید)	مطبع کوثر پریس بنگلور	
۳۵۔ ضمیمۂ جواہر السلوک	مولوی سید محمد قادری	
	مطبع مظہر العجائب، مدراس،	۱۲۸۳ھ

کتاب	مصنف / ناشر	سنہ
۳۶۔عربک اینڈ پرشین ان کرناٹک (انگریزی)	پروفیسر محمد یوسف کوکن عمری	۱۹۷۴ء
۳۷۔علامہ احقر بنگلوری (حیات اور کارنامے)	ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی	
	دارقدرت، میسور ،	۱۹۹۵ء
۳۸۔غایۃ التحقیق	حضرت قطب ویلور	
	مطبع مظہر العجائب۔مدراس،	۱۲۸۰ھ
۳۹۔فصل الخطاب بین الخطاء والصواب	حضرت قطب ویلور	
	مطبع قادری، ویلور،	۱۸۸۴ھ
۴۰۔نغانِ اعظم	مولانا محمد اعظم سفیر بلنچوری	
	مطبع شوکت الاسلام بنگلور،	۱۹۱۹ء
۴۱۔قربی	پروفیسر محمد یوسف کوکن عمری،	۱۹۱۶ء
۴۲۔گہرہائے صدف	مولوی حافظ بشر الحق	
	مطبع ٹمل ناڈو پبلیکشنز مدراس،۲،	۱۹۹۹ء
۴۳۔میزان العقائد	حضرت قربی ویلوری	
	مطبع قادری۔ویلوری۔	۱۲۷۴ھ
۴۴۔مقالاتِ طریقت	مولانا عبدالرحیم ضیا حیدرآبادی	
	مطبع متین۔حیدرآباد،	۱۲۹۱ھ
۴۵۔مجددِ جنوب	حضرت فدوی باقوی	
	ناشر دارالاشاعت مدرسۂ باقیات ویلور بر موقعۂ جشنِ صد سالۂ مدرسۂ باقیات ویلور	۱۹۸۰ء
۴۶۔مجموعۂ رسائلِ قربی	مترجم: مولانا طیب الدین اشرفی	
	ناشر دارالتصنیف والاشاعت، حضرت مکان ویلور	۱۹۶۶
۴۷۔مرثیۂ انتقال	مولانا عبدالقادر شاکر وانم باڑی	
	مطبع نامی مدراس،	۱۳۳۷ھ

۴۸۔مدراس میں اردو کی نشونما	ڈاکٹر افضل الدین اقبال۔حیدرآباد،	۱۹۷۹
۴۹۔مثنوی مطلع النور	مولانا عبدالحی بنگلوری	
	مطبع محمدیہ۔بنگلور۔	۱۳۹۰ھ
۵۰۔نزھۃ الخواطر ج:۸	حکیم سید عبدالحی لکھنوی	
	دایرۃ المعارف العثمانیہ۔حیدرآباد،	۱۹۵۹ء

مقالات غیر مطبوعہ برائے پی، ایچ،ڈی

ا۔خانوادۂ قربی کی اردو خدمات	ڈاکٹر امّ شہلا	تحریر ۱۹۸۹ھ
۲۔مدارسِ ویلور کی ادبی خدمات	ڈاکٹر ظہیر احمد باقوی	۱۹۹۸ء
۳۔اقطابِ ویلور اوران کے خلفاء کی ادبی، علمی ودینی خدمات	ڈاکٹر سید عثمان قادری	۲۰۰۱ء

رسائل و جرائد

ا۔سالنامۂ اللطیف ۱۴۰۰ھ ۲ سالنامۂ اللطیف ۱۳۸۹ھ

۳۔سالنامۂ اللطیف ۱۳۸۸ھ ۴ سالنامۂ اللطیف ۱۹۹۷ء

۵۔الرسالہ: مدیر مولانا وحیدالدین خان: اسلامی مرکز، دہلی۔ستمبر ۲۰۰۰ء

۶۔اللطیف: سلور جوبلی نمبر: ۱۴۰۴ھ: مرتب مولوی حافظ بشیر الحق

۷۔سخن وران ویلور: مرتب ڈاکٹر مظفر شہ میری: اسلامیہ کالج، وانم باڑی ۱۹۸۹ء

۸۔سالنامۂ اللطیف: ۱۳۸۵ھ ۹ سالنامۂ اللطیف، ویلور ۱۹۸۹ء

۱۰۔سالنامۂ اللطیف: ویلور ۱۳۹۹ھ

❁❁❁

مخطوطات

۱۔ تحفۂ احسن فی مناقب سید ابی الحسن
مولوی باقر آگاہ، مدراس

۲۔ انشائے لطف الٰہی
حضرت سید شاہ عبداللطیف ذوقیؔ ویلوری

۳۔ سفرنامۂ حضرت قطب ویلور
مرتب مولوی عبدالعزیز

۴۔ مکتوباتِ لطیفی
مرتب حضرت سید شاہ محمد قادری

۵۔ رسائلِ قربی
حضرت ابوالحسن قربیؔ

۶۔ لطائفِ لطیفی
حضرت ذوقیؔ ویلوری

۷۔ انشائے عقایدِ ذوقی
حضرت ذوقیؔ ویلوری

۸۔ خانوادۂ حضرت قطب ویلور کے بزرگانِ کرام کی فارسی اور اردو قلمی بیاضیں۔

HAZRATH QUTUB-E-VELLORE

The greatest literary figure;
His Disciples, Literary & Educational
Achievements and Contributions

* * *

A thesis presented for the
Degree of Doctorate of Philosophy in Urdu
To
Sri.Sankaracharya University of Sanskrit
Kalady, (Kerala)

By

AFZALULAMA MOULVI HAFIZ
Dr.BASHEERUL-HAQ QURAISHI
M.A., Ph.D.

Published by
VELLORE ISLAMIC RESEARCH FOUNDATION
62, Gandhi Road, (Near CMC Hospital)
Vellore - 632 004. (South India)

Printed at
TAMILNADU URDU PUBLICATIONS
Chennai - 2. Ph : 28588467 Cell : 32844907

حضرت قطب ویلور رحمۃ اللہ علیہ
اور
ان کے خلفاء کے علمی وادبی کارنامے
افضل العلماء مولوی حافظ ڈاکٹر ابو النعمان بشیر الحق قریشی
یم اے۔ پی ہچ ڈی
ویلور اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن
62۔ گاندھی روڈ۔ ویلور 632004.
HAZRATH QUTUB-E-VELLORE
The greatest literary figure;
His Disciples, Literary & Educational
Achievements and Contributions
* * *
A thesis presented for the
Degree of Doctorate of Philosophy in Urdu
To
Sri.Sankaracharya University of Sanskrit
Kalady, (Kerala)
By
AFZALULAMA MOULVI HAFIZ
Dr.BASHEERUL-HAQ QURAISHI
M.A., Ph.D.,
Published by
VELLORE ISLAMIC RESEARCH FOUNDATION
62, Gandhi Road, (Near CMC Hospital)
Vellore - 632 004. (South India)
Printed at
TAMILNADU URDU PUBLICATIONS
Chennai - 2. Ph : 28588467 Cell : 32844907